جو چلے تو جاں سے گزر گئے

ماھا ملک

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون:042-7352332-7232336

نوٹ:

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنفہ اور پبلشرز (علم و عرفان) محفوظ ہیں۔ ادارہ علم و عرفان نے اردو زبان اور ادب کی ترویج کیلئے اس کتاب کو kitaabghar.com پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس کے لئے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	....	جو چلے تو جاں سے گزر گئے
مصنف	....	ماہا ملک
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، اُردو بازار لاہور
سرورق	....	حنا شیخ
پروف ریڈنگ	....	رانا عبدالمجید
سن اشاعت	....	اپریل 2007ء
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
قیمت	....	-/120 روپے

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ

40-اردو بازار، لاہور۔فون:7223584

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون:042-7352332-7232336

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

کتابی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے ایک سلسلے وار ناول کو مکمل کتاب کی صورت میں ڈھالنے کا باعث ان تمام قارئین کی بے پناہ پذیرائی اور بے پایاں خلوص ہے جنہوں نے اسے باقاعدگی سے پڑھا، سراہا، اس کے کرداروں سے نفرت بھی کی اور محبت بھی۔

اس ناول کی کہانی ہمارے اپنے ہی معاشرے کی کہانی ہے۔اس کے کردار ماورائی یا تصوراتی نہیں ہیں۔ یہ جیتے جاگتے کردار اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ زندگی کی راہوں میں ہم سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔ یہ کردار محبت کے قرینوں سے بھی واقف ہیں اور رقابت اور نفرت کے آداب نبھانا بھی جانتے ہیں۔

انہیں جینے کا ہنر بھی آتا ہے اور مرنے کا سلیقہ بھی۔

خیر و شر، ہر آدمی کی فطرت کے بنیادی عناصر ہیں۔ ہر شخص کا خمیر انہی دو عناصر سے گندھا ہوا ہے۔ان کی کشمکش غالب ایسے شاعر سے کہلواتی ہے۔

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔

آدمی سے انسان ہونے کا سفر بڑا کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔لیکن ''انسان'' درحقیقت وہی ہے جس کا ''شر'' اس کے ''خیر'' کو شکست نہیں دے پایا، جس کے اندر ''خیر'' کا الاؤ روشن رہتا ہے۔

یہی احساس اس ناول کی اساس ہے۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتاب یہ بلبلیں یہ تتلیاں کے حقوقِ اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشر نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

ماہا ملک

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

کمرے میں اے سی کی کولنگ کے ساتھ ساتھ سگریٹ کی ناخوشگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ مکرم علی نے پردہ ہٹایا تو شیشے کی دیوار سے سورج کی چمکیلی کرنیں چھن کرتی اندر چلی آئیں اور چند لمحوں قبل والا اندھیرا ماحول یکا یک جگمگا اٹھا۔

مکرم علی نے پلٹ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کارپٹ پر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سگریٹوں کے ٹوٹے، خالی پیکٹ کولڈ ڈرنک کی بوتلیں، ان کے کھولنے کی Keys گندی پلیٹیں اور جانے کیا الا بلا سامان بکھرا ہوا تھا۔ ہر کونے میں کشن اوندھے پڑے تھے، ایک تکیہ پھٹا ہوا تھا اور اس کی نرم روئی کبوتر کے پروں کی طرح پورے کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔ بیڈ شیٹ آدھی بیڈ پر آدھی کارپٹ پر تھی۔

اور وہ ہاتھ پاؤں پھیلائے، الٹا لیٹا، بے خبر سو رہا تھا۔

''چھوٹے شاہ صاحب۔'' مکرم علی نے بے حد مودبانہ انداز میں اسے پکارا۔ ''آپ نے بارہ بجے جگانے کو کہا تھا۔''

''ہوں۔'' وہ کراہا اور سیدھا ہو کر پھر بے سدھ ہو گیا۔

''چھوٹے شاہ صاحب۔''

''ہوں۔ کیا ہے بابا......؟'' وہ بے زاری سے گویا ہوا۔

''بارہ بج کر دس منٹ ہو چکے ہیں۔''

''ہونے دو۔'' وہ غنودگی میں بولا ''تمہارا کیا لیتے ہیں......''

''آپ کو کہیں جانا تھا۔''

''مجھے!'' اس نے بمشکل سوجی ہوئی آنکھیں کھولیں اور سوئے ہوئے دماغ کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے کہاں جانا تھا؟ ہاں...... یاد آیا...... چائے لائے ہو؟''

''حاضر ہے جناب۔'' مکرم علی نے پھرتی سے ٹرالی گھسیٹ کر بیڈ کے نزدیک کی۔ ٹی کوزی ہٹا کر پیالی میں گرم گرم چائے ڈالی۔ دودھ انڈیلا اور چمچہ ہلانے لگا۔

''چائے شاہ صاحب!''

''وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں جھپکا جھپکا کر نیند بھگانے کی کوشش کرتے ہوئے اس ہاتھ سے کپ لے لیا۔

''میرا کوئی اچھا سا شلوار سوٹ نکال دو...... کوئی سفید نکال لو کلف والا۔''

''جی صاحب۔ اور کوئی حکم؟''

''کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟'' سوئی سوئی آواز میں اس نے پوچھا۔

''نہیں شاہ جی!''

''وہ سب ''کتے'' کب گئے؟'' پیالی خالی کر کے مکرم کی جانب بڑھائی۔

''جی! سائیں...... دس بجے تک سب چلے گئے تھے۔''

''ناشتہ کروا دیا تھا؟''

''جی سائیں...... بالکل۔''

''ہوں...... ٹھیک۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا ''یہ سب گند اٹھواؤ یہاں سے۔ بلاؤ خیراں کو۔ میں نہانے جا رہا ہوں...... امید سے کہو ناشتا تیار رکھے۔''

''جی بہتر!''

وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

✿.....✿.....✿

''اوئے۔آ گیا میرا سوہنا راجہ۔''لشکر نے اسے دیکھ کر سیٹی بجائی۔

لینڈ کروزر کا دروازہ شان سے بند کر کے اس نے ان سب کی جانب قدم بڑھائے۔

''ہم تو سمجھے تھے تم نے ارادہ بدل دیا۔''

''بندے کی زبان کھری نہ ہو تو پھر کیا رہ جاتا ہے اس کے پاس؟''اس نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔

اپنے اونچے لمبے قدم کے ساتھ، زمین پر شان اور مضبوطی سے قدم جمائے، مونچھوں کو بل دیتے ہوئے، وہ کسی ریاست کا بگڑا شہزادہ نظر آتا تھا۔سفید کلف لگے شلوار قمیص پر، میرون شال بازوؤں کے گرد لپیٹ کر پیچھے ڈال رکھی تھی۔گریبان اور آستینوں کے کف پر سونے کے لنکس چمک رہے تھے اور خم دار پلکوں والی، آنکھیں، دولت، جوانی اور وجاہت کے نشے سے مخمور ہو رہی تھیں۔

''پھر چلیں؟''فہد نے گھڑی دیکھی''ڈیڑھ تو یہیں بج گیا ہے۔آدھے گھنٹے کا راستہ ہے۔''

''اپنے شہزادے کی لینڈ کروز فراٹے بھرے گی نا۔''لشکر ہنسا۔''راستے کی کیا فکر؟''

''کھانے پینے کا کیا انتظام ہے؟''اس نے تینوں کو باری باری دیکھا۔

''مچھلی، جو شکار کریں گے۔اور پانی جو دریا میں بہہ رہا تھا۔''لشکر نے قہقہہ لگایا۔

''اور مزید جو اپنے عالم شاہ صاحب کی خواہش ہو!''آصف نے ٹکڑا لگایا۔

''بے غیرتو۔''اس نے ہنس کر بٹوہ نکالا۔

نیلا نوٹ نکال کر فہد کو تھمایا۔''لینا راستے میں سے کچھ۔ورنہ سب سے پہلے تمہارے دوزخ ہی چیخنا شروع ہوتے ہیں۔''

''خدا تجھے خوش رکھے۔''

''جیتا رہ میرا یار۔''

''وہ ان سب کے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ جا بیٹھا۔

''تو آ کیسے گیا یار؟''فہد نے اشتیاق سے پوچھا۔

''کیوں؟ کل ہامی نہیں بھری تھی؟''اس نے تیوری پر بل ڈالے۔

''پھر بھی۔لگتا تھا بڑی بے دلی سے کہہ رہا ہے۔''

''ہوں، بے دلی سے ہی کہا تھا۔مجھے یہ معمولی مچھلیوں کا شکار کا شوق نہیں ہے۔ایک بنسی پانی میں ڈال کر بیٹھ جاؤ، احمقوں کی طرح انتظار کرنے، بندے کے ہاتھ میں بندوق ہو۔کاندھے پر کارتوس کی پیٹی ہو تو وہ بھلا بھی لگے۔شکار کا لفظ بھی اچھا لگے کانوں کو۔یہ مچھلیوں کا شکار تو صرف عورتوں کے لئے ہی ہونا چاہئے!''

ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے اک ادائے بے نیازی سے کہا۔

''ابے عورتوں میں اتنا صبر کہاں میرے شہزادے۔''

''لشکر نے حسب عادت بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔''وہ تو منٹ میں بنسی چھوڑ چھاڑ ہاتھ جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوں گی۔یہ کانٹا ڈال کر مچھلی کا انتظار کرنا تو ہم مردوں کا ہی دل گردہ ہے۔''

بات چونکہ معنی خیز تھی اس لئے اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''تم مردوں کا۔'' اس نے زور دے کر کہا ''مجھے ایسی بھی کوئی مجبوری نہیں۔''

''ہاں شہزادے۔'' فہد نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''تو بڑا آدمی ہے۔ اپنے نصیب ایسے کھرے کہاں، تیرا تو پورا وجود ہی ایک دلفریب، خوشنما کانٹا ہے مچھلی کی نظر پڑی اور پھنسی ہی پھنسی۔'' وہ ہولے سے ہنس کر خاموش ہو گیا۔

''یار عالم! یار سچ سچ بتا۔ کتنے شکار کر چکا ہے آج تک؟'' آصف نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''ہوں گی کوئی سوڈیڑھ سو کے قریب۔'' لشکر نے لقمہ دیا۔

''کمینے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''بدنام کرتا ہے مجھے۔''

''پھر سچ بول۔''

''بس دس پندرہ سے زیادہ نہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔

''بس دس پندرہ! خدا کی پناہ!''

''آصف نے آنکھیں پھیلا کر دہشت سے مرجانے کی ایکٹنگ کی۔

''میرا کوئی قصور نہیں۔'' اس نے کاندھے اچکائے۔ ''بقول فہد کے میرا تو پورا وجود ہی ایک پرفریب کانٹا ہے ایسے میں دس پندرہ بھی کم ہیں یہ بھی تو تھوڑا بہت بھا گئیں، نظر کو۔ ورنہ عالم شاہ کے ساتھ وقت گزارنا کوئی معمولی بات نہیں۔''

''اس کے لہجے میں اپنی ذات کا بے پناہ غرور ہلکورے لے رہا تھا۔

''وہ تو ہے۔'' لشکر نے مکھن لگایا۔ ''ہمارا شہزادہ اتنا تو نوازہی دیتا ہو گا کہ ان کو سودا مہنگا نہ پڑے۔''

وہ غرور سے مسکراتا رہا۔

''پر ایک بات کھٹکتی ہے۔'' آصف نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ ''دل کی بستی سونی ہے شہزادے کی۔''

''ہا۔'' وہ ہنسا۔ ''اس بستی کو بسانے والی بڑی مشکلوں سے ٹکرائے گی۔''

''وہ کیوں؟'' تینوں ساتھ بولے تھے۔

''وہ اس لیے کہ پہلے لاکھ لڑکیاں مسترد ہوں تو ویسی کوئی ایک ملے گی۔''

''کیسی؟''

''چودھویں کے چاند کی پہلی کرن سی ابرنیساں کے پہلے شفاف قطرے کی سی...... چودھویں کی رات میں چپکے سے چٹک جانے والے بہار کے پہلے غنچے کی سی معطر معطر پاکیزہ پاکیزہ۔''

تھوڑی دیر کے لئے گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں کھو گئے۔ پھر اس خاموش منجمد ماحول کو فہد کی سوچ میں ڈوبی بوجھل آواز نے چیرا۔

''یار عالم۔ میں نے دیکھی ہے ایسی لڑکی...... بالکل ایسی۔''

✿......✿......✿

''آپا...... یہ چادر تیار ہو گئی ہے۔''

اس نے سفید، کڑھائی کی ہوئی چادر۔ بہن کے سامنے پھیلا دی۔

''ہوں...... چلو شکر ہوا...... خدا خدا کر کے مکمل تو ہوئی۔'' مہ جبیں نے سلائی مشین روک کر چادر کو بغور دیکھا۔ ''بڑی صفائی سے بنی ہے!''

''جی تو محنت بھی تو کتنی کی ہے میں نے۔'' اس نے فخر سے کہا ''اب ذرا اوڑھ کر تو دکھائیں کیسی لگتی ہیں!''

اس نے مہ جبیں پر چادر ڈال کر دیکھی۔

"ضوفی کیا کرتی ہو! اماں دیکھ لیں گی...... کیا سوچیں گی بھلا؟" اس نے چادر اتار کر ضوفشاں کو گھورا۔

"کیا سوچیں گی؟ میں آپ کی بہن ہوں ضوفشاں۔ عاصم بھائی نہیں!" وہ شوخ لہجے میں بولی مہ جبیں کو ہنسی آگئی جسے چھپانے کے لئے وہ سلائی مشین پر جھک گئی۔

"لڑکیوں...... کچھ رات کے کھانے کا بھی بندوبست کرنا ہے یا نہیں۔" اماں ادھر ہی آ رہی تھیں۔ ضوفشاں جھٹ پٹ چادر تہ کرنے لگی۔

"کیا پکے گا اماں؟" اس نے چادر تہ کر کے تخت کے کونے میں رکھی۔

"بھنڈی لی تھی صبح، پکا لو اچھی مسالے والی، تھوڑی دال پکا لو مونگ کی۔ پودینے اور زیرے کی چٹنی بنا لو۔"

"اماں دوپہر کا آلو گوشت بھی رکھا ہے۔"

مہ جبیں نے دھاگا توڑتے ہوئے کہا۔ "بلاوجہ اتنا ذخیرہ ہو جائے گا۔ دو دن باسی سالن ملے گا کھانے کو!"

"ارے تمہاری پھوپھی آ رہی ہیں۔ کہلوایا تھا انہوں نے۔ اب کیا دوپہر کا آلو گوشت رکھ دوں صرف۔"

"پھوپھی آئیں گی آج؟" ضوفشاں کا دل چوری سے دھڑکا۔ "کس کے ساتھ۔"

"آذر ہی لائے گا......" انہوں نے خیال پیش کیا۔ "اللہ جانے!"

"آذر" ضوفشاں کے لب مسکرا اٹھے۔

"چلو لڑکیو! اب اٹھ بھی جاؤ...... آتی ہوں گی وہ۔" اماں نے پھر کہا۔

وہ خوشی خوشی باورچی خانے کی سمت چل دی۔

مسالا بھوننے کے ساتھ ساتھ بھنڈیاں بھی کاٹنے لگی۔

"ضوفی...... میں روٹی پکا لیتی ہوں۔" تھوڑی دیر میں مہ جبیں بھی چلی آئی۔

"جی...... آپ کی قمیص مکمل ہو گئی؟"

"ہاں تر پائی رہتی ہے۔ وہ تم سے کرواؤں گی!"

"جناب! اتنی فالتو نہیں ہوں میں۔ مجھے ابھی اسائنمنٹ بھی تیار کرنی ہے اپنی۔"

"ہاں تو کل کر دینا۔ مجھے جلدی نہیں۔" وہ ہنسی۔

"یہ آپ کی ہر قمیص کی تر پائی کرنا مجھ پر فرض ہے کیا؟" وہ جھنجھلائی۔

"تم سمجھو تو بڑی بہن کا کام آسان کرنا فرض ہی بنتا ہے تمہارا۔" مہ جبیں مسکرائی۔

"اللہ کرے جلدی سے شادی ہو جائے آپ کی، جان چھوٹے میری ان تر پائیوں سے۔"

"فکر نہ کرو جاتے ہی تمہیں بلوا لوں گی۔"

"آپا" اسے ہنسی آگئی۔

روٹی پکا کر مہ جبیں باہر چلی آئی۔ وہ بیسن پر ہاتھ دھو رہی تھی جب "آداب" کی شریر آواز نے اسے چونکا دیا۔

دونوں بازو، دروازے کے بائیں دائیں پھیلائے وہ مسکرا رہا تھا۔

"وعلیکم آداب" وہ ہنسی "جیتے رہیں۔"

"کیسی ہو؟"

"اللہ کے فضل سے بہت اچھی ہوں۔"

''دعا کرو اللہ کا فضل ہم پر بھی جلد ہو۔'' وہ اندر آ گیا۔

''باہر جاؤ نا'' وہ گھبرائی ''یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''کاش کہ تم بڑی نہ ہوئی ہوتیں۔'' اس نے سرد آہ بھری ''چھوٹی تھیں تو کم از کم تمہارے ساتھ بیٹھنے کی تو اجازت تھی۔''

''تم باہر چل کے بیٹھو...... میں بھی وہیں آتی ہوں۔'' اس نے سمجھایا۔

''مجھے چائے چاہیے۔''

''اچھا...... لاتی ہوں۔''

''لاتی ہوں نہیں...... یہیں بناؤ میری نگاہوں کے سامنے۔'' وہ پیڑھی پر بیٹھ گیا۔

''آذر!''

'کتنا اچھا لگتا ہے میرا نام تمہارے لبوں سے۔''

''آذر پلیز...... ابا آ گئے تو بہت برا لگے گا......''

''او کے جلدی سے باہر آ جاؤ۔'' وہ خلاف توقع مان گیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اس نے جلدی جلدی چائے بنائی اور ٹرے لے کر باہر نکل آئی۔

آنگن میں آذر اور مہ جبیں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''پھوپھی اور اماں کہاں ہیں؟''

''چھوٹے کمرے میں ہیں۔ ابا کے پاس۔'' مہ جبیں ہنسی۔

''کوئی خاص بات ہے؟'' وہ متجسس ہوئی۔

''خاص الخاص۔'' آذر اطمینان سے بولا ''امی تاریخ لینے آئی ہیں شادی کی۔''

''ہائے سچ۔'' وہ اچھلی۔ ''کتنا مزہ آئے گا نا۔''

''کتنا مزہ آئے گا نا۔'' آذر نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری ''پتا چلے گا محترمہ کو جب اکیلی پورے گھر کا کام کرو گی!''

''ہونہہ...... میں کام سے نہیں گھبراتی۔''

''پھر کس سے گھبراتی ہو؟'' وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔

مہ جبیں نے کھنکار کر منہ دوسری جانب کر لیا۔

ضوفشاں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ڈانٹا۔ وہ مسکراتے ہوئے چائے پینے لگا۔

''کل یونیورسٹی آؤ گی؟'' چائے پی کر اس نے پوچھا۔

''ہاں...... کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''بس یونہی۔'' اس نے کاندھے اچکائے۔

''ضوفی......!'' اماں باہر آ رہی تھیں ''بیٹا کھانا نہیں پکا کیا اب تک؟''

''کھانا تو تیار ہے اماں!''

''بس تو لگاؤ دستر خوان...... انتظار کس بات کا ہے؟''

''اماں......'' وہ جوش سے ان کے نزدیک پہنچی۔

''اماں...... تاریخ ہو گئی طے؟''

''اماں نے غور سے اسے دیکھا اور ہنس دیں۔''

''ہاں ہو گئی۔ تجھے بڑا شوق ہے......''

''کون سی تاریخ اماں......''

''وہ پوچھتی رہ گئی۔ اماں مڑ کر واپس اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

''سب سمجھتا ہوں میں تمہیں کس بات کی جلدی ہے۔'' پیچھے کھڑے آذر نے سرگوشی کی۔

''کس بات کی بھلا'' اس نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''مہ جبیں باجی اور عاصم بھائی نپٹیں گے تو اپنی باری آئے گی نا۔''

''افوہ......خوش فہمی کی دلدل میں گردن تک پھنس گئے ہو......'' وہ منہ بنا کر جانے لگی۔

''ذرا نکال دو۔'' اس نے ہاتھ پھیلا کر روکا۔

''شی...... پٹواؤ گے کیا؟'' وہ جھک کر اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکل گئی۔

✿......✿......✿

اگلے روز وہ اسے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر ٹکرا گیا۔

''تم......'' وہ چونک کر رکی۔

''ہوں۔ ذرا ساتھ چلو میرے۔''

''کہاں؟'' وہ ہونق بنی۔

''جہاں بھی میں کہوں، بھگا کر نہیں لے جاؤں گا محترمہ کو۔'' وہ اس کے انداز پر چڑ سا گیا۔

''آذر!'' وہ بے بسی سے بولی۔

اسے ایسی باتیں پسند نہیں تھیں۔ بالکل بھی نہیں تھیں۔ وہ لاکھ اس کا کزن تھا، اس کے گھر آتا جاتا تھا، لیکن اس وقت دیکھنے والوں میں کسی کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔ اس کے ساتھ اسے جاتا دیکھنے والے محض ایک لڑکے کے ہمراہ جاتا دیکھتے اور اسے اپنے کردار کی چمکیلی سفید چادر پر بدگمانی کی ایک معمولی سی چھینٹ بھی گوارا نہ تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' وہ بائیک کی چابی انگلیوں میں جھلاتا ہوا غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''سوری آذر۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔ ''میرا پیریڈ ہے۔''

''اجالا......'' اس کی آواز میں غصہ تھا، رنج تھا۔ وہ چپ چاپ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ گھر آ کر بھی چپ چپ رہی۔ وہ دوپہر کو سونے کے بجائے بیٹھک میں بیٹھی اپنے نوٹس بناتی رہی لیکن دماغ وہیں الجھا ہوا تھا۔

اسے اپنے رویے سے پیدا ہونے والے آذر کے جذبات کا احساس تھا، لیکن پشیمانی یا پچھتاوا نہ تھا۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے سے قبل اسے علم تھا کہ آذر بھی وہیں پڑھتا ہے۔ لیکن اس نے اسی وقت اپنی حدود کا تعین کیا تھا۔ اس نے طے کیا ہوا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔

''چلو کزن۔'' آذر نے اس کا فارم جمع کروا کر خوش خوش کہا تھا ''اب رہا کرے گی ملاقات، ورنہ جس قدر تم اپنے ابا سے ڈرتی ہو......''

''نہیں آذر......!'' اس نے قطعی لہجے میں اس کی بات کاٹی تھی۔ ''اس غلطی فہمی میں کبھی مت رہنا کہ میں ابا سے ڈر کر اپنے اوپر پابندیاں بٹھاتی ہوں نہیں۔ بلکہ ابا نے تو مجھے کچھ کہا ہی نہیں، کوئی معمولی سا نصیحت بھرا جملہ بھی نہیں۔ انہیں از خود علم ہے کہ ان کی بیٹی کیا ہے انہیں مان ہے خود پر بھی اور مجھ پر بھی اور میں اس مان کو اس بھروسہ کو توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ان کے کہے بغیر ہی میں نے ایک دائرہ اپنے گرد کھینچا ہے، جس سے

وہ جو حرف حرف چراغ تھا

نگہت بانو کا تحریر کردہ ایک رومانی ناول جس میں مصنفہ نے انسانی رشتوں ناتوں میں محبت اور اپنائیت کے فقدان کا ذکر بہت خوبصورتی اور مہارت سے کیا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں گھر کا ہر فرد ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تک یہ اکائیاں ایک دوسرے سے جڑی رہتی ہیں گھر بنا رہتا ہے لیکن انہی اکائیوں کے بکھرتے ہی پیار اور محبت سے بنا آشیانہ بھی بکھر جاتا ہے اور گھر محض سجے سجائے مکانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میں ایک قدم بھی باہر نہیں نکالوں گی......اور ہاں یونیورسٹی میں صرف اور صرف پڑھنے جاؤں گی۔ وہاں مجھ سے کسی قسم کی پذیرائی کی کوئی توقع مت رکھنا''۔

''سوری اجالا'' وہ شرمندہ ہو گیا'' مجھے علم ہے تمہارے بارے میں، تمہاری سوچوں اور تصورات کے بارے میں، میں خود نہیں چاہوں گا کہ کسی ایک زبان سے بھی تمہارے بارے میں کوئی غلط بات نکلے خواہ وہ میرے ہی حوالے سے کیوں نہ ہو!''

جانے اس نے اپنی وہ بات کیوں بھلا دی تھی۔

ضوفشاں نے پین بے دلی سے پھینک دیا اور انگلیاں چٹخانے لگی۔ آذر کی ناراضگی کا احساس اسکے دل و دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ اس کا ماند پڑتا چہرہ، غصہ اور رنج سے بھرا لہجہ بار بار اس کے ذہن میں در آتا۔

''اجالا......!''

''کس طرح سے کہا تھا اس نے، رنج سے، تاسف سے۔ جیسے ٹوٹ سا گیا ہو، بکھر گیا ہو۔

''کیوں کیا میں نے ایسا؟''

''پھر اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ اپنے انکار کے انداز پر افسوس ہوا۔ وہ اسے رسانیت سے بھی سمجھا سکتی تھی۔ اسے اس کا کیا عہد، اسی کے الفاظ میں یاد دلا سکتی تھی۔ لیکن اس نے تو اس طرح سے منع کیا تھا جیسے وہ آذر نہ ہو کوئی اور عام لڑکا ہو، جسے وہ جانتی ہی نہ ہو۔ دل کی بے چینی حد سے گزری تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

''اماں۔'' باہر آ کر اس نے تخت پر لیٹی اماں کو پکارا۔

''ہوں......کہو......''

''اماں میرا دل نہیں لگ رہا ہے گھر میں۔'' اس نے بگڑے بگڑے لہجے کے ساتھ کہا۔

''ہیں!'' وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

''گھر میں دل نہیں لگ رہا ہے؟ پھر کہاں لگے گا بیٹی؟''

''اماں۔ چلیں ذرا پھوپھی کے ہاں چلتے ہیں۔''

''اس نے منت کی۔''بس تھوڑی دیر کو اماں۔'

''کل ہی تو آئی ہیں تمہاری پھوپھی۔ آج ہم چل دیں ان کے ہاں۔ کچھ دن ٹھہر کر چلیں گے۔''

''لو۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ جب دل چاہے تب نہ جاؤ اور بے دلی سے چل دو۔ میرا دل تو آج کہیں باہر نکلنے کا چارہ رہا ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کچھ دن بعد، کیا ضروری ہے کہ میرا دل چاہے!''

''آدھا دن تو تم یونیورسٹی میں گزار کر آتی ہو۔ پھر بھی باہر نکلنے کو دل کرتا ہے تمہارا؟'' اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''وہاں کیا میں تفریح کے لئے جاتی ہوں۔'' وہ چڑ گئی 'پڑھنے جاتی ہوں۔ آپ پڑھائی کو دل کا بہلاوا سمجھتی ہیں۔ ارے جان کا وبال ہوتی ہے۔''

اماں ہنس دیں

''اچھا چلو، تیار ہو جاؤ۔ چلے چلتے ہیں...... بڑی محبت جاگ رہی ہے پھوپھی کی۔''

'اوہ۔ تھینک یو اماں۔'' وہ خوش ہو گئی۔

جلدی جلدی اس نے اپنا سوٹ استری کیا۔ نہا دھو کر تیار ہوئی اور اماں کے پاس آ گئی۔ وہ بھی کپڑے تبدیل کر کے تیار تھیں۔

''چلیں اماں؟'' دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے پوچھا۔

''چلو۔ میں نے کیا کرنا ہے مزید۔'' وہ کھڑی ہو کر چادر اوڑھنے لگیں۔

وہ لوگ پہنچیں تو شام کے سائے دھیرے دھیرے اترنا شروع ہوئے تھے۔

پھوپھی جان عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی تھیں اور سامنے دھری ٹوکری میں رکھی ہوئی پالک صاف کر رہی تھیں۔

''آداب پھوپھی۔'' وہ اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر لپٹی۔

''جیتی رہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''اکیلی ہیں آپ؟'' اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔

''نہیں۔ عاصم تو ابھی گیا ہے کہیں۔ ہاں آذر ہے شاید اوپر کے کمرے میں وہ پڑھ رہا ہوگا کچھ۔''

''چائے پی لی آپ نے؟'' وہ بھی پالک صاف کروانے لگی۔

''کہاں بیٹی۔ اب اس عمر میں مجھ سے نہیں گھسا جاتا باورچی خانے میں منٹ منٹ پر۔ میں تو بس رات کا کھانا پکانے ہی گھسوں گی...... عاصم اور آذر خود ہی بنا لیتے ہیں تو میں بھی پی لیتی ہوں!''

''چلیں پھر آپ اور اماں باتیں کریں۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''وہ ہاتھ جھاڑتی باورچی خانے کی سمت چل دی۔ تاکہ جلدی جلدی چائے بنائے۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر آذر کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہو گیا تو وہ اسے جلانے کے لئے فی الفور گھر سے نکل جائے گا اور پھر اس وقت تک نہ لوٹے گا جب تک کہ وہ واپس نہ چلی جائے۔ اسے آذر کے مزاج کے تمام پہلوؤں کا علم تھا۔

پھوپھی اور اماں کو چائے دے کر وہ ٹرے میں رکھا آذر کا کپ انگلی سے گھمانے لگی۔

''پھوپھی...... آذر کو چائے دینی ہے؟''

''آں؟ بیٹی دے آؤ...... اس نے بھی ابھی کہاں پی ہے شام کی چائے۔''

ضوفشاں نے ٹرے اٹھائی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اس کا دل ذرا تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آذر کو منانا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگا کرتا تھا۔

چھت کی مغربی سائیڈ پر واقع واحد کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن پردے کی وجہ سے اندر کا منظر نگاہوں سے اوجھل تھا۔ ضوفشاں نے چوری چوری ذرا سا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، چہرہ چھت کی جانب کیے، وہ آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ سامنے میز پر رکھی کھلی کتاب کے ورق کھڑکی سے اندر آتی ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ پین اس کی انگلیوں کے درمیان اس طرح جھول رہا تھا جیسے کسی بھی وقت نیچے زمین پر گر جائے گا۔ ضوفشاں آہستہ سے پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئی۔ دبے پاؤں چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔ بڑی آہستگی سے ٹرے میز پر رکھ کر اس نے آذر کی بند پلکوں پر دھیرے سے ہاتھ رکھ دیے۔

''اجالا......'' وہ فوراً بے اختیار بولا اٹھا۔

اس نے ہاتھ ہٹا دیے اور مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آ گئی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا ہماری آمد کا؟'' وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''مجھے کیا پتا۔'' وہ بے رخی سے بولا۔

''پھر نام کیوں لیا تھا میرا؟'' اسے حیرانی ہوئی۔

''یونہی۔ بے ارادہ۔'' وہ اپنی کھلی کتاب کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''اوہ.....اس کا مطلب ہے میرے بارے میں سوچ رہے تھے۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''ہاں۔تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا!'' وہ صفحے پلٹتے ہوئے بولا۔

''اچھا۔کیا سوچ رہے تھے۔''

''یہی کہ کس قدر بے مروت اور بے احساس ہو۔دوسروں کے نازک جذبوں کو بے دردی سے قدموں تلے روندتی ہوئی کس شان سے آگے بڑھ جاتی ہو۔''

''آذر!'' وہ بجھ گئی ''اتنے بدگمان ہو مجھ سے بس اتنا ہی جانتے ہو مجھے؟''

''جاننے لگا ہوں۔''

''تم خود صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر سکتے تو کم از کم دوسرے کے...... بارے میں اندازہ قائم کرتے وقت محتاط رہا کرو۔'' اسے اپنے بارے میں کہے گئے اس کے ریمارکس غصہ دلا گئے۔''تم آسانی سے ناراض تو ہو گئے لیکن کیا ناراض ہونے سے قبل تم نے یہ تجزیہ کرنے کی کوشش کی کہ صحیح کون تھا اور غلط کون؟''

''کیا غلطی کی تھی میں نے؟'' وہ بھی بھڑک اٹھا۔

''سرراہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر زبردستی لے جا رہا تھا کہیں؟ یا چلا چلا کر لوگوں کو بتا رہا تھا کہ دیکھو یہ ہے وہ لڑکی جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتی ہے۔آخر تم اپنی ذات کے بارے میں اتنی کانشس کیوں ہو؟ کیا تم دنیا کی واحد لڑکی ہو؟''

''آذر!'' اس کی آنکھوں میں آنسو گئے۔لبوں پر اس نے سختی سے دانت جما لیے۔

زندگی میں پہلی بار اس نے ضوفشاں سے اس قدر سخت الفاظ میں اور اتنے تلخ لہجے میں بات کی تھی۔اسے شدت سے اپنی توہین کا احساس ہوا۔

''کیوں رونے لگیں؟'' وہ تلخی سے ہنسا ''شاید اس لیے کہ میرے الفاظ سے تمہیں اپنی بے عزتی محسوس ہوتی ہو،لیکن یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا اجالا کہ تمہیں احساس ہو کہ جنہیں چاہا جاتا ہے اور جن سے چاہت کا اقرار سنا جاتا ہے،ان کے ہاتھوں ہی جب توہین کے احساس کا تحفہ ملتا ہے نا تو اس تحفہ کو خاموشی سے قبول کر لینا بڑا مشکل امر ہے......صبح جو کچھ تم نے کیا۔تم تصور نہیں کر سکتیں کہ مجھے کس قدر ہتک محسوس ہوئی......محبت کرنے والوں کو بڑا مان ہوتا ہے ایک دوسرے کی ذات پر...... بڑا حق سمجھتے ہیں اور اپنا اور جب یہ مان اور بھروسہ اچانک ہی جھوٹا لگنے لگے تو پھر دنیا کی ہر شے سے اعتبار اٹھنے لگتا ہے۔''

''آذر۔'' اسے احساس ہوا کہ وہ بے حد بکھرا ہوا تھا'' آئی ایم سوری......''

''بے وجہ الفاظ ضائع مت کرو......'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''تم تو حد سے زیادہ خفا ہو......''

''کیا بے وجہ ہوں؟'' اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''معاف نہیں کرو گے؟'' اسے پھر رونا آ گیا۔

''پتا نہیں۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''دیکھو آذر......تم جانتے ہو کہ میں گھر سے باہر نکل کر اپنی ذات کے بارے میں کس قدر محتاط ہو جاتی ہوں......''

''اتنی کہ دوسروں کی ذات کو خود انہیں کی نظروں میں گرا دیتی ہو......''

''آذر پلیز......میری بات تو سن لو۔'' اس نے منت کی۔

''کیا سن لوں؟ کیا میں تمہارے بارے میں نہیں جانتا؟ میں سب جانتا ہوں......تمہاری ہر طرح کی سوچ سے واقف ہوں اور صبح

میں تمہیں صرف اپنی بائیک تک لے جارہا تھا جو میں باہر کھڑی کر کے آیا تھا...... جانتی ہو کیوں؟''

''کیوں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''اسلئے کہ......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر جھک کر میز کا نچلا خانہ کھولا اور وہاں سے ایک بڑا سا بکس نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اجالا نے آنسو پونچھ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

''میں تو صرف تمہیں ہیپی برتھ ڈے کہنا چاہتا تھا۔'' وہ سر جھکا کر افسردگی سے بولا۔

''آج تمہاری سالگرہ ہے نا......اور تمہیں پھول پسند ہیں......اس لیے......''

''ضوفشاں سے ندامت اور تاسف کے گہرے احساس تلے دب کر کچھ بولنا ممکن نہ رہا۔ وہ خود بھی اسی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

دونوں کے درمیان خاموشی کے چند لمحات آکر چپ چاپ گزر گئے۔

''آذر......'' پھر اس نے آہستگی سے کہا۔

''ہوں......''

''ابھی تک ناراض ہو!'' ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے اجالا...... مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہ لڑکی ہے جسے مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے۔''

''پلیز، معاف کردو......'' ضوفشاں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

پہلے تو وہ لمحہ بھر کو حیران ہوا پھر ہولے سے ہنس دیا۔

''یہ کیا حرکت ہے......''

''بولو نا......کرتے ہو معاف؟''

''ہاں بابا اب کھولو انہیں۔''

اس نے خود ہی اس کے ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کر دیے۔

''دیکھو......میں تمہارے لیے چائے لائی ہوں۔'' آنسو پونچھتے ہوئے اس نے مسکرا کر بتایا۔

''لائی ہو۔'' نہیں ''لائی تھیں'' وہ مسکرایا۔ ''عقلمند لڑکی۔! چائے کب کی ٹھنڈی ہو گئی ہے!''

''گرم کر کے لاتی ہوں۔'' وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھ جاؤ'' اس نے ڈانٹا ''نیچے گئیں تو امی اور ممانی پھر نہیں آنے دیں گی......''

'' آذر......'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''تمہارا غصہ بڑا خطرناک ہے۔''

''جلدی اتر جاتا ہے اس لیے؟'' وہ ہنسا ''کوئی اور ہوتا نا دس دن بات نہ کرنے والا، پھر قدر آتی تمہیں میری۔

''سچ بڑے اجنبی لگنے لگتے ہو......''

''اجنبی تو مجھے تم لگی تھیں صبح، دل چاہتا تھا ایک جھانپڑ رسید کروں اس بوتھے پر اور لاحول پڑھ کر پلٹ جاؤں۔''

''تو کر دیتے۔'' وہ مسکرائی ''لیکن ایک بات سن لو...... آئندہ بھی اگر اس طرح کہیں لے جانے کی کوشش کرو گے تو میرا جواب یہی ہوگا۔''

''آئندہ میرے ابا جی کی توبہ جو غلطی سے کوئی آفر کی تمہیں......''

''کتنے پیارے پھول ہیں۔'' اس نے پیارے پھولوں پر ہاتھ پھیرا۔

''کاش یہ بات تم نے صبح کہی ہوتی، میرا دن بھی برباد نہ ہوتا۔ ایمان سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اب تو۔ صبح سے حالت فاقہ میں

ہوں۔“

”تم نے اب تک کھانا نہیں کھایا؟“ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”ناشتا تم کو وش کرنے کی جلدی اور خوشی میں نہیں کر سکا تھا۔ پھر تم نے اتنی اچھی خوراک دے دی کہ دوپہر کا کھانا اسی چکر میں گول کر دیا۔ اب تک تو غم و غصہ نے بھوک کا احساس ہونے ہی نہیں دیا تھا۔ اب غصہ اترا ہے تو نقاہت طاری ہو رہی ہے۔“

”میں کھانا لاتی ہوں۔“ وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

”بیٹھ جاؤ یار۔ یقین کرو کچھ زیادہ بری نہیں لگ رہیں۔“

”پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ گے تو بالکل نہیں لگوں گی۔“ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

✿.....✿.....✿

پوائنٹ سے اتر کر اس نے سانس درست کیا۔ سفید چادر سر پر اچھی طرح جمائی اور آگے بڑھ گئی۔ نسان سنی کے سائیڈ مرر میں اس کا چہرہ اس طرح ابھرا تھا جیسے صبح دھند چھٹنے پر کسی جھیل میں کھلا کنول اچانک نمایاں ہو جائے۔ کنول کے رخساروں پر شفاف شبنم چمک رہی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے عالم شاہ نے نیم باز نظروں سے مرر کو تادیر گھورا پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اس کی رفتار کے ساتھ آہستہ آہستہ حرکت میں آئی تھی۔

”آیئے۔ میں آپ کو چھوڑ دوں!“

”وہ جو اپنی دھن میں مگن آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پہلے چونکی پھر حیرانی سے گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔

لائٹ گرین کلر کی نسان سنی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا وہ شخص نہ تو دیوانہ لگتا تھا اور نہ ہی چھچھورا۔ خمار آلود نظریں اس کے چہرے پر لگائے وہ بڑی سنجیدگی سے اپنی کہی ہوئی بات کے جواب کے منتظر تھا۔

”آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟“ اس نے قدرے بدمزاجی سے پوچھا۔

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجیے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچایئے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجیے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

''میں نے کہا ہے کہ گاڑی میں بیٹھیں۔ میں آپ کو پہنچا دیتا ہوں۔''

واہ۔ کیا انداز تھا۔ کیا لہجہ تھا۔ کیا شان بے نیازی تھی۔ جیسے وہ مری جا رہی تھی کہ کوئی گاڑی مدد غیبی کی مانند نازل ہو اور اسے منزل مقصود تک پہنچا دے۔

''شکریہ!'' اس نے بے حد چبا کر محض ایک لفظ اس کے منہ پر زور سے مارا اور آگے بڑھ گئی۔

''سنو۔'' وہ پھر سر پر موجود تھا۔ ''مجھے انکار سننے کی عادت نہیں ہے۔''

''مجھے آپ جیسے بگڑے رئیس زادوں سے نپٹنے کی خوب عادت ہے۔'' وہ رک گئی اور زور سے بولی۔ ''یہاں سے رفو چکر ہوتے نظر آئیں ورنہ پورا محلہ آپ کی بے عزتی کا تماشا دیکھے گا۔''

تیز تیز قدم اٹھاتی وہ ایسی گلی میں مڑ گئی جہاں سید عالم شاہ کی کار کا داخل ہونا ممکن نہ تھا۔

اس نے دانت اس زور سے بھینچے کہ کنپٹی کی رگیں پھول گئیں۔ گاڑی اس تیزی سے آگے بڑھائی کہ فضا دیر تک ٹائروں کے چرچرانے کی آواز سے گونجتی رہی۔

✿......✿......✿

گھر میں تیزی سے داخل ہو کر اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا پھر بند دروازے سے ٹیک لگا کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔

دل اس تیزی سے دھڑک رہا تھا ابھی اچھل کر حلق میں آن پھنسے گا۔ ویسے تو اس نے بہادر اور نڈر بننے کی اپنی سی کوشش کر ڈالی تھی لیکن اندر سے وہ کتنی وحشت زدہ ہوئی تھی یہ وہی جانتی تھی۔

''ضوفی!'' مہ جبیں کسی کام سے باہر آئی تھی۔ اسے یوں دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے دیکھ کر حیران ہوئی۔ ''کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں کھڑی ہو؟''

''کچھ نہیں آپا!'' اس نے چادر کے پلو سے چہرے کا پسینہ خشک کیا۔ ''بس ذرا گرمی سے چکر آ گیا تھا۔''

''دیکھو تو ذرا کیسی پیلی رنگت ہو رہی ہے۔'' مہ جبیں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''چلو اندر چل کر لیٹو۔ میں گلوکوز بنا کر دیتی ہوں۔''

پسینہ پسینہ ہوتے وجود کے ساتھ وہ کمرے میں آ کر بستر پر ڈھے گئی۔ پیر سینڈلوں کی قید سے آزاد کیے بغیر ہی بستر پر رکھ لیے۔

مہ جبیں نے آ کر اس کی سینڈلیں اتاریں اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا

''لو اٹھو۔ پی لو یہ۔'' اس نے گلوکوز کا گلاس بڑھاتے ہوئے کہا۔

ضوفشاں نے اٹھ کر ذرا سا گلوکوز پیا اور پھر تکیے سے ٹیک لگالی۔

''اب تو ٹھیک ہو ناں!'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''جی آپا!'' وہ مسکرائی۔ ''پریشان نہ ہوں۔ گرمی سے اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیا پکایا ہے آج؟''

''پلاؤ پکایا ہے۔ لے آؤں؟''

''نہیں ابھی نہیں۔ ابھی تو میں سوؤں گی ذرا دیر۔ پھر اٹھ کر کھاؤں گی۔ اماں کہاں ہیں؟''

''مارکیٹ تک گئی ہیں۔ اب تو آتی ہی ہوں گی۔''

مہ جبیں دروازہ بند کر کے چلی گئی تو وہ پھر لیٹ گئی۔

''کون تھا وہ۔'' اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے چھت پر گھومتے پنکھے کو گھورا۔

''دھونس تو ایسے جما رہا تھا جیسے میں نے کبھی اپنے جملہ حقوق اس کے نام لکھ دیے ہوں۔ شکل سے اچھا خاصا ڈھنگ کا بندہ لگ رہا تھا اور حرکتیں ایسی۔''

تادیر وہ اس واقعے کے بارے میں سوچتی رہی یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی۔

شام کو وہ سو کر اٹھی تو کافی فریش ہو چکی تھی۔

دوپہر والے واقعہ کا خوف بڑی حد تک زائل ہو چکا تھا۔

''ہوگا یونہی کوئی غنڈہ۔'' چائے پیتے ہوئے اس نے سوچ کر بے فکری سے کاندھے اچکا دیے تھے۔

''ایک لڑکی اکیلی جاتی نظر آئی ہوگی تو اس نے سوچا ہوگا کہ ذرا سی غنڈہ گردی ہی کر لے۔''

''اپنی سوچ پر وہ خود ہی مسکرا اٹھی۔

''کیا بات ہے۔ اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے؟'' آذر اچانک اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

''ارے۔'' وہ چونک اٹھی۔ ''تم کب آئے؟''

''بس ابھی۔ جب تم میرے بارے میں سوچ رہی تھیں۔'' اس نے چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''اچھا۔ بڑی خوش فہمی ہے جناب کو۔'' وہ ہنسی۔ ''اطلاعاً عرض ہے کہ میں ہرگز تمہارے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔ اور جس کے بارے میں سوچ رہی تھی اگر بتا دوں تو تپ کر رہ جاؤ گے۔''

''پھر رہنے ہی دو۔ میرا موڈ بہت ہی اچھا ہے اور میں بالکل تپنا نہیں چاہتا۔' اس نے ہاتھ اٹھا کر جیسے التجا کی۔

''چلو جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ بھی مان گئی۔ ''یہ بتاؤ کہ موڈ کیوں اچھا ہے؟''

''ارے واہ۔ ایسے ہی بتا دوں۔ بنا کسی رشوت کے۔'' وہ ہنسا۔

''میں کیوں رشوت دینے لگی تمہیں؟ موڈ تمہارا اچھا ہے یا میرا؟''

''بات ہی ایسی ہے۔ سنو گی تو پھڑک اٹھو گی۔'' اس نے للچایا۔

''نہ بابا۔ مجھے نہیں پھڑکنا۔' اس نے منہ بنایا۔

''اچھا نہ سہی۔'' اس نے کاندھے اچکائے۔ ''ویسے خبر بڑی اہم ہے۔ توپ کا گولہ۔'

''چلو بتاؤ۔ کیا رشوت لو گے؟'' وہ تجسس کے ہاتھوں ہار مان گئی۔

''بس آ گئیں لائن پر' اس نے قہقہہ لگایا۔

''آذر!''

''اچھا بابا۔ بتاتا ہوں۔ چلو ایسا کرو۔ کوئی مزیدار سی چیز کھلانے کا وعدہ کرو۔''

''اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی؟''

''نہیں بھئی۔ ابھی مرنا نہیں ہے۔ بازار سے منگوا کر کھلانا۔'' وہ شرارت سے ہنسا۔ ضوفشاں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''گھورو مت۔ میرا دل ویسے ہی بہت کمزور ہے۔'' اس نے سہمنے کی اداکاری کی۔

''اب بتاؤ بھی آذر۔'' اس کا صبر جواب دے گیا۔

''جو کہو گے کھلا دوں گی۔''

''پرامس؟''

''ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔'' وہ چیخی۔

''تو سنو۔ کان ادھر لاؤ۔ بات راز کی ہے۔'' وہ پراسرار بنا۔

''ایسے ہی بتا دو'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''اوہ ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

صاف لگ رہا تھا، وہ اسے ستانے کیلئے ایسا کر رہا ہے۔ ضوفشاں نے دانت پیس کر اسکی شریر مسکراہٹ کو دیکھا اور کان اس کی جانب کیا۔

''فرمائیے۔ لیکن ذرا جلدی۔''

''آہم۔'' وہ اس کے کان میں کھنکارا، پھر آہستگی سے بولا۔ امی آج ممانی سے تمہارا رشتہ مانگنے آ رہی ہیں۔ میرے لیے۔''

ضوفشاں کا صرف کان ہی نہیں پورا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بے یقینی سے اس نے آذر کی سمت دیکھا۔

''کیا۔ کیا کہا؟''

''پھر سنو گی؟'' وہ شرارت سے ہنسا۔ ''ہاں بھئی، بات ہی ایسی ہے!''

''دیکھو پلیز۔ تنگ مت کرو۔'' اس نے التجا کی۔ ''بتاؤ ناں پوری بات۔''

''کون سی بات۔'' مہ جبیں آذر کے لیے چائے لائی تھی۔ متوجہ ہو کر پوچھنے لگی۔

''آپا۔ دیکھیں ناں کتنا بدتمیز ہے یہ۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''کیا بات ہے بھئی۔ کیوں تنگ کر رہے ہو میری بہن کو؟'' مہ جبیں نے اس کا کان پکڑا۔

''ارے۔ رے مہ جبیں باجی۔ یہ جانبداری اور اقربا پروری کا عظیم الشان مظاہر بند کریں۔ بتاتا ہوں میں۔''

مہ جبیں اس کا کان چھوڑ کر ضوفشاں کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''امی صبح ابا جان کو بتا رہی تھیں کہ آج شام وہ آپ لوگوں کے گھر آ رہی ہیں۔ ضوفی کا رشتہ میرے لیے مانگنے کے لیے۔'' اس نے کالر کھڑے کیے۔ ''میں نے سوچا۔ کیوں نہ امی سے پہلے پہنچ کر سرپرائز دے دیا جائے۔''

''لیکن پھوپھی جان کس کے ساتھ آئیں گی؟'' مہ جبیں نے پوچھا۔

''ابا جان کے ساتھ۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟'' وہ شرارت سے پوچھنے لگا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ جھینپ گئی۔ ''میں بھلا کیا سوچوں گی۔''

''پھوپھی جان کو اچانک یہ خیال کیسے آ گیا؟'' ضوفشاں گہری سوچ میں گم تھی۔

''ارے کیسے بھی آیا۔ آیا تو۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔ مہ جبیں کو ہنسی آ گئی۔

''آپ دونوں کے لیے اطلاع ہے کہ جو کھچڑی آپ دونوں نے مل کر پکائی ہے۔ اس کی خبر سب کو ہے۔''

وہ بولی۔ ''پھوپھی جان اور اماں ہم سے ڈبل عمر گزار چکی ہیں اس دنیا میں۔ اماں تو کئی بار مجھ سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہیں۔''

''کیا بات؟'' ضوفشاں متجسس ہوئی۔

''یہی کہ آذر اور ضوفی بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور نگار کا ارادہ بھی لگتا ہے ضوفی کو مانگنے کا۔ کہہ رہی تھیں کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور نہ ہی ابا کو۔'' مہ جبیں نے دونوں کو اماں کے خیالات سے آگاہ کیا۔

''بس تو پھر ملاؤ ہاتھ۔'' آذر نے ضوفشاں کی سمت ہاتھ بڑھایا۔

وہ منہ چڑھا کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

''دیکھا جبیں باجی، کتنی بدتمیز لڑکی ہے!'' وہ بھنایا۔

''سوچ لو۔ ساری عمر یہی بدتمیزیاں سہو گے۔ ابھی بھی وقت ہے غور و خوض کر لو۔''

''چلیں کوئی بات نہیں۔ جیسے عاصم بھائی آپ کو سہیں گے۔ ایسے ہی میں بھی۔''

''پٹو گے آذر۔'' وہ ہنسنے لگی۔ ''ویسے مجھے تو مزا تب آئے گا جب اماں، ضوفی کو تم سے پردہ کرائیں گی۔''

''ناممکن۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ممانی جان سے خود بات کرلوں گا اس سلسلے میں۔ ارے ہم جی دار لوگ ہیں۔ کوئی عاصم بھائی کی طرح تھوڑا ہی ہیں کہ میدان چھوڑ کر بھاگ لیں۔''

''ہاں ہاں دیکھوں گی تمہاری جی داری بھی۔'' وہ ہنسی۔ ''یہ جو بیٹھ کر پڑ پڑ باتیں بگھارتے ہو ناں۔ بولتی بند کر دیں گی اماں اور پھوپھی جان۔''

''وہ بیٹھا ہنستا رہا۔ فقرے اچھالتا رہا۔

رات نے اپنے پر پھیلائے ہی تھے جب پھوپھی جان اور پھوپھا مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ آ گئے۔

''اچھا تو نوابزادہ یہاں براجمان ہیں۔'' پھوپھی نے اسے دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ''ہضم نہ ہو سکی خوشی تجھ سے؟''

''کہاں امی۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ ''پیٹ میں درد کر دیا۔ دوڑ آیا یہاں۔''

باورچی خانے میں بیٹھی ضوفشاں بھی ہنسنے لگی۔

گھر کی بات تھی جس کا سب کو ہی پہلے سے علم تھا۔ نہ پھوپھی جان نے کسی خاص انداز سے بات چھیڑی نہ ہی اماں یا ابا نے کچھ کہا۔ سب خوش دلی سے ہنستے مسکراتے باتیں کرتے رہے۔

مہ جبیں اور عاصم کی شادی کی تاریخ پہلے ہی چھ ماہ بعد کی رکھی جا چکی تھی۔ اماں اور پھوپھی اسی کی تیاریوں کی باتیں کرتی رہیں۔ ابا اور پھوپھا سیاست کی جانب نکل گئے۔

وہ اطمینان سے باورچی خانے میں چلا آیا۔

''لڑکیو۔ کیا پکا رہی ہو سسرالی رشتے داروں کے لیے؟'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر دریافت کیا۔

''سسرالی رشتے دار ہوں گے تمہارے۔'' مہ جبیں چڑی۔ ''ہمارے تو پھوپھی اور پھوپھا جان ہیں۔''

''واہ بھئی۔ ہماری بھابھی تو بڑی ڈپلومیٹک ہیں۔'' وہ خوش دلی سے ہنسا۔ ''دیکھا ضوفی تم نے؟''

ضوفشاں خاموشی سے روٹیاں پکاتی رہی۔

آذر اسے سب کے سامنے ضوفی اور اکیلے میں ہمیشہ اجالا کہہ کر پکارتا تھا۔ نجانے کون سا کمپیوٹر فٹ تھا اس میں جو موقع کی مناسبت سے وہ بالکل بالکل صحیح نام لیا کرتا۔ بے ساختہ اور لاشعوری طور پر بھی۔ اس نے اکیلے میں ضوفشاں کو کبھی ضوفی یا ضوفشاں نہ کہا تھا۔ ہمیشہ ہی اجالا کہا کرتا۔ یہ نام اس نے ضوفشاں کو خود ہی دیا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر سورج کی سنہری اور چاند کی روپہلی روشنی کا خیال آتا ہے۔ جیسے تمہارا وجود کرنوں سے مل کر بنا۔ تمہیں دیکھنے سے میری آنکھوں میں روشنیاں سی بھر جاتی ہیں۔ میرے اردگرد اجالے بکھر جاتے ہیں میں تمہیں اجالا کہا کروں گا۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

اس نے بہاروں کی ایک بڑی خوب صورت سی شام میں اس سے پوچھا تھا اور وہ سر جھکا کر ہنس دی۔ وہ شام، اس کی پرچھائیاں آج بھی ضوفشاں کی خوب صورت آنکھوں میں موجود تھیں۔

''کیا سوچنے لگیں کزن؟'' اس نے دروازہ بجایا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ چونک کر روٹیاں دسترخوان میں لپیٹنے لگی۔

کھانا سب نے مل کر کھایا۔ ضوفشاں کو شبہ تھا کہ اب شاید اماں اسے آذر سے ذرا کم میل جول کے لیے کہیں گی۔ لیکن انہوں نے نہ ضوفشاں کے سب کے ساتھ مل کر کھانا کھانے پر اعتراض کیا اور نہ ہی آذر سے نوک جھونک کرنے پر۔ حالانکہ مہ جبیں کو عاصم کے سامنے نہ آنے کی ہدایت اماں نے اسی وقت کر دی تھی جب انہیں پھوپھی جان کے ارادوں کا علم ہوا تھا۔ جاتے وقت انہوں نے ضوفشاں کی پیشانی چوم کر اس کے ہاتھ میں کچھ نوٹ تھما دیے۔

''یہ کیا ہے پھوپھی؟'' وہ جز بز ہوئی۔

''شگون ہے بیٹی۔ خدا تم دونوں کا ساتھ مبارک کرے۔ خیر و عافیت کے ساتھ میری بیٹیاں میرے گھر پہنچیں۔''

ضوفشاں نے چوری چوری آذر کو دیکھا۔ وہ بڑی شان سے مسکرا رہا تھا۔ جلدی سے پلٹ کر وہ اندر آ گئی۔ کمرے کی کھڑکیاں کھول کر باہر گلی میں جھانکنے لگی۔

رات اسے بڑی خوشگوار، بڑی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ دل کی تمام کلیاں ایک ساتھ کھل رہی تھیں۔

''ہوں۔ تو محترمہ اب تک خیالوں میں گم ہیں۔'' مہ جبیں تمام کام نپٹا کر اندر آئی تو اسے اسی طرح گم سم بیٹھا دیکھ کر شرارت سے بولی۔

''نن...... نہیں۔'' وہ چونک گئی۔ ''میں تو یونیورسٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔''

اسے سب سے پہلے یہی بات سوجھی، سو کہہ گئی۔

''یہ کہ کل آذر سے وہیں ملاقات ہوگی؟''

''اوں ہوں آپا!'' اس نے جیسے سرزنش کی۔ ''آپ بھی یہی سوچتی ہیں؟''

''ارے نہیں۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' وہ جلدی سے معذرت کرنے لگی۔

ضوفشاں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

✿......✿......✿

اگلے چند دن اس کے بے حد مصروف گزرے تھے۔ مہ جبیں کو جہیز کی تیاری کے لیے کچھ چیزیں خریدنی تھیں اور اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سو ضوفشاں نے تین دن یونیورسٹی سے چھٹی کر کے اس کے ساتھ بازار کے چکر لگائے۔

''آپا! تھکا مارا ہے آپ نے تو؟'' گنے کا جوس پیتے ہوئے اس نے شکایت کی۔

''تم تو ڈبل تھکاؤ گی مجھے۔'' مہ جبیں نے آنکھیں نکالیں۔ ''تمہاری تو بری کی تیاری بھی مجھے ہی کرنی ہوگی۔''

ضوفشاں کھلکھلا کر ہنس دی۔

''خواتین۔ یہ بازار ہے۔ یہاں سرِ عام قہقہے نہیں بکھیرتے''

''ایں تم یہاں بھی ٹپک پڑے؟'' مہ جبیں نے بھنا کر سر پر کھڑے آذر کو دیکھا۔

جذام (معاشرتی رومانی ناول) http://kitaabghar.com

جذام ایک معاشرتی رومانی ناول ہے جس میں بشریٰ سعید نے ہمارے اس عقیدے کو بہت خوبصورتی سے کہانی کے تانے بانے میں

''یہاں بھی سے کیا مراد ہے آپ کی؟'' اس نے برا مان کر اسے دیکھا۔ ''میں اتنا تو نہیں آتا آپ کے گھر۔''

''اس سے بھی زیادہ آنا چاہتے ہو؟'' اس نے مزید حیران ہونے کی اداکاری کی۔

''میری تو وجہ ہی اتنی زبردست ہے۔'' اس نے ضوفشاں کو غور سے دیکھ کر مہ جبیں کو چڑانے کے لیے کہا۔ ''عاصم بھائی بے چارے کیا کرنے آئیں آپ کے گھر۔''

''ارے وہ شریف آدمی ہیں۔'' مہ جبیں ہنسی۔

''تمہاری طرح چھچھورے تھوڑے ہی ہیں جو دن رات سسرال میں موجود رہیں۔''

''دیکھتی ہو کزن اپنی آپا کو۔'' وہ لاجواب ہو کر اس سے الجھ پڑا۔

''مجھ سے کیا کہتے ہو۔'' وہ مسکرا دی۔ ''بھابی ہے تمہاری۔ لڑلو جتنا چاہو۔''

''صرف بھابھی ہی نہیں سالی بھی ہوں۔ اس رشتے سے بھی دو دو ہاتھ کر سکتی ہوں تم سے۔''

''ویسے تم کیا خریدنے آئے ہو؟''

''میں۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔ اور ایک گہری نظر ضوفشاں پر ڈالی۔ ''ایک خاص چیز خریدنے آیا تھا کسی خاص شخصیت کے لیے۔''

''لے لی پھر؟'' مہ جبیں نے پوچھا جبکہ ضوفشاں تجسس سے بے تاب ہو گئی۔

''ہاں لے لی۔'' اس نے جیب تھپتھپائی۔

''کیا ہے آذر۔'' بالآخر اس سے صبر نہ ہوا بے حد اشتیاق سے پوچھ ہی لیا۔

''سرپرائز ہے۔'' وہ ہنسا۔

''بتادوناں پلیز۔'' اس نے منت سے کہا۔ اسے شک بلکہ یقین تھا کہ آذر نے جو کچھ بھی لیا تھا اس کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔

''رہنے دو ضوفی، اور اکڑ جائیں گے محترم!''

''مہ جبیں نے بے فکری سے ہاتھ ہلایا۔ ''تمہارے لیے کوئی گفٹ لیا ہو گا خود ہی لا دیں گے ایک دو دن میں۔''

''کیوں بھئی۔ اسی کے لیے کیوں۔'' وہ جرح پر اتر آیا۔ ''ممکن ہے آپ کے لیے کچھ ہو۔ عاصم بھائی نے منگوایا ہو۔''

''اپنے ایسے نصیب کہاں۔'' مہ جبیں جل کر بولی تھیں۔ ''ان سے تو ہر چیز بعد میں، میں خود وصول کروں گی مانگ کر۔''

آذر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''بتاؤناں آذر کیا ہے۔'' ضوفشاں کے دماغ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''چلو اشارہ دے دیتے ہیں۔'' اس نے دریا دلی دکھائی۔ ''جو کچھ لیا ہے۔ تمہارے لیے ہی ہے۔''

''واقعی۔ کیا ہے؟'' وہ کھل اُٹھی۔

''جلد ہی پتا چل جائے گا۔'' مسکرایا۔ ''امی سے بھجوا دوں گا۔ او کے گرلز۔ بائے بائے۔''

''وہ ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

''بدتمیز۔'' ضوفشاں دانت پیس کر رہ گئی۔ ''پتا ہے ناں اب مجھے بے چینی رہے گی تو کیسے جلدی سے چلتا بنا ورنہ گھنٹوں کھڑا باتیں کرتا رہتا۔''

''توبہ ہے ضوفی تم سے بھی۔'' مہ جبیں ہنس دی۔ ''ذرا صبر سے کام نہیں لے سکتیں کیا؟ اتنا تجسس کیوں بھرا ہوا ہے۔ آخر تم میں۔''

''آپا۔ بتائیں ناں۔ کیا لیا ہو گا اس نے میرے لیے؟''

''میٹھا پان۔'' وہ جھلائی۔ ''اب کھسکو۔ گھنٹہ بھر لگا دیا یہیں کھڑے کھڑے۔ اماں کا پتا نہیں ہے کیا۔ برے برے خیال آرہے ہوں گے انہیں۔''

دونوں سامان سنبھالتی آگے بڑھ گئیں۔

❁.....❁.....❁

وہ تین دن کے بعد یونیورسٹی آئی تھی اور لیکچرز کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔

''سنو فرح۔ ڈاکٹر مختار کے پچھلے دو لیکچرز چاہئیں مجھے۔'' اس نے فرح کو سیڑھیوں پر پکڑا۔'' میں آ نہیں سکی تھی ناں۔''

''ڈاکٹر مختار کی کلاسسز تو میں نے بھی نہیں لیں۔''

''اس نے افسوس سے شانے ہلائے۔'' تم عاصمہ سے مل لو ناں۔ اس کا تمہیں پتا ہے ایک ایک حرف اتارتی ہے ہر پروفیسر کی زبان سے نکلا ہوا۔''

''عاصمہ ہے کہاں؟'' اس نے پوچھا۔'' نظر تو نہیں آئی وہ مجھے۔''

''باٹنی ڈیپارٹمنٹ گئی ہے۔ کسی لڑکی سے ملنا تھا اسے!''

''باٹنی ڈیپارٹمنٹ!'' اس نے زیرِ لب دہرایا، اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

ماتھے پر فائل ٹکائے، بڑی بے فکری سے وہ خراماں خراماں باٹنی ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب ایک سایہ اس کے عقب سے ابھرا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

اس نے بدمزگی سے گردن گھمائی اور جیسے اس کے قدموں نے مزید چلنے سے انکار کر دیا۔ بے ساختہ اور بے ارادہ اپنی جگہ رک گئی تھی۔

''آپ؟'' خود اس کی زبان سے نکلا۔

''پہچانتی ہوں مجھے؟'' اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' بڑے رعب سے اس نے سوال کیا جیسے جواب دینا اس پر فرض ہو جائے گا۔

''مجھ سے اور میرے نام سے آپ کا کیا تعلق ہے؟'' وہ کڑے لہجے میں بولی۔'' کیوں پیچھا لیا ہے آپ نے میرا؟''

اس نے اپنے سوال کا جواب سنے بغیر آگے قدم بڑھا دیے۔ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ضوفشاں تیز تیز چل رہی تھی جبکہ وہ انتہائی اطمینان سے خراماں خراماں چلتا ہوا بھی مسلسل اس کے برابر تھا۔'' دیکھیں مسٹر پلیز جو کوئی بھی آپ ہیں'' وہ جیسے ہار کر پھر رک گئی۔

''مجھے عالم شاہ کہتے ہیں۔'' گردن کا ہلکا سا خم دے کر اس نے اپنا تعارف کرایا، گویا یہ ملاقات ضوفشاں کے لیے بڑی مسرت کا باعث ہو۔

''مسٹر عالم شاہ۔ یہ کوئی شارع عام نہیں۔ تعلیمی ادارہ ہے۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''دوستی کرو گی مجھ سے؟'' اپنی خمار آلود سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر اس نے پوچھا۔

''دوستی؟'' حد درجہ تعجب سے اس نے دہرایا۔

''مگر کیوں؟ میں بھلا کیوں ایک انجان، غیر شخص سے دوستی کر لوں؟''

''دوستی کرنے سے قبل سب غیر اور انجان ہوتے ہیں۔ بعد میں آشنا ہوتے ہیں ایک دوسرے کی ذات سے۔'' وہ جیسے اس کی کم عقلی پر مسکرا رہا تھا۔

''بڑی مدھم، بڑی ہلکی مسکراہٹ لمحہ بھر کو اس کے لبوں پر چمکی تھی۔ جیسے پل بھر کے لیے بجلی کوند جائے۔

''مجھے آپ کی یا کسی بھی دوسرے غیر مرد کی ذات سے آشنائی پیدا کرنے کا کوئی شوق فضول نہیں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔'' ایسی آفر ان کو دیں جن سے جواب میں کچھ ملنے کی توقع ہو۔ میں آپ کی کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔''

''سمجھتی کیا ہو خود کو تم؟'' وہ سلگ کر رہ گیا۔ چہرے پر کئی سائے آ کر گزر گئے۔

''میں نے آپ کو کچھ سمجھنے پر مجبور نہیں کیا مسٹر۔ جو کچھ میں خود کو سمجھتی ہوں اس سے آپ کا کچھ نہیں بگڑتا۔''

کھٹ کھٹ کرتی وہ آگے بڑھ گئی۔ دونوں ہاتھ کمر میں رکھے وہ اسے دور جاتے دیکھتا رہا پھر ایڑیوں پر گھوم گیا۔

سلگتے تپتے ذہن کے ساتھ صوفے پر بیٹھا چھت پر لٹکے فانوس کو گھور رہا تھا۔ بھینچی ہوئی مٹھیاں بار بار کھلتیں اور پھر بند ہو جاتیں۔ سرخ ہوئی آنکھیں میں وحشت سی ناچ رہی تھی۔

''سمجھتی کیا ہے خود کو۔ کیا؟ کیا؟''

''وہ تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ لیکن آگ تھی کہ مزید سلگتی چلی جا رہی تھی۔ دھواں تھا کہ حلق تک آ رہا تھا دم گھونٹ رہا تھا۔

مکرم علی کی ہمراہی میں اندر آتے فہد کو وہ ایک بھوکے شیر کی مانند لگا انتہائی غصے کی حالت میں پنجرے میں چکرا رہا تھا۔

مکرم علی اس کو چھوڑ کر الٹے قدموں لوٹ گیا۔

''عالم۔ یار کیا ہوا ہے؟'' وہ آگے بڑھا۔

جواباً اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''غصے میں لگتے ہو؟ مجھے بلایا تھا تم نے؟'' وہ پریشان ہو گیا۔

''تم نے ہی بتایا تھا ناں مجھے اس کے بارے میں کیوں بتایا تھا؟'' وہ جیسے پھٹ پڑا۔

''کس کے بارے میں؟'' وہ حیران ہوا۔

''اس ابر نیساں کے پہلے قطرے کے بارے میں جو تیزاب سے زیادہ کاٹ دار اور جھلسا دینے والا ہے۔ فہد۔ فہد۔ میری انسلٹ کرنے کی آج تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔''

''اوہ۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''یار عالم! میرا کیا قصور ہے اس میں۔ تو نے اپنے آئیڈیل کے بارے میں بتایا تو یونہی مجھے اس کا خیال آ گیا۔ میں تو اسے جانتا تک نہیں۔ میں نے بتایا تھا ناں میری ماموں زاد بہن کی سہیلی ہے۔ اس کے محلے میں رہتی ہے۔ میں نے خود ایک جھلک دیکھی ہے اس کی۔ تم نے ضد کی تو میں نے سلمٰی سے معلومات حاصل کر کے دے دیں تمہیں کہ کون سا گھر ہے اس کا اور کہاں پڑھنے جاتی ہے۔ میں کیا جانوں اس کے بارے میں۔ ملے تم اس سے؟''

''ہاں۔'' وہ پھنکارا۔ ''ملا، اور اس کا بھلا اسی میں ہے کہ وہ آئندہ مجھے، کہیں نظر نہ آئے۔''

''ایسا کیا کر دیا اس نے؟'' وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔

''میں نے اسے دوستی کی آفر کی۔ خود اپنے منہ سے عالم شاہ نے اس سے یہ بات کہی اور۔ اور اس کی ہمت دیکھو۔ صفائی سے انکار کر دیا اس نے۔'' وہ تلملایا۔

فہد نے بے حد پریشانی سے اپنی ذات کے حد درجہ احساس میں مبتلا اس امیر زادے کو دیکھا۔ دولت کے نشے نے جس کی آنکھوں پر رعونت اور غرور کی ایسی پٹی باندھ رکھی تھی کہ اسے سوائے اپنی ذات کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔

''لیکن عالم۔ وہ تمہارے بارے میں کچھ جانتی بھی تو نہ ہو گی۔''

''مجھے جاننے کے لیے میرا سامنے ہونا کافی ہے۔'' اس نے انگوٹھے سے سینہ ٹھونکا۔

''یار۔ جس طبقے سے اس کا تعلق ہے ناں وہاں کی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، ڈری سہمی، بزدل اور شرمیلی۔'' اس نے عالم شاہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر رسانیت سے سمجھایا۔

''میں انہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے محض ایک بار ان کے سامنے جانا کافی نہیں ہوتا۔ بار بار اپنی ذات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''توجہ؟'' وہ زہر خند لہجے میں ہنسا۔ ''اس کی خوش قسمتی تھی کہ سید عالم شاہ نے کچھ دیر کو اس پر توجہ کی۔ اپنے در پر آئی خوش قسمتی کو اس نے خود ٹھوکر ماردی ہے۔''

''چلو دفع کرو پھر کیوں بیکار جان جلارہے ہو۔ اس قابل ہی نہیں تھی وہ۔''

''میں چاہوں تو ابھی دو آدمی بھیج کر اسے اپنے قدموں میں لا بٹھاؤں۔''

''بھول جاؤ یار۔ دنیا میں لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔'' فہد ڈر گیا۔

''سمجھتی کیا ہے خود کو۔ مائی فٹ۔'' اس کی جھلاہٹ کم ہوتی اور پھر بڑھ جاتی۔

''ارے یار! تو ہمیں حکم تو کر۔ ایک سے ایک ہیرا پڑا ہے محض تیری ایک نگاہ التفات کے لیے۔'' فہد نے ہنس بول کر ماحول کی کشیدگی کو کم کرنا چاہا۔

''وہ خاموش بیٹا ٹھنڈے پانی کے گھونٹ بھرتا رہا۔

''زارا کو تو جانتا ہے ناں تو۔ وہی گھنگھریالے بالوں والی لڑکی۔ محمود کے ہاں پارٹی میں ملوایا تھا لشکر نے تجھ سے۔ کب سے جان کھا رہی ہے لشکر کی کہ ایک بار پھر تجھ سے ملوادے۔ پہلی نگاہ میں فریفتہ ہوگئی تجھ پر۔''

''لعنت بھیجو اس پر۔'' اس نے آنکھیں موند کر پیشانی پر ہولے سے مکے مارے۔''

''بے کار لڑکی ہے۔''

''ہاں پسند تو مجھے بھی نہیں ہے۔'' وہ فوراً بولا ''میں نے تو یونہی ذکر کر ڈالا۔''

''اسے کس بات کا غرور ہے؟'' وہ اچانک پھر سلگ اٹھا۔

''بس یار! اپنی اپنی نیچر ہوتی ہے ناں ہر انسان کی۔ بعض لڑکیوں کو عادت بھی ہوتی ہے ناں بے وجہ کے نخرے دکھانے کی۔ پھر لائن پر آجاتی ہیں۔''

نجانے کیوں اس نے آنکھیں کھول کر فہد کو گھورا۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔

''ویسے میں نے غلط کہا تھا کیا۔؟ تمہاری سوچوں جیسی ہی لگتی ناں؟''

''سید عالم شاہ اس بات پر پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ہونٹ بھینچ گئے۔ گہری سرخ آنکھیں مزید بوجھل ہوگئیں۔

❁.....❁.....❁

عشق کا قاف

عشق کا قاف سرفراز راہی کے حساس قلم کی تخلیق ہے۔ ع ش ق......عشق......ازل سے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا یہ جذبہ جب جب اپنے رخ سے حجاب سرکاتا ہے' انہونیاں جنم لیتی ہیں۔ مثالیں تخلیق ہوتی ہیں۔ داستانیں بنتی ہیں۔ ''عشق'' کی اس کہانی میں بھی اسکے یہ تینوں حروف دمک رہے ہیں۔ ''عشق کا قاف'' میں آپ کو عشق کے عین' شین اور قاف سے آشنا کرانے کے لئے سرفراز راہی نے اپنی راتوں کا دامن جن آنسوؤں سے بھگویا ہے۔ اپنے احساس کے جس الاؤ میں پل پل جلے ہیں' ان انگارہ لمحوں اور شبنم گھڑیوں کی داستان لکھنے کے لئے خون جگر میں موئے بیان کیسے ڈبویا ہے' آپ بھی اس سے واقف ہوجایئے کہ یہی عشق کے قاف کی سب سے بڑی دین ہے۔ **عشق کا قاف** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سامنے بکھرے کاغذات کو اس نے بے دلی سے سمیٹا اور فائل میں قید کر کے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔ کھلے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کسی گہرے خیال میں ڈوبی ہوئی تھی۔

کڑھائی کرتی مہ جبیں نے کوئی دسویں مرتبہ اس کا بغور جائزہ لیا۔ وہ پریشان سی لگ رہی تھی کھوئی کھوئی سی تھی۔ ایک گھنٹہ قبل وہ پڑھنے کا مواد اکٹھا کر کے بیٹھی تھی اور اس نے غالباً ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا۔ مسلسل کسی سوچ میں گم تھی۔

''ضوفی۔'' اس نے دھاگا توڑتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''اوں۔'' وہ چونک اٹھی۔ ''جی آپا۔ کہیے۔''

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اس نے سرسری سا پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بس پڑھنے کا موڈ نہیں بن رہا؟'' اس نے سر جھٹکا۔

''پریشان سی لگ رہی ہو۔''

''نہیں تو۔'' وہ بے وجہ ہنس دی۔ ''میں بھلا کیوں پریشان ہونے لگی۔

''سچ کہہ رہی ہو؟'' اس نے قمیص میں سوئی لگا کر ایک طرف رکھ دی۔ ''یا بہلاوا دے رہی ہو مجھے، مجھے تو تم پچھلے کئی دنوں سے ایسی ہی لگ رہی ہو۔ پریشان پریشان۔ بے کل بے کل۔''

''وہم ہے آپ کا۔'' وہ مسکرائی۔ ''کوئی بات میں بھلا آپ سے کیوں چھپاؤں گی۔ ویسے بھی میں ذرا آذر کا سوچ رہی تھی۔ کتنے دنوں سے نہیں آیا ناں۔''

''ہاں۔ کافی دن ہو گئے۔ شاید پھوپھی نے کہا ہو آنا جانا کم کرنے کا۔ لیکن اماں نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا تم لوگوں کے آپس میں ملنے یا بات کرنے پر۔ ارے کہیں بے وقوف میری اس روز والی بات کو نہ دل پر لے گیا ہو۔ بازار میں، میں نے محض مذاق میں اس سے کہہ دیا تھا ناں کہ تم روز روز آجاتے ہو۔ وغیرہ۔''

''نہیں آپا۔ آپ کے مذاق کا وہ کبھی برا نہیں مانتا۔ ویسے ہی مصروف ہوگا۔ سمسٹر بھی تو قریب ہیں ناں۔''

''اس دن اس نے تمہارے لیے کچھ خریدا بھی تو تھا۔ دینے ہی آجاتا۔''

وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔ مہ جبیں نے پھر قمیص اٹھا کر کڑھائی شروع کر دی۔

ضوفشاں نچلا لب دانتوں میں دبائے پھر اسی سوچ میں غرق ہو گئی۔ وہ تین روز سے مسلسل عالم شاہ کے بارے میں سوچ رہی تھی اور سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ دراصل وہ اس سے اور اس کے بے باک انداز اور نڈر رویے سے خوف زدہ ہو گئی تھی۔

''کیا چاہتا ہے یہ شخص مجھ سے!''

یہ وہ سوچ تھی جو مسلسل اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ مہ جبیں کے استفسار پر تو اس نے ایک بات گھڑ کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن خود اپنے دل کو مطمئن نہ کر پا رہی تھی ویسے تو وہ مہ جبیں سے کوئی بات نہ چھپاتی تھی لیکن یہ بات اسے بتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ اس کی کچھ مدد نہ کر سکتی تھی۔ الٹا خود بھی بے طرح پریشان ہو جاتی اور شاید اماں کو بھی بتا دیتی اور یوں اس پر یونیورسٹی جانے پر پابندی عائد ہو سکتی تھی جو اسے ہرگز منظور نہ ہوگی۔ کئی بار اس نے سوچا کہ وہ آذر کو ہی بتا دے، لیکن اسے بتانا بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکا تھا، جذباتی اور جوشیلا تھا۔ نجانے کیا کرنے کی ٹھان لیتا اور پھر عالم شاہ کوئی معمولی شخص تو نہ لگتا تھا۔ اس کی تو ایک ایک ادا اس کے بے حد مضبوط اور با اثر ہونے کا اعلان کرتی تھی۔ وہ آذر کو کسی خطرے سے دوچار کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

ایسی ہی بہت سے باتیں تھیں جن پر وہ غور کیے جا رہی تھی اور ہلکان ہو رہی تھی اور ہر چیز سے بڑھ کر اسے اپنی عزت، اپنا بلند کردار عزیز تھا۔ وہ تو آذر سے ملنے اور اس سے بات کرنے سے انکار کر دیتی تھی۔ مبادا اس کا نام کوئی غلط انداز میں نہ لے اور فقرے کسے۔ پھر بھلا وہ سید عالم شاہ

کا اس طرح پیچھا کرنا کیسے افورڈ کر سکتی تھی۔

''اگر اس نے پیچھا نہ چھوڑا تو کیا کروں گی میں۔'' اس نے پریشانی سے سوچا۔

اچانک ہی اپنا تعلیمی کریئر اسے خطرے میں پڑتا نظر آ رہا تھا۔ ایک نظر کڑھائی میں منہمک مہ جبیں پر ڈال کر وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اماں صحن میں بیٹھی کوئی نئے قسم کا اچار ڈال رہی تھی۔ وہ بھی وہیں چارپائی پر لیٹ کر نیلے آسمان کی وسعتوں کو تکنے لگی۔

کتنا سہل جانا تھا اس نے زمانے کی آلودگیوں سے بچ کر چلنے کو۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ انسان خود نیک نیت اور مضبوط ہو تو چاروں طرف کیسی ہی آندھیاں اٹھیں اس کے قدم نہیں اکھاڑ سکتیں۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ کیچڑ سے بچ کر چلنے کی کوشش میں بھی ایک آدھ چھینٹ اچھل کر ضرور آتی ہے۔

بیل بجی تو اماں نے اس کی جانب دیکھا۔

''ضوفی۔ دیکھو شاید تمہارے ابا آ گئے ہیں!''

''جی اچھا۔''

اس نے اٹھ کر چپلیں پہنیں۔ دوپٹا ٹھیک طرح سے اوڑھتی ہوئی دروازے تک آئی دروازہ کھولتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

''السلام علیکم پھوپھی اماں۔'' وہ ان سے لپٹ گئی۔ پیچھے کھڑا آذر شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''جیتی رہو۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔

''کچھ دعائیہ کلمات ادھر بھی بھیج دیجیے۔ ہم بھی جواب دینے کو فارغ ہیں۔''

پھوپھی کے آگے بڑھتے ہی وہ شرارت سے گویا ہوا۔

''آداب۔'' وہ آگے بڑھ گئی۔

چند لمحوں میں یہ پچھلے دنوں کی ساری کوفت اور پریشانی زائل ہو گئی تھی۔ دل و دماغ اچانک ہی کھل اٹھے تھے۔

پھوپھی کو اماں کے پاس بٹھا کر وہ کمرے میں چلی آئی۔

''کون تھا ضوفی؟'' مہ جبیں نے پوچھا۔

''پھوپھی اماں اور آذر۔'' وہ مسکرائی۔

''اوہ۔ جبھی اچانک ہی شگفتگی چہرے پر نمودار ہوئی ہے۔'' وہ ہنسی۔

''السلام علیکم بھابھی جان۔'' وہ بھی پیچھے پیچھے چلا آیا اور ضوفشاں کے سر پر ہلکی چپت لگائی۔

''وعلیکم السلام۔ بڑے دنوں کے بعد نظر آئے بھئی۔''

''کیوں شکایت بھی تو آپ ہی کو تھی۔'' وہ ہنسا۔ ''میرے ہر وقت یہاں جلوہ افروز رہنے کی۔''

''ناراض ہو گئے تھے کیا؟''

''ارے نہیں۔ آپ کی بات پر میں بھلا کبھی ناراض ہوا ہوں۔ آپ سے تو میرے مذاق کے کئی رشتے بنتے ہیں۔'' اس نے شریر نظروں سے ضوفشاں کو دیکھا۔ ''آپ کا اور میرا مذاق تو چلتا ہی رہے گا۔''

''میں پھوپھی اماں سے مل کر آتی ہوں۔'' مہ جبیں اٹھ کر جانے لگی۔

''ارے اچھی طرح ملیے گا۔ ہمیں جلدی نہیں ہے آپ کے لوٹنے کی۔'' اس نے ہانک لگائی۔

''اور کزن۔ سناؤ۔ کیسی گزر رہی ہے؟''

وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ کی دعاؤں سے بہت اچھی گزر رہی تھی۔''

وہ ہنسی۔''بڑے دنوں سے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔''

''جھوٹی تو تم سدا کی ہو۔'' وہ اطمینان سے بولا۔''مانو گی تھوڑا ہی کہ بہت بے چین دن گزر رہے تھے۔نہ رات کی نیند نہ دن کا سکون، نہ بھوک نہ پیاس۔''

''چچ چچ چچ۔'' وہ چڑانے کے انداز میں بولی۔''ترس آتا ہے آپ پر نہ جانے اکیلے میں کیا کیا سوچتے رہتے ہیں۔آپ ہی باتیں گھڑتے رہتے ہیں۔ہم تو خدا کے فضل سے سوئے بھی خوب اور جاگے بھی خوش خوش!''

''اچھا۔چلو ہاتھ کنگن کو آرسی کا۔پتا چل ہی جائے گا۔'' وہ گنگنایا۔

ضوفشاں اسے زبان چڑا کر باہر چلی آئی۔

''ضوفی۔'' مہ جبیں اسے برآمدے میں ہی مل گئی۔وہ بے حد خوش نظر آرہی تھی۔

''کیا بات ہے آپا؟'' اس نے اس کا چمکتا چہرہ دیکھ کر دلچسپی سے پوچھا۔''بڑی خوش نظر آرہی ہیں۔''

''بات ہی خوشی کی ہے۔'' وہ ہنسی''اور زیادہ خوش تو تمہیں ہونا چاہیے۔'' وہ شرارت سے مسکرائی۔

''اچھا۔وہ کیسے؟''

''پھوپھی اماں تمہیں انگوٹھی پہنانے آئی ہیں۔''

''سچ!'' ایک خوب صورت رنگ اس کے چہرے پر آیا۔''لیکن اس کی ضرورت کیا ہے۔''

''آذر صاحب کے کارنامے ہیں۔'' دونوں کچن کی سمت چل دیں۔''اس دن وہ تمہارے لیے پسند سے انگوٹھی خریدنے ہی گیا تھا اور اس کی ضد پر پھوپھی اماں آئی ہیں۔''

دونوں کچن میں آکر بیٹھ گئیں۔مہ جبیں چائے کا پانی رکھنے لگی۔

''خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی محترمہ سے۔'' مہ جبیں نے ہنسی سے دیکھا۔وہ محض مسکرا کر رہ گئی حالانکہ آذر کے بے پناہ محبتوں کے احساس سے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے،بے خیالی میں وہ اپنے ہاتھ دیکھنے لگی۔آذر کو اس کے ہاتھ بہت پسند تھے اور کئی بار وہ اظہار بھی کر چکا تھا۔

''یار کزن۔'' وہ بے تکلفی سے اسے ہمیشہ ایسے ہی مخاطب کیا کرتا تھا۔''تمہارے ہاتھ تو تمہارے چہرے سے زیادہ خوبصورت ہیں لگتا ہے کسی ماہر سنگ تراش نے سالوں کی ریاضت کے بعد سنگ مرمر کو ترش کر بنائے ہوں۔''

وہ ہنس کر چپ چاپ اپنا کام کیے جاتی۔

''زیادہ صابن میں بھگو کر مت رکھا کرو انہیں۔خراب ہو جائیں گے!'' وہ ہدایت کرتا۔

''برتن تم دھو جایا کرو۔'' وہ ہنس کر کہا کرتی۔

''یہاں تو نہیں۔وہاں دھو دیا کروں گا۔'' وہ معنی خیز باتیں شروع کر دیتا۔

''مجھے زن مرید قسم کے شوہر بالکل پسند نہیں۔'' وہ ناک بھوں چڑھا کر کہتی۔''یہاں وہاں مت کرو۔اور باہر جا کر بیٹھو۔''

''ضوفی!'' مہ جبیں کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔''تم ذرا پلیٹیں وغیرہ نکال کر صاف کرلو۔اماں نے کچھ چیزیں منگوائی ہیں۔''

''جی اچھا۔'' وہ کھڑی ہو گئی اور الماری کی جانب بڑھ گئی۔

''اچھی مہمان نوازی ہے۔'' وہ دروازے پر موجود تھا۔''مجھے وہاں بیٹھا کر دونوں بہنیں یہاں اپنے کام نپٹانے چلی آئیں۔ارے ذرا سی دیر کو آئے ہیں نہیں آیا کریں گے زیادہ۔''

''تم مہمان کب سے ہوگئے؟'' مہ جبیں نے آنکھیں نکالیں۔ ''مہمان کیا اس طرح پورے گھر میں مٹرگشت کرتے پھرتے ہیں؟ اور یہ کم کم آنے کی دھمکی کم از کم مجھ پر تو کارگر ثابت نہیں ہوسکتی البتہ۔''

اس نے شرارت سے ضوفی کو دیکھا۔

''البتہ کیا؟'' وہ جلدی سے پوچھنے لگا۔

''البتہ کچھ لوگ ایسے بھی جو آپ کی طویل غیر حاضری سے پریشان ہوجاتے ہیں کھوئے کھوئے رہنے لگتے ہیں۔ پڑھائی میں ان کا دل نہیں لگتا۔''

''توبہ ہے آپا۔'' ضوفشاں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''آپ کا تو مذاق ہوگا اور وہاں کوئی دل پر لے لے گا۔ ذرا سوچ سمجھ کر بولیں نا۔''

''آہم!'' وہ شرارت سے کھنکارا۔ ''ہم نہ کہتے تھے۔''

''غلط فہمی ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ارے چشم دید گواہ ہے میرے پاس۔'' وہ جوش سے بولا۔ ''اور اس نے ابھی ابھی گواہی دی ہے اب لاکھ مکرو تم۔''

''تمہیں کیا مل جائے گا! اگر یہ مان بھی جائے تو۔'' مہ جبیں نے مسکرا کر پوچھا۔

''بس صبر آجائے گا کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی ہے۔'' وہ گنگنایا۔

''کتنا بولتے ہو آذر۔'' ضوفشاں نے اسے گھورا۔

''یہی تو دن ہیں میرے بولنے کے۔ بعد میں تو تم بولا کرو گی اور میں سنوں گا۔'' وہ مزے سے بولا۔

چائے بن گئی تو مہ جبیں چائے لے کر اندر چلی گئی۔ ضوفشاں وہیں بیٹھی چائے کے گھونٹ بھرتی رہی۔ اس پر کوئی ممانعت تو نہ تھی لیکن اسے آج خود ہی اماں اور پھوپھی کے سامنے آذر کے ساتھ بیٹھنا اچھا نہ لگ رہا تھا۔ یوں بھی ابا بھی آنے والے تھے اور آج تو پھوپھی اماں کے آنے کا مقصد بھی کچھ اور ہی تھا سو وہ مہ جبیں کے بے حد اصرار پر بھی اندر نہیں گئی۔

''ضوفی۔ چلو تمہیں پھوپھی اماں بلا رہی ہیں۔'' مہ جبیں مسکراتی ہوئی اندر آئی۔

''کیوں؟''

''ارے کیوں کیا؟ معلوم تو ہے تمہیں۔ انگوٹھی پہنائیں گی اور کیوں۔''

''ابا آگئے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''ہاں ناں۔ تب ہی تو بلا رہی ہیں تمہیں۔''

''آذر کہاں ہے؟'' اسے نجانے کیوں گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''وہیں بیٹھا باتیں بنا رہا ہے۔'' وہ ہنسی ''اور یہ تمہیں آج کیا ہو رہا ہے۔ وہاں کون پرایا ہے جو تم اتنا گھبرا رہی ہو۔ چلو اٹھو!''

مہ جبیں کے پیچھے پیچھے، شرماتی جھجکتی وہ جا کر پھوپھی اماں سے بالکل چپک کر بیٹھ گئی۔ زندگی میں پہلی بار اسے آذر سے بھی شرم آ رہی تھی۔ اور پھر ابا تو وہیں بیٹھے تھے آذر بھی اچانک اٹھا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ غالباً وہ خود بھی انہیں احساسات سے دوچار ہوگیا تھا۔

''ارے اسے کیا ہوا۔'' ابا حیرانی سے بولے۔

مہ جبیں کھلکھلا کر ہنس دی۔ ضوفشاں کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھوپھی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دی اور اسے گلے سے لگا کر پیار کیا۔

''خدا مبارک کرے۔'' ابا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور باہر نکل گئے۔

مہ جبیں اطمینان سے بیٹھ کر چیزوں سے انصاف کرنے لگی اور وہ سر جھکائے ہاتھ میں پڑی انگوٹھی کو دیکھے چلی گئی۔ انگوٹھی کیا تھی، ایک خوبصورت احساس تھا جس نے اس کی انگلی کو ہی نہیں اس کے دل کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

✿.....✿.....✿

''دیکھو آذر۔ مجھے یہ باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔'' بے حد ناگواری سے اس نے کہا تھا اور وہ بائیک اس قدر تیز دوڑا رہا تھا کہ اسے یہ بات چیخ کر کہنی پڑی تھی۔

''یار کزن۔ ذرا کان کو قریب لے آؤ۔ بالکل سنائی نہیں دے رہا ہے۔''

''تمہیں آخر عقل کب آئے گی؟'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''نہ بھی آئے تو کیا حرج ہے؟'' وہ ہنسا ''اور سنو لڑکی۔ عقل اگر آ گئی نا نقصان تمہارا ہی ہوگا۔ جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اسی طرح عشق اور عقل کا کوئی میل کوئی جوڑ نہیں ایک آئے تو دوسرا خود بخود رخصت ہو جاتا ہے۔ مجھے عقل آ گئی تو سمجھو عشق گیا ہی گیا۔''

''اچھا عشق ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔ ''خود تو خوار ہوتے ہو۔ مجھے بھی کراتے ہو۔ کیا سوچتے ہوں گے ابا۔''

''ارے وہ نئے زمانے کے ابا ہیں۔ جدید اصولوں پر بنے ہوئے۔'' وہ ہنس دیا۔ ''کچھ نہیں سوچیں گے۔''

''شرم کرو۔''

''اجالا۔ یار! رحم کرو۔ میرا اتنا خوب صورت موڈ برباد مت کرو۔'' بائیک روکتے ہوئے اس نے کہا۔

''آؤ۔ تمہیں تمہاری پسند کی آئسکریم دلاؤں۔''

''میں یہیں کھڑی ہوں۔ تم لے آؤ جا کر۔'' وہ خفا تھی اس کی اس حرکت پر۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس کے بگڑے ہوئے موڈ کے پیش نظر وہ فوراً مان گیا۔ ''یہیں لے آتا ہوں۔''

وہ اس کی بائیک سے ٹیک لگا کر بے خیالی میں مختلف گاڑیوں کو سڑک پر دوڑتا دیکھنے لگی جبکہ وہ آئسکریم پارلر میں گھس گیا۔

آج زندگی میں پہلی بار وہ اس طرح آذر کے ساتھ بائیک پر بیٹھی تھی۔ وہ خود اس سے بات کرتا وہ صفائی سے منع کر دیتی لیکن اس نے تو پکا کام کیا تھا۔ سیدھا ابا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور درخواست پیش کی تھی کہ وہ ضوفشاں کو آئسکریم کھلانے کے لے جانا چاہتا ہے۔ جس کے لیے ان کی اجازت درکار ہے اور باعث حیرت امر یہ تھا کہ ابا نے خوش دلی سے اجازت دے دی تھی۔ ہاں اماں ضرور چپ سی ہو گئی اور ضوفشاں کے ذہن میں رہ رہ کر اماں کا چہرہ آ رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے آذر کو۔'' اس نے جھلا کر سوچا۔

بے دلی سے ایک ایک چیز پر پڑتی نگاہ اچانک ہی تھمی تھی۔ اور اس کا دل یک بارگی زور سے دھڑکا تھا۔ ذرا سے فاصلے پر پارک کی ہوئی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا عالم شاہ اپنی تمام تر حسیات سمت اس کی جانب متوجہ تھا۔

ضوفشاں کی سمجھ میں اور کچھ نہیں آیا اور رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ ایسی بات تھی اس شخص میں کہ نگاہ پڑتے ہی اس کا وجود پسینے میں ڈوب جاتا تھا۔ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔

''اجالا!''

اس نے اپنے پیچھے آذر کی آواز سنی پھر بھی اس طرح سے اچھلی جیسے ایٹم بم پھٹا ہو۔

''ارے۔'' وہ ہنس دیا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

اس نے غور سے آذر کو دیکھا اور نجانے کیوں اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''آذر۔ گھر چلو۔''

''ہاں ہاں چلتے ہیں۔ یہ آئسکریم تو کھالو۔ مہ جبیں باجی کے لیے تو میں نے پیک کر لی ہے۔''

''نہیں بس میں بھی وہیں چل کر کھاؤں گی۔''

''ہوا کیا ہے یار؟'' وہ جھنجھلا گیا۔

''آذر۔ وہ۔'' اس نے ذرا سا رخ موڑ کر کن انکھیوں سے پیچھے دیکھا اور جیسے اس کی جان میں جان آئی۔ گاڑی وہاں سے جا چکی تھی۔

''کچھ پھوٹو بھی منہ سے۔''

''آں۔'' وہ چونکی۔ ''ہاں لاؤ دو۔ آئسکریم کھاتے ہیں۔''

''احمق۔ موڈ آف کر دیتی ہو۔'' وہ ناراضگی سے اسے گھورنے لگا۔

ضوفشاں ہنس دی۔ ہر چند کہ اس کا ہنسنے مسکرانے کو قطعاً دل نہیں چاہ رہا تھا۔

ٹی وی کی اسکرین پر ناچتی تھرکتی تصویروں سے پرے اس کا دماغ کہیں اور موجود تھا۔ مخمور آنکھیں کسی گہری سوچ میں گم تھیں اور چہرے پر تناؤ کے سے آثار تھے۔

ہاں کچھ ایسی بات تھی اس میں، جو سوچنے پر مجبور کرتی تھی۔ کچھ ایسا تھا جو دماغ کی تہوں میں اس طرح سے جذب ہوا تھا کہ نکالے نہ نکلتا تھا۔ ورنہ سید عالم شاہ نے کب کسی شے کو اتنی اہمیت دی تھی کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور رہے۔ لڑکیاں تو اس کے لیے بس ایسے ہی تھیں جیسے بچوں کے لیے تصویروں والے کیمرے میں کھٹا کھٹ ایک کے بعد ایک تصویر نظر کے سامنے سے ہٹتی رہے۔ یہ کیسی تصویر تھی جو مستقل نظر کے سامنے تھی۔ پیشانی پر ہاتھ پھیر کر اس نے ہتھیلی کو بغور دیکھا۔ اے سی کی ٹھنڈک رگ و پے میں سرائیت کر رہی تھی اور اس کے باوجود پسینے سے نم ہتھیلی اس کے ذہنی خلجان کی تصدیق کر رہی تھی۔

''تمہاری سوچوں جیسی لگتی ہے نا؟''

کہیں دماغ میں فہد کی آواز ابھری۔ اور پھر گونجتی چلی گئی۔ یہ سوال اس کے دماغ کے ہر ہر حصے پر ہتھوڑے برسانے لگا۔

''تمہاری سوچوں جیسی ہی لگتی ہے نا؟ تمہاری سوچوں جیسی۔ تمہاری سوچوں جیسی۔''

''ہاں۔'' اس نے تڑپ کر اقرار کیا۔ ''ہاں ہاں لگتی ہے میری سوچوں جیسی، میرے تصورات کی تفسیر، میرے ذہن میں بکھرے رنگوں سے بنی ہوئی مکمل تصور۔ میرے خوابوں کی تعبیر بالکل وہی ہے ویسی ہی ہے۔ لیکن میں نے یہ تصور دل کے صنم خانے میں سجاتے وقت یہ ہرگز نہیں سوچا تھا کہ کبھی یہ تصویر اس صنم خانے سے نکل کر، سانس لیتی ہوئی میرے سامنے آکر کھڑی ہو جائے گی۔ بت اگر دل کے معبد خانے میں ہو تو سب سے چھپ کر اس کی پرستش کر لینا آسان ہے، سامنے آکر غرور سے کھڑا ہو جائے تو اسے سجدہ کرنا کم از کم سید عالم شاہ کے لیے تو ممکن نہیں۔ میں کیسے کہہ دوں اس سے، کہ تم نظروں کے سامنے آئی ہو تو دل کا صنم خانہ ویران ہو گیا ہے، عالم شاہ کا دل نہیں رہا، ایک ویران سرائے ہو گیا ہے۔ اور اسے بسانا، سجانا، سنوارنا تمہارے اختیار میں ہے، عالم شاہ تو بے اختیار ہو گیا ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے سختی سے اپنے ہی خیالات کو رد کر دیا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سید شاہ عالم ایک کم مایہ، بے حیثیت لڑکی کے آگے بے اختیار ہو جائے۔ سرنگوں ہو کر اپنے دل کو روشن کرنے کے لیے اس کے جلووں کی بھیک مانگے۔''

''بے چینی حد سے سوا ہو گئی تو وہ کھڑا ہو گیا۔ وی سی آر میں لگی فلم کب کی اپنے اختتام کو پہنچ گئی تھی اور اب ٹی وی اسکرین روشن مگر خاموش پڑی تھی۔

اس نے ٹی وی آف کیا اور کیسٹ نکال کر بے دلی سے قالین پر پھینک دی۔ جب سے اس نے آئسکریم پارلر کے باہر ایک لڑکے کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کا دل دنیا کو توڑ مروڑ کر رکھ دینے کو چاہ رہا تھا۔

''کون تھا وہ لڑکا؟ اور کیوں تھی وہ اس کے ساتھ؟'' یہ سوالات اس کے دل و دماغ کی دنیا تہہ و بالا کیے دے رہے تھے۔ ایک ہی وصف کی تو خواہش تھی اسے۔ کوئی ہو جس کی وفاؤں کے تمام سرے عالم شاہ کی ہستی تک آتے ہوں۔

وہ چاندنی کی ٹھنڈی کرنوں سے بنا پیکر، وہ ابر نیساں کا پہلا شفاف قطرہ، وہ بہار کے پہلے غنچہ کے کھلنے کی صدا جیسا وجود، اگر حقیقت میں کہیں تھا تو صرف سید عالم شاہ کے لیے تھا۔ صرف اس سے محبت کرنے کے لیے، اس کو چاہنے کے لیے بنا تھا۔ اس کی تمام تر وفائیں، ساری دعائیں شاہ کے نام ہوئی تھیں۔ پھر وہ دوسرا کون تھا؟

اسے یوں لگا جیسے اس کے جسم کا سارا خون جمع ہو کر اس کی کنپٹیوں تک آن پہنچا ہے اور اگر اس نے مزید کچھ سوچا تو اس کا ماتھا ترخ کر چور چور ہو جائے گا۔ سیڑھیاں پھلانگتا، لمبے ڈگ بھرتا وہ اپنے بیڈ روم تک پہنچا۔ پردے برابر کر کے اے سی آن کیا۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی اوپری دراز سے ایک شیشی نکالی اور دو گولیاں ہتھیلی پر رکھیں۔ پانی کا گلاس بھرا اور دونوں گولیاں نگل گیا۔

صرف دس منٹ بعد وہ دنیا جہاں سے بے خبر اوندھا لیٹا سو رہا تھا۔

✿.....✿.....✿

سید فرمان شاہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے وڈیرے اور جاگیردار تھے۔ بچپن اور جوانی انہوں نے لندن میں گزاری تھی۔ والد کی اچانک وفات پر انہیں ملک لوٹنا پڑا۔ اپنے والدین کی واحد اولاد ہونے کے ناتے سے اب سب کچھ ان کا تھا۔ ہزاروں ایکڑ پھیلی اراضی ان کے نام تھی۔ آبائی حویلی کے علاوہ کئی دوسرے شہروں میں بنگلے ان کی ملکیت تھے، تمام بینک بیلنس ان کا تھا۔

باہر کی تہذیب کے دلدادہ، عیش پرست فرمان شاہ کے لیے کوئی کمی تو پہلے بھی نہ تھی لیکن اب تو ان پر جیسے جنت کے دروازے کھل گئے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بہانے وہ لندن میں جو عیاشیاں کرتے تھے، باپ کے خوف سے انہیں پس پردہ رکھنے کے جتن بھی کرنے پڑتے تھے لیکن اب انہیں پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔

تمام کام اور جائیداد کے انتظام مختلف لوگوں کے سپرد کر کے وہ خود ہمہ وقت عیش پرستی میں گم رہتے محفلیں سجی رہتیں۔ مہمان گھر میں بھرے رہتے۔

مینا بیگم سے انہوں نے شادی کی تو کسی کو کوئی تعجب نہ ہوا۔ مینا بیگم طوائف زادی تھیں لیکن بے حد کائیاں اور ہوشیار تھیں۔ سید فرمان شاہ کو انہوں نے اس طرح سے گھیرا کہ ان کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہ رہا اور انہوں نے خاندانی قدروں کو پامال کرتے ہوئے انہیں حویلی کی رانی بنا دیا۔

سید عالم شاہ، مینا بیگم کی ہی اولاد تھا۔ اس کی پیدائش کے ڈیڑھ سال بعد ہی فرمان شاہ ایک کار ایکسیڈنٹ میں دونوں ٹانگوں سے محروم ہو گئے مینا بیگم پہلے جو بھی تھیں اور جیسی بھی تھیں، فرمان شاہ سے شادی کے بعد انہیں خود میں بہت سی تبدیلیاں لانی پڑی تھیں۔ ایک گھریلو خاتون بن کر رہنے کے لیے اُسے اپنے اندر سے ہمہ وقت ایک جنگ لڑنی پڑی تھی۔ فرمان شاہ کے ایکسڈنٹ کے بعد انہیں خود پر مزید اختیار نہ رہا۔ انہوں نے ہمت ہار دی۔ وہ جوان تھیں خوبصورت انہیں اور اس وقت بھی کئی دل، کئی آنکھیں ان کے لیے بچھی ہوئی تھیں، ان کی منتظر تھیں۔

سو ایک دن حویلی کے مکینوں کو علم ہوا کہ مینا بیگم رات کے کسی پہر، ڈیڑھ سالہ بچے اور اپاہج شوہر کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے کہیں چلی گئی تھیں۔

''تھی نا آخر کو طوائف۔'' فرمان شاہ نے تلخ لہجے میں صرف اتنا کہا تھا۔ ''گھر اسے راس نہیں آیا۔''

پھر مختلف آیاؤں کے ہاتھوں پلتے عالم شاہ نے کئی بار یہ بات سنی کہ اس کی ماں اسے چھوڑ کر گھر سے بھاگ گئی تھی۔ وہ سولہ برس کا ہوا تو سید فرمان شاہ نے ایک بیس برس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ عالم شاہ کو غصہ باپ پر نہیں، اس لڑکی پر آیا تھا جس نے محض دولت کی خاطر خود کو قربان کیا تھا۔ عورت ذات سے اسے چڑ ہو گئی ہر لڑکی، ہر عورت کو وہ تحقیر بھری نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا۔

سید فرمان شاہ نے اسے بھی حصول علم کے لیے باہر بھیجا تھا لیکن وہ تعلیم مکمل ہوتے ہی لوٹ آیا۔ وہ گرم ابلتے خون کا مالک تھا، اسے سرد موسم اور سرد مزاج راس نہ آتے تھے۔ واپس لوٹ کر اسے علم ہوا کہ اس کی سوتیلی ماں بھی اس کے باپ کو اکیلا چھوڑ کر کب کی آزاد فضاؤں میں واپس لوٹ گئی تھی۔

''تھی نا آخر کو ایک عورت۔'' اس نے تلخی سے سوچا تھا۔ ''بے وفائی کا سمبل۔''

تب اس اس نے ملنے والی ہر عورت کو مسترد کیا تھا، نظر آنے والی ہر لڑکی کو ریجیکٹ کرتا گیا تھا خواہ پہلی نظر میں خواہ چوتھی پانچویں ملاقات کے بعد۔

لیکن اس بات کا اسے علم نہ تھا کہ سب سے چھپ کر جو پیکر اس نے خیالوں میں تراش رکھا تھا۔ اسے لاشعوری طور پر اس کا انتظار بھی تھا۔ کہیں اندر چھپی ہوئی وفا کی خواہش بھی تھی۔

لاشعور سے شعور کی سطح پر ابھر آنے والے ان جذبات نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔ ایک لڑکی کو پانے کی اور اس سے وفا چاہنے کی خواہش کا خوف اس کے اعصاب پر طاری ہو گیا تھا۔ وہ اس سے بچنا چاہتا، چھپنا چاہتا تھا۔ اور اپنی ذات کو ہمیشہ کی طرح سر بلند رکھنا چاہتا تھا۔

اگر وہ بھی ہر لڑکی کی طرح اس کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتی۔ اس کی گرم نظروں کے سحر میں گرفتار ہو جاتی تو سید عالم شاہ کبھی پلٹ کر اس کی جانب دوبارہ نظر نہ کرتا۔ لیکن وہ اس کے چہرے پر لکھی اس کے کردار کی پاکیزہ اور پیشانی پر جگمگاتی روشنی سے ہار رہا تھا۔ اور جیسے اسے علم ہو رہا تھا کہ وہ اپنی تمام تر ول پاور کو بروئے کار لا کر بھی اسے پالینے کی خواہش کو شکست نہیں دے پائے گا۔

⚙.....⚙.....⚙

''اجالا!'' خوشی و انبساط میں ڈوبی آواز پر اس نے سر اٹھایا جگمگاتے، چمکتے چہرے اور تیز سانس کے ساتھ وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

''خیریت۔'' وہ حیران ہوگئی۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''موجیں ہوگئی ہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کا راستہ مل گیا ہے مجھے۔''

''ہوا کیا ہے۔ بتاؤ بھی۔'' وہ الجھی۔

''اجالا۔ میں آج بے حد خوش ہوں۔ مجھے جدہ کی ایک فرم میں نوکری مل گئی ہے۔ دو سال کا کنٹریکٹ ہے۔''

ضوفشاں کی آنکھوں کی چمک یک بارگی ماند پڑ گئی۔ چہرہ مرجھا گیا، ہونٹ بھینچ گئے۔

''جدہ! تم۔ تم چلے جاؤ گے؟''

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ حیران ہوا ''اپنی زندگی سنور جائے گی۔ ذرا تصور تو کرو۔''

''مجھے نہیں کرنا کوئی تصور۔'' وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

''سنو تو۔'' وہ پکار کر رہ گیا۔ وہ آنسو پیتی، پلکوں میں چھپاتی باورچی خانے میں چلی آئی۔ کوئی کام نہ سوجھا تو تسلے میں آٹا نکال کر گوندھنے بیٹھ گئی۔ باہر صحن میں اس کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اماں اور مہ جبیں کو جاب کی تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔

آٹا گوندھتے ہوئے وہ مسلسل آنسو پونچھتی رہی۔ یہ تصور اس کے لیے سوہان روح تھا کہ وہ دو سال کے لیے اس سے جدا ہو جائے گا۔ وہ اسے دیکھ نہ پائے گی، اس سے مل نہیں سکے گی، اس کی آواز نہ سن سکے گی۔ کتنا جان لیوا تصور تھا۔

وہ سسکی بھر کر رہ گئی۔

اور وہ کتنا خوش لگ رہا تھا۔ دولت پانے کی خوشی، اس سے بچھڑنے کی تکلیف پر غالب تھی۔ محبت کے دعوؤں کی قلعی کس طرح کھل گئی تھی۔ دو دن اس سے نہ ملنے پر وہ اپنی کیفیات تمام تر جذبات سمیت بیان کرتا تھا اور اب دو سال کے لیے بچھڑنے کی خبر سناتے ہوئے اس کے ماتھے پر ایک

شکن تک نہ تھی۔

''جھوٹے دعوے کرنے والے بے ایمان لوگ۔'' اس نے ناک سکوڑی۔

''صوفی۔! سنا تم نے۔'' مہ جبیں خوش خوش اندر داخل ہوئی۔ ''زندگی بن جائے گی تم لوگوں کی!''

''آپا'' اس نے احتجاج کیا۔'' زندگی کی خوشیاں کیا صرف آسائشات سے مشروط ہوتی ہیں؟ دولت کے دھاگوں سے بندھی ہوتی ہیں؟''

''ارے تم رو رہی ہو؟'' وہ حیران رہ گئی۔ ''بے وقوف لڑکی۔ وہ اپنا مستقبل بنانے جا رہا ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے!''

''مستقبل یہاں نہیں بن سکتا؟ اپنے ملک میں کیا کمی ہے؟'' وہ تنکی۔

''ارے ڈیئر کزن جس ملک میں ڈاکٹر اور انجینئر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہوں وہاں معمولی ایم ایس سی کو کون پوچھے گا؟'' وہ وہیں چلا آیا اور پیڑھی سرکا کر عین اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''یہ تو صرف میری لک ہے جو کمپیوٹر کورس کی بیس پر اتنی اچھی جاب ایک نعمت کے طور پر بیٹھے بٹھائے مل رہی ہے۔ اور تم میرے ارادوں کے پیروں میں اپنے آنسوؤں کی زنجیر ڈال رہی ہو؟ میں تو سوچ کر آیا تھا کہ تم انکرج کرو گی مجھے۔ حوصلہ بڑھاؤ گی میرا۔ یہ جو میرے اندر کہیں ایک لرزش سی ہے، اسے دور کر کے مجھے الفاظ سے قوت بخشو گی، میرے عزائم کو مستحکم کرو گی۔ اور تم رونے بیٹھ گئیں۔''

''مت جھاڑو تقریر۔ وہ بگڑ کر بولی'' اپنے زورِ بیان سے تم میری تکلیف کا مداوا نہیں کر سکتے جو مجھے تم نے یہ خبر سنا کر دی ہے۔''

''کس لیے جا رہا ہوں میں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ ''بولو جواب دو؟ میرے معاشی وسائل مستحکم ہونے سے کس کا آرام وابستہ ہے؟ کس کا مستقبل نتھی ہے میرے آئندہ سے؟''

''مجھے کبھی بھی اس سے زیادہ کی خواہش نہیں رہی جتنا تمہارے پاس ہے۔'' وہ نظر چرا کر بولی۔

''لیکن مجھے احساس ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ تمہارے شایاں شان نہیں۔ میں تمہیں بہت ساری خوشیاں دینا چاہتا ہوں اجالا! دنیا کی ہر مسرت تمہارے آنچل میں ڈالنا میرا خواب ہے۔''

''آذر'' اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ ''اگر تم یہی چاہتے ہو کہ میں خوش رہوں تو مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تمہاری قربت ہی میری اصل مسرت ہے۔ تمہارا ساتھ میری سانسوں کی ضمانت ہے۔ میں مر نہ جاؤں آذر۔''

''پاگل لڑکی۔'' وہ اسے حیرانی سے تکنے لگا۔ ''اتنا چاہتی ہو مجھے؟ پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟''

''اب بتا رہی ہوں۔'' اس نے چہرہ گھٹنوں میں رکھ لیا۔

''سوچ لو اجالا۔ ہو سکتا ہے یہ ہمیں ملنے والا پہلا اور آخری چانس ہو پھر ساری زندگی ہمیں یونہی غربت سے جنگ لڑتے گزارنی پڑے۔''

''تم میرے ساتھ ہو تو میں ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں۔ اور جس طرح سے میں ابھی رہتی ہوں، اس طرح سے ساری زندگی گزار دینے پر مجھے اعتراض نہیں۔ کیا تم مجھے دو وقت کی روٹی اور دو جوڑے نہیں دے سکو گے؟ تمہاری قسم اس سے زیادہ کی مجھے خواہش نہیں۔ ہاں البتہ جو کچھ خدا نے تقدیر میں لکھ دیا ہوگا، وہ تو ہر حال میں مل کر رہے گا۔''

''عجیب لڑکی ہو۔'' وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''یہ تو پاگل ہے آذر۔'' مہ جبیں چڑ کر بولی۔ ''میرا مشورہ مانو تو ضرور جاؤ۔ بھلا یہاں کیا رکھا ہے؟''

''نہیں آپا۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''اگر میرے یہاں رہنے میں اس کی خوشیاں پوشیدہ ہیں تو پھر سب کچھ یہیں ہے۔ اور کہیں کچھ نہیں۔ یہ نہیں چاہے گی تو میں کبھی نہیں جاؤں گا۔ خواہ ساری دنیا مجھے بھیج دینے پر مصر ہو۔ میں اس کے چہرے پر مسرتیں دیکھنا چاہتا ہوں، اس کے لبوں پر مسکراہٹیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی ٹپکے، یہ مجھے گوارا نہیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ تم سوچ لینا اجالا!''

''بڑی آہستگی سے مڑ کر وہ چلا گیا مہ جبیں بت بنی اسے دیکھتی رہی پھر ضوفشاں کی جانب مڑی۔

''تم تم نے سنا ضوفی۔ کتنا چاہتا ہے وہ تمہیں پاگل ہے تمہارے پیچھے خیر پاگل تو تم دونوں ہی ہو۔ اور یہ تمہیں اجالا کیوں کہہ رہا تھا؟''

ضوفشاں زور سے ہنس دی۔

''پاگل ہے نا بقول آپ کے اس لیے۔ ورنہ میری تو اپنی زندگی کے اجالے اسی کی وجہ سے ہیں۔''

✿.....✿.....✿

کیاری میں لگے پودوں کو پانی دینے کے بعد اس نے پائپ سے نکلتے پانی کی دھار کا رخ دیوار کی جانب کر دیا۔ برسات نہ ہونے کی وجہ سے مٹی سارا دن اڑتی تھی اور ہر شے گرد سے چھپ جاتی تھی۔

مہ جبیں اور اماں پڑوس میں ہونے والے میلاد میں شرکت کے لیے گئی ہوئی تھیں اور وہ گھر میں اکیلی تھی۔ پڑھائی کا موڈ نہیں بن سکا تو وہ پائپ لگا کر صحن دھونے بیٹھ گئی۔ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے وہ ہر شے پر پانی کی دھار ڈال رہی تھی۔

دروازے پر ہولے سے بجا تو اس نے چونک کر پائپ زمین پر ڈال کر کمر کے گرد لپیٹا ہوا دوپٹہ کھولتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ ابا کے آنے کا وقت تھا سو اس نے بے دھڑک دروازہ کھول دیا اور پھر اس کے حلق میں گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔

عالم شاہ دروازہ کھلنے پر اسے دیکھ کر بڑے رعب سے اندر آ گیا تھا۔

''کک۔ کیا بات ہے؟'' سہمی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

''مغرور بھی ہو اور بزدل بھی۔ اچھی بات ہے۔ لڑکیوں میں یہ دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔''

''میں پوچھتی ہوں۔ آخر آپ اس طرح کیوں آئے ہیں میرے گھر میں؟'' اس نے تمام تر ہمتیں جمع کر کے کہا۔

''تمہیں اعتراض ہے؟'' وہ حیران ہوا۔ ''عجیب لڑکی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے زندگی میں پہلی بار سید عالم شاہ نے اپنی ہار تسلیم کی ہے۔ اور تم ناخوش ہو۔؟''

''مجھے آپ کی ہار جیت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔ کیوں آپ مجھے بے عزت کر ڈالنے پر بضد ہیں۔''

''نہیں۔'' اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ''میں عزت ہی تو دینا چاہتا ہوں تمہیں۔ شادی کرو گی مجھ سے؟''

''شش۔ شادی؟'' اس نے تھوک نگل کر سر سے پاؤں تک سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔ سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس، کاندھوں پر چادر ڈالے، پاؤں میں پشاوری چپل پہنے وہ بڑا بارعب بڑا منفرد لگ رہا تھا۔

''میں۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہوں۔ آپ پلیز چلے جائیں۔ کوئی آ گیا تو۔ کسی نے دیکھ لیا تو۔'' وہ لرزتی ہوئی آواز کانپتے ہوئے لہجے میں بولی۔

اس کا دل اس خیال سے بری طرح دھڑک رہا تھا کہ کہیں آذر نہ آ جائے۔

''تو کیا ہوگا؟'' اس نے تیوری چڑھائی۔ کسی ایرے غیرے کے نہیں سید عالم شاہ کے ساتھ کھڑی ہو۔ اور میرے سوال کا جواب دو۔ شادی کرو گی مجھ سے؟''

''نہیں۔'' اس نے خوف سر جھٹکا۔ ''میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔''

''سید عالم شاہ کے چہرے پر بہت سے سائے لہرائے۔

''منگنی؟''اس نے جیسے دانت پیسے''کس سے؟اس قلاش سے۔جس کے کھٹیچر اسکوٹر کے ساتھ تم اس دن کھڑی تھیں؟''

''ہم لوگ ایک ہی جیسے ہیں۔''اس نے تھوک نگلا۔

''آپ۔آپ۔اپنے جیسی کوئی امیر زادی ڈھونڈ لیں۔مم مجھ میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔''لیکن سید عالم شاہ نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔اس کی نگاہ اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر تھی۔اس کی انگلی میں پڑی انگوٹھی پر مرکوز تھی۔

''اتار دو یہ انگوٹھی۔''وہ جیسے پھنکارا۔

''نن۔نہیں۔''وہ سر کو نفی میں ہلا کر پیچھے ہٹی۔

وہ آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی کھینچ لی۔ضوفشاں کی ساری چیخیں اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئیں۔خوف کے مارے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔دیوار سے سر لگائے وہ وحشت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی جو اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔

''بہت خوبصورت ہو۔''وہ اپنی مخمور نگاہیں اس پر جما کر کہنے لگا۔''جیسے چاندنی سے بنائی گئی ہو نجانے تمہارا نام کیا ہے۔میرے لیے تو تم روشنی ہو۔میری زندگی کے اندھیروں کو دور کرنے کے لیے اتاری گئی روشنی میں نے تمہارا نام روشنی رکھا ہے۔اور سنو روشنی! تم صرف میرے لیے بنائی گئی ہو۔کسی اور کے جیون میں اجالے بکھیرنے کی تمنا اگر دل میں ہے بھی تو اسے نکال پھینکو۔آج سے تم میری منگیتر ہو!''

اس کے تھامے ہوئے سرد ہاتھ میں اس نے انگوٹھی ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ضوفشاں کی ساری جان اس کے بدن سے نکل چکی تھی۔وہ دیوار کے ساتھ بیٹھتی ہی چلی گئی۔سانس بحال کرنے اور دم میں دم آنے میں اس نے بڑی دیر لگا دی پسینے میں ڈوبی پیشانی کو صاف کر کے اس نے اپنا ہاتھ دیکھا۔اس کی انگلی میں آذر کی دی ہوئی انگوٹھی ہرگز نہیں تھی۔سات ہیروں سے بجی، چمکتی دمکتی انگوٹھی نے اس کے ہاتھ میں روشنیاں بکھیر دی تھیں۔

سنگ مرمر سے تراشا ہوا ہاتھ جیسے بڑا قیمتی، بڑا منور ہو گیا تھا۔

اس نے دیوانوں کی طرح ادھر ادھر نگاہ دوڑائی، کیاری کے قریب پائپ سے نکلتے پانی میں بھیگتی اسے اپنی انگوٹھی نظر آ گئی۔دوڑ کر وہ اس تک پہنچی اور دوزانو بیٹھ کر اسے اٹھایا۔

پتا نہیں سید عالم شاہ کی پہنائی ہوئی انگوٹھی کتنی قیمتی تھی اور آذر کی خریدی ہوئی انگوٹھی کی قیمت کیا تھی۔اسے تو بس اتنا علم تھا وہ اس کے ہونٹ آذر کی انگوٹھی پر ثبت تھے اور وہ زار و قطار رو دی تھی۔

ہر کسی نے پوچھ کر دیکھ لیا، ہر طریقہ آزما لیا، مگر اس کی چپ تھی کہ ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی، ایک ہی دن میں اس کا چہرہ مرجھا کر رہ گیا تھا۔پیلا ہو گیا، آنکھیں تھوڑی تھوڑی دیر بعد گیلی ہو جاتی تھیں۔

ایک خوف تھا، جو اس کی رگوں میں سرایت کر گیا تھا ایک وہم اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔

''جو کچھ عالم شاہ چاہتا ہے اگر ایسا ہو گیا تو۔''

اس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہ پاتی تھی، بس آنکھیں ڈبڈبا جاتی تھیں عالم شاہ کی پہنائی ہوئی انگھوٹھی الماری کی دراز میں مقید کر کے اس نے ہاتھ میں دوبارہ پہلے والی انگوٹھی ڈالی لی تھی لیکن دل کہتا تھا کہ اب وہ پہلے والی بات نہیں۔

پہلے وہ صرف ایک انگوٹھی نہ تھی، آذر کے جذبات کی ترجمان تھی۔اس کی چاہتوں کی زبان تھی لیکن اب یوں لگتا تھا جیسے وہ بولتی بات کرتی انگوٹھی خاموش ہو گئی ہو بے جان ہو گئی اور وہ دراز میں انگوٹھی ہنس رہی ہو، قہقہے لگا رہی ہو۔اپنی طاقت پر نازاں اپنی قیمت پر مغرور ہو۔

''ضوفشاں، اب یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ میں پڑوس میں جا کر آذر کو فون کروں اور اس سے کہوں کہ وہ آ کر تمہارا ابو ٹھا درست کر دے۔''

مہ جبیں نے اسے اسی حالت میں مجسم دیکھ کر چڑ کر کہا۔

''آپا پلیز۔''وہ چونک کر بولی۔اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی''آپ کو میری قسم، آپ آذر سے کچھ نہیں کہیں گی۔''

''پھر بتاؤ سچ سچ کیا بات ہوئی تھی؟ جس وقت ہم میلاد میں گئے تھے تم بالکل ٹھیک تھیں، ہنس بول رہی تھیں اور ہم واپس آئے ہیں تو تمہارا یہ حال دیکھا کہ نہ بول رہی ہو نہ بات کر رہی ہو، چہرا زرد ہے آخر ہوا کیا ہے ضوفی۔؟''

وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

وہ آخر کیا بتاتی؟ کس طرح بتاتی اسے علم تھا کہ اس کی پشت پر جو ہاتھ تھے وہ کس قدر کمزور تھے، وہ یونیورسٹی جاتی تھی تو ذرا سی دیر ہو جانے پر اماں کا دل کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح مانند کانپنے لگتا تھا۔ بازار سے واپسی میں تاخیر ہو جاتی تو ابا کے قدم بیٹھک سے برآمدے اور برآمدے سے صحن میں چکراتے رہتے، ان کے کمزور کاندھے مزید جھکے ہوئے لگنے لگتے اور چہرے کی جھریوں میں تفکرات اضافہ کر دیتے۔ وہ بھلا کیسے اتنے کمزور دلوں اور ناتواں کاندھوں کو مزید کمزور اور ناتواں کر دیتی۔

آذر کا خیال دل کی تقویت ضرور دیتا تھا لیکن آذر کو عالم شاہ کے بارے میں بتانا اسے کسی بڑے خطرے سے دوچار کر دینے کے مترادف تھا۔ اس دن آئس کریم پارلر کے باہر کار میں بیٹھے عالم شاہ کی پچھلی نشست پر بیٹھے خوفناک مونچھوں والے گارڈ کی شکل اور اس کے ہاتھوں میں موجود رائفل اب تک اس کے ذہن میں محفوظ تھی۔ وہ آذر کے جذباتی پن سے بھی واقف تھی۔ ان حالات میں اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ کیا کرے۔ کسے ہمراز بنائے کس سے حال دل کہے اسے شدت سے ایک بڑے بھائی کی کمی محسوس ہوئی۔ کبھی اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ بھائی کتنا بڑا اسہارا ہوتے ہیں۔ کیسا گھنا درخت ہوتے ہیں۔ آج سوچوں کی اس تپتی دھوپ میں وہ خود کو بالکل بے سائبان محسوس کر رہی تھی۔

کال بیل کی آواز نے اسے اس خیالات سے باہر لا کھڑا کیا۔

''میرا خیال ہے آذر ہے، کافی دنوں سے نہیں آیا ضرور وہی ہوگا''

مہ جبیں بولتی ہوئی اٹھ کر باہر چلی گئی۔ ضوفشاں جلدی سے اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ کنگھا اٹھا کر بالوں میں پھیرا۔ آنکھوں میں کاجل ڈالا اور دوپٹا درست کرتی ہوئی باہر کی جانب چل دی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ آذر اس کی بجھی ہوئی آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کا سبب پوچھنے بیٹھ جائے یہ اس کی اپنی آگ تھی وہ کسی بھی دوسرے شخص کو اس میں جھلستا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ دروازے تک اسی دھیان میں چلتی ہوئی آئی تھی کہ آذر سے سامنا ہوگا لیکن اندر آتے ٹوکرے اٹھائے دو افراد کو دیکھ کر وہ بت بن کر کھڑی مہ جبیں کے پیچھے دوسرا بت بن گئی۔ دونوں نے چند لمحوں میں ہی چھوٹے سے صحن میں مٹھائی، پھلوں اور پھولوں کے ٹوکروں کا ڈھیر لگا دیا۔ ایک بڑے سے سنہری منقش تھال میں نجانے کیا تھا۔ اس پر مخملیں کپڑا پڑا ہوا تھا۔

''جبیں، ضوفی بیٹا کون تھا؟'' اماں بھی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہیں آگئیں اور تیسرا بت بن گئیں۔

''یہ کیا ہے یہ سب کچھ؟'' پھر وہ فوراً حواسوں میں بھی آگئیں ''کون ہو بھائی تم لوگ اور یہ کیا لائے ہو؟ کس نے بھیجا ہے، یہ سب کچھ؟ کس کا سامان ہے؟'' پے در پے انہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے۔

''ہمارے شاہ صاحب نے یہ سامان روشنی صاحبہ کے لیے بھجوایا ہے، منگنی کی خوشی میں۔'' ایک ملازم نے مودب کھڑے ہو کر سوالوں کا جواب دیا۔

''روشنی؟'' اماں متعجب ہوئیں ''کوئی روشنی؟ یہاں تو کوئی روشنی نہیں رہتی اور میرا تو خیال ہے اس پوری گلی میں اس نام کی کوئی خاتون نہیں، بیٹا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے غلط پتے پر آگئے ہو۔''

''شاہ صاحب کل خود یہیں آئے تھے۔ میں ان کا ڈرائیور ہوں میں نے یہاں پہنچایا تھا کل انہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''آخر یہ شاہ صاحب ہیں کون؟'' اماں پریشان ہوگئیں۔

''سید عالم شاہ، سید فرمان شاہ کے بیٹے۔''

''مہ جبیں، ضوفی۔'' اماں ان دونوں کی جانب مڑیں ''تم جانتی ہو کیا اس نام کے کسی شخص کو؟''

مہ جبیں کا سر بے اختیار نفی میں ہلا جب کہ وہ چور بنی، سر جھکائے اپنے پیروں کو گھورے جا رہی تھی۔ اماں کے سامنے اس کا جھکا ہونا سر، ان کے سوال کا اثبات میں جواب بن گیا۔

''ضوفشاں کون ہے یہ شاہ؟'' ان کے لہجے میں وسوسے تھے۔ عجیب سی سختی تھی، تعجب تھا، اس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔ برسوں کی محنت سے تعمیر کیا گیا اعتبار کا بت دھڑام سے منہ کے بل گرنے کو تھا۔ وہ بے قصور تھی لیکن اس عجیب سے موقع پر جیسے خود بخود قصوروار لگنے لگی تھی۔

''ضوفشاں، میں کیا پوچھ رہی ہوں۔؟'' اماں نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''اماں مجھے نہیں معلوم، میرا یقین کریں۔'' اس نے اشکوں بھری نگاہیں ان پر جما کر التجا کی۔

''یہ ان کا کارڈ ہے۔'' ملازم نے ان دونوں کے درمیان ہونے والے مکالمات کے دوران ایک کارڈ مہ جبیں کو تھما دیا'' انہوں نے کہا تھا روشنی بی بی کو دینا۔''

دونوں کھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔

''ارے سنو بھائی۔'' اماں ہڑبڑا کر ان کی جانب مڑیں۔

''ارے بھئی، یہ لیتے جاؤ یہ ہمارا سامان نہیں۔''

''ضوفشاں بیٹا یہ کیا گتھی ہے۔؟'' اسے روتا دیکھ کر اس بار وہ کچھ نرم لہجے میں مخاطب ہوئیں'' مجھے کچھ بتاؤ ورنہ گھبراہٹ سے میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ تمہارے ابا آتے ہوں گے میں کیا جواب دوں گی انہیں؟''

''اماں، میں اسے نہیں جانتی۔'' اس نے آنسو پونچھ کر رندھی ہوئی آواز میں بتایا'' وہ دن اس نے میرا پیچھا کیا کل آپ لوگوں کی غیر موجودگی میں آکر کہہ گیا کہ میں خود کو اس کی منگیتر سمجھوں۔''

''ہائے اللہ۔'' اماں نے دل تھام لیا اور وہیں بیٹھ گئیں۔

''اماں، اماں۔'' دونوں بوکھلا کر ان کی جانب بڑھیں۔ ان کا چہرا ایک لخت بے حد زرد ہو گیا تھا۔

''آپا، آپ اماں کو اندر لے کر چلیں میں گلوکوز بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ جھٹ پٹ باورچی خانے کی سمت دوڑ پڑی۔

اماں کو گلوکوز پلا کر، ہوا میں لٹا کر دونوں ان کے ہاتھ تھام کر ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

''ضوفی کیسا شخص ہے۔ یہ شاہ۔'' انہوں نے نحیف آواز میں پوچھا'' کیا بہت بااثر ہے؟ امیر ہے؟ ہاں ہوگا تو ضرور وہ تو اندازہ ہی ہو رہا ہے۔ ارے بیٹا ایسے لوگ تو بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ پیچھا لے لیں تو چھوڑتے نہیں، کالے سانپ کی طرح، تو نے کہاں سے یہ مصیبت پیچھے لگا لی ضوفی؟''

''اماں، میں کیا کرتی۔'' وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

''میرا کوئی قصور نہیں ہے اماں، میں بالکل بے قصور ہوں۔''

''ارے مجھے پہلے کچھ بتا تو دیتی، تیرا یونیورسٹی جانا تو بند کروا دیتی میں، نوبت یہاں تک تو نہ پہنچتی۔''

''اماں! ابا آتے ہوں گے۔'' مہ جبیں فکر مندی سے بولی'' اس سامان کا کیا کریں؟''

''بیٹا ان کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے وہ تو مزید نڈھال ہوں گے۔ یوں کرو پہلے وہ سامان اندر اپنے کمرے میں رکھ والو۔ چارپائیوں کے نیچے کر دو، جاؤ بیٹا جلدی کرو تمہارا باپ پہلے ہی بے حد کمزور دل کا مالک ہے ویسے ہی تم دونوں کی فکر میں گھلتا ہے۔'' اماں نے بولنا شروع کیا تو بولتی ہی چلی گئیں۔

ضوفشاں اور مہ جبیں بھاگم بھاگ صحن میں آئیں اور سامان اندر لے جانے لگیں۔ پہلے دونوں نے مل کر مٹھائی کی ٹوکرے اندر رکھائے پھر باہر آئیں تو مہ جبیں رک گئی۔

''اس میں کیا ہے؟'' اس نے تھال پر پڑا کپڑا ہٹا دیا۔

دونوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں لشکارے مارتا آتشی گلابی سوٹ نظروں کے مقابل تھا۔ نہایت بیش قیمت کام سے مزین سوٹ میں سے جیسے آگ کے شرارے نکل رہے تھے۔ نظر ٹھہرتی ہی نہ تھی سوٹ کے ساتھ دھرے دو ڈبے تھے۔

مہ جبیں نے ہی آگے بڑھ کر مخملیں ڈبہ کھولا اور بے اختیار ''ہائے'' کر کے رہ گئی سونے کا خوبصورت اور قیمتی ملتانی سیٹ تھا۔ دوسرے ڈبے میں لشکارے مارتے کڑے تھے، جن کی مالیت کا اندازہ کرنا ہی ان دونوں کے لیے ناممکن تھا۔

''ضوفی۔'' مہ جبیں کی تھرتھراتی آواز برآمد ہوئی۔

''یہ......یہ......کون پاگل شخص ہے؟ کیا چاہتا ہے؟''

ضوفشاں کے پاس اس سوال کا جواب تھا تو لیکن وہ دینے کے قابل نہ تھی۔ پتھرائی ہوئی نظروں سے وہ محض کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔

''چلو ضوفی جلدی کرو، ابا نہ آجائیں۔''

مہ جبیں جیسے نیند سے جاگی، دونوں پھر جلدی جلدی کام نپٹانے لگیں۔

ابا کی آمد سے قبل ہی دونوں نے صحن صاف کر دیا۔ سارے ٹوکرے انہوں نے کمرے کی چارپائیوں کے نیچے چھپا دیئے۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تاکہ پھولوں اور پھلوں کی خوشبو بھید نہ کھول دے۔ ابا کے آجانے کے بعد بھی تینوں ماں بیٹیوں نے جذبات پر قابو پائے رکھا مبادا انہیں ان کے چہروں سے کسی پریشانی کا احساس نہ ہو جائے۔

''ضوفی۔'' باورچی خانے میں روٹی بیلتے ہوئے مہ جبیں نے دھیرے سے اسے پکارا۔ ''اب کرنا کیا ہے؟''

''وہ بھی تو ہمارے اپنے ہیں، اور پھر ہم بھلا کہیں بھی کس سے؟ اور ہے کون ہمارا۔؟''

''اللہ ہے ناں ہمارا، وہی بہتری کرے گا۔''

''پھر بھی ضوفی وسیلہ بھی تو ہونا چاہیے ابا کو ہم بتائیں نہیں، آذر اور عاصم کو بے خبر رکھیں، پھر بھلا ہم عورتیں کیا کریں گی؟ کر کیا سکتے ہیں ہم؟ اور پھر مزید کچھ گڑبڑ ہوئی اور اس کے بعد ان کا پتا چلا تو قیامت مچا دیں گے۔''

''قیامت تو اب برپا ہونی ہی ہے آپا۔'' اس نے افسردگی سے سر جھکا لیا۔ ''لیکن میں چاہوں گی کہ جہاں تک ہو سکے اس قیامت کو دور رکھا جائے، آذر اور عاصم بھائی کا اس معاملے میں پڑنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے، اور پھر کیا کر لیں گے کیا بگاڑ لیں گے اس شخص کا؟''

''پھر اب ہو گا کیا۔؟'' وہ فکر مندی سے بولی۔

''خدا بہتر کرے گا۔ وہ ملازم آپ کو کارڈ دے رہا تھا ناں۔؟''

''ہاں ہے میرے پاس کیوں۔؟''

''مجھے دے دیجیے گا۔'' وہ سوچ میں گم تھی۔

''کیوں۔؟'' وہ چونکی ''تم کیا کرو گی۔؟''

''اس کی چیزیں واپس بھجواؤں گی۔'' وہ آہستگی سے اٹھ گئی اور باہر نکل کر صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹ گئی

✿......✿......✿

انگلیوں کے درمیان کپکپاتے، لرزتے کارڈ پر اس نے ایک نگاہ ڈال کر سامنے کھڑی بلند، پرشکوہ عمارت کو دیکھا۔

کارڈ پر ''سید عالم شاہ'' کے نام کے نیچے اسی عمارت کا پتا درج تھا۔

چادر کو سر پر درست کرتی وہ آگے بڑھی۔ گھر سے نکلی تھی تو دل میں نفرت اور غصے کا ایک سمندر سا موجزن تھا، جس میں سارا راستہ وہ ڈوبتی اور ابھرتی رہی تھی۔ اور اسی لیے اس خوف کا احساس نہ کر پائی تھی جو اس سمندر کی تہوں میں کہیں تھا۔ مگر تھا ضرور تب ہی تو یہاں پہنچ کر اچانک ہی اس طرح سے عود کر آیا تھا کہ اسکا پورا وجود اس خوف کے سائے تلے دب رہا تھا۔

دل اس بری طرح سے دھڑکنے لگا تھا کہ اس نے کئی بار سوچا، واپس لوٹ جائے لیکن دماغ کہتا تھا کہ فیصلہ ابھی ہو جائے تو اچھا ہے آج اگر وہ واپس لوٹ گئی تو عالم شاہ کے بڑھتے قدم پھر کبھی نہیں رکیں گے۔

لبوں پر زبان پھیر کر وہ آگے بڑھی اور کال بیل کا بٹن پش کیا۔ چند لمحے مکمل سناٹا چھایا رہا آس پاس بھی دور دور تک ہو کا عالم تھا۔ دور دور بنے تمام مکان اس طرح خاموش کھڑے تھے جیسے ان میں کوئی ذی روح نہ بستا ہو۔

''جی بی بی کیا کام ہے؟''

اس آواز پر وہ بے طرح چونکی، چونکہ گیٹ نہیں کھلا تھا اس لیے ہڑبڑا کر ادھر دیکھا جہاں سے آواز آئی تھی۔ گیٹ کے دائیں جانب دیوار میں بنی چھوٹی سی کھڑکی کھلی تھی اور اس میں سے ایک خاصا خوفناک شخص جھانک رہا تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں سے اس کے چہرے کا تاثر مزید بھیانک ہو رہا تھا۔ سرخ آنکھیں بڑی بے رحمی سے اس پر مرکوز تھیں۔

''وہ'' اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ ''مجھے سید عالم شاہ سے ملنا ہے، یہ۔ یہ ان کا کارڈ'' اس نے کارڈ اس کی جانب بڑھایا جو اس نے نظر انداز کر دیا۔

''آپ کا نام؟''

''میرا نام، ان سے کہنا'' وہ الجھ کر رہ گئی ''ان سے کہنا وہ آئی ہیں جنہیں آپ روشنی کہتے ہیں۔''

کھڑکی کا تختہ کھٹ سے واپس گرا۔

چند لمحوں بعد گیٹ کھل گیا۔

''آیئے بی بی جی'' ایک باورچی ملازم بڑے عزت و احترام کے ساتھ مخاطب تھا سہمی ہوئی اور پھر تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔

وہ جیسے مغلیہ دور کے کسی محل میں آ گئی تھی۔ گیٹ کے دائیں بائیں دور دور تک پھیلے سرسبز لان تھے جو خوبصورت حوضوں، مرمریں مجسموں اور حسین پھولوں سے مزین تھے۔ شفاف پانی میں تیرتی سفید بطخیں دور سے سفید پتھر کی بنی ہوئی لگتی تھیں۔ گیٹ سے لے کر مرکزی عمارت تک سرخ بجری کی روش بچھائی گئی تھی۔ روش کے اختتام پر لمبی چوڑی ماربل سے بنی، ہر طرف سیڑھیاں تھیں۔

ملازم کی ہمراہی میں وہ کسی معمول کی طرح چلتی ہوئی سیڑھیاں پار کرنے لگی۔ آگے ٹنٹڈ گلاسز سے بنا محرابی دروازہ تھا۔

''آپ اندر چلی جائیں، شاہ صاحب آپ کے منتظر ہیں۔'' ملازم نے دروازہ کھول کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

ضوفشاں نے ایک بار سیڑھیوں کے کناروں پر ایستادہ سنگ مرمر کے ستونوں سے لپٹی سرسبز بیلوں کو اور نیچے پھیلے لان کے منظر کو دیکھا اور اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ اس کے پیچھے بے آواز بند ہو گیا۔

اندر بڑے ہال میں اے سی کی خنکی اور نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ضوفشاں نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری اور آنکھیں بار بار جھپک کر تا حد نظر دیکھا۔ کارپٹ ہال کے سامنے عین وسط میں اوپر جاتی سیڑھیاں تھیں میرون کارپٹ سے ڈھکی سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہ سب سے اوپری سیڑھی پر کھڑے سید عالم شاہ پر جا رکی دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ٹانگیں قدرے پھیلائے وہ بڑی شان سے کھڑا تھا۔ لبوں پر بڑی مدھم بڑی خوبصورت مسکراہٹ کھیل رہی تھی، ہلکی سی چمک دیتے گہرے رنگ کے کپڑوں میں اس کا دراز قد نیچے سے بہت نمایاں لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے لیے ضوفشاں کو لگا جیسے وہ کوئی مجسمہ ہو پتھر کا بے جان مجسمہ، جو کبھی سانس نہیں لے گا۔ کبھی حرکت نہیں کرے گا۔ لیکن پھر

پتھر کے مجسمے میں حرکت پیدا ہوئی اس نے ہاتھ کمر پر سے ہٹا لیے اور ریلنگ پکڑ کر آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔

''یوں تو ہمارے ہاں منگنی کے بعد اور شادی سے پہلے لڑکی کا یوں سسرال آنا کافی معیوب جانا جاتا ہے لیکن یقین کرو تمہارا آنا مجھے بالکل برا نہیں لگا بلکہ میں بہت خوش ہوں، تمہیں دیکھوں یا اپنے گھر کو۔؟''

وہ اس کے قریب آ کر دھیرے سے ہنسا ضوفشاں سہم کو پیچھے ہٹی۔

''مجھ سے ڈرا مت کرو روشنی۔'' اس نے مخمور آنکھیں بند کر کے کھولیں ''کم از کم تمہارے وجود کے لیے میں بالکل بے ضرر ہوں۔''

''میں...... کچھ کہنے آئی ہوں آپ سے۔'' اس نے تمام تر ہمتیں مجتمع کیں۔

''اچھا......!'' وہ ہنسا ''ضرور کہو، سامان پسند نہیں آیا کیا؟ دراصل وہ سب کچھ مکرم کے سپرد تھا نجانے اس نے کیا بھیجا ہو۔''

''آخر آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔؟'' وہ تمام تر خوف بالائے طاق رکھ کر پھٹ پڑی ''کس نے حق دیا ہے آپ کو یوں دوسروں کی زندگیوں سے مذاق کرنے کا، دوسروں کی عزتوں سے کھیلنے کا ہوں؟''

''آپ نے وہ سامان میرے گھر کیوں بھیجا؟'' وہ دبی دبی آواز میں چیخی۔ ''کیا مل گیا آپ کو یوں اپنی دولت کی نمائش کر کے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں زبردستی ایک انگوٹھی پہنا دینے سے آپ میرا وجود اپنے نام لکھوا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، میں تھوکتی ہوں آپ کی دولت پر۔'' ہاتھ میں تھامی انگوٹھی اس نے عالم شاہ کے سامنے دھری شیشے کی میز پر پھینکی۔

''میری منگنی ہو چکی ہے اور میں کسی اور کی امانت ہوں سید عالم شاہ، آپ میری قیمت لگانے کا کوئی اختیار، کوئی حق نہیں رکھتے۔''

وہ اسی طرح بیٹھا ایک ٹک اسے دیکھتا رہا یوں جیسے اس کے آگے کوئی ایسا تماشا ہو رہا ہوں جسے نہ تو وہ پسند کر رہا ہو اور نہ ہی ناپسند، بس دیکھ رہا ہو۔

''آپ کا باقی سامان بھی جلد ہی پہنچتا ہوگا اور برائے مہربانی اب میرا پیچھا مت کیجیے گا میں ایک شریف، عزت دار لڑکی ہوں، اس طرح کھیلنے کو آپ کو کئی اور چیزیں یقیناً دستیاب ہو سکتی ہوں گی۔'' وہ واپس جانے کو مڑی۔

''سنو'' عقب میں وہ کھڑا ہو گیا ہے۔ ''صرف اپنی کہو گی سنو گی کچھ نہیں۔''

''کہیے؟'' وہ مڑی نہیں اسی طرح اس کی جانب پشت کیے کیے بولی۔

مضبوط قدم رکھتا وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''غور سے دیکھو مجھے، سر سے پاؤں تک، پھر اس گھر کو دیکھو، ایک ایک چیز پر غور کرو اور پھر بتاؤ مجھے کہ کمی کہاں ہے؟ تمہارے انکار اور اس رویے کی وجہ کہاں پیدا ہوتی ہے، میں وہ وجہ تو مٹا سکتا ہوں روشنی، لیکن تمہارے حصول کی خواہش نہیں اور اب یہ خواہش بھی کہاں رہی ہے جنون بن گئی ہے۔''

''میں نے کب آپ کی ذات میں نقص نکالا ہے یا آپ کی زر و دولت کو اپنی طمع کے ترازو میں تول کر کم پایا ہے ایسی تو کوئی بھی بات نہیں، بات تو صرف اتنی سی ہے کہ میں آپ کے لیے نہیں ہوں اور یہ بات میں خود کہہ رہی ہوں۔ دل کی گہرائیوں سے، کیا یہ بات آپ کو سمجھانے کے لیے کافی نہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' اس کے لہجے میں سفاکی در آئی۔

''میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ اگر کسی دوسرے کے جیون میں اجالے بکھیرنے کی تمنا ہے بھی تو اسے دل سے نکال پھینکو۔''

''آپ خود کیوں میری تمنا اپنے دل سے نہیں نکال دیتے۔'' وہ ایک بار پھر چیخ کر الجھ کر بولی۔

''سیدی عالم شاہ صاحب دل مندر ہوتا ہے سرائے نہیں، اس مندر پر کوئی ایک شخص جلوہ گر ہوتا ہے صرف ایک دفعہ، اور پھر اس کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا ہے۔''

''تم مجھے اس لفاظی سے قائل نہیں کر سکتیں۔'' اس نے پیر زور سے مارا اور پلٹ کر چند قدم دور چلا گیا۔

''تم، تم جانتی نہیں ہو کہ عالم شاہ نے کیا مقام دیا ہے تمہیں، تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو مٹ چکا ہوتا اس کا وجود، یوں میرے سامنے زبان کھینچ لیتا، میں اس کی، اور تم۔''

وہ پلٹ کر دوبارہ اس تک آیا ''تم ٹھکرا رہی ہو، اس نعمت کو؟ کبھی غور کیا ہے اپنے دو کمروں کے اس بوسیدہ مکان پر جسے مکان کہنا اور اس میں رہنا تمہاری توہین ہے، میں تمہیں یہاں لانا چاہتا ہوں، یہاں، اس محل میں، اور تم انکار کر رہی ہو۔''

''مجھے آپ سے اور آپ کے اس محل سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' اپنی تحقیر پر وہ سن ہو کر سرد لہجے میں بولی تھی۔

''آپ کو آپ کا یہ عظیم الشان گھر مبارک ہو میرے لیے دو تو کیا ایک کمرے کا مکان بھی کافی ہے، اگر میں اس میں اپنے من پسند لوگوں کے ساتھ زندگی گزاروں تو۔''

''بس۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا ''بہت ہو چکا، بہت ہو چکا، میں صرف ایک بار فیصلہ کرتا ہوں بار بار نہیں، زندگی میں، بہت پہلے تصور میں ایک تصویر بنائی تھی اور فیصلہ کیا تھا کہ زندگی میں کبھی بھی، کہیں بھی وہ تصویر پائی تو اسی کو اپناؤں گا، ورنہ ساری عمر اسی طرح گزار دوں گا اکیلے، تنہا اب وہ تصویر میں نے پالی ہے، تو اسے وہیں سجا ہوگا، جہاں میں چاہوں گا، ورنہ سارے رنگ بکھر جائیں گے۔'' اس کے لہجے کی تہہ میں سرد مہری تھی، دھمکی تھی۔

''میں......صرف......اپنے منگیتر سے شادی کروں گی، صرف اسی کے دل اور گھر میں سجوں گی۔ سمجھے آپ۔'' اس نے ایک ایک لفظ رک رک کر ادا کیا اور آگے بڑھی۔

''سنو روشنی بی بی، اگر کچھ غیر متوقع ہو تو پلٹ کر یہیں آ جانا، تمہارے تمام راستے اب یہیں تک آئیں گے۔'' پیچھے سے وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا تھا اس کے بڑھتے قدم ایک بار پھر تھم گئے۔

''اور ہاں، اب میں تمہارے در پر نہیں آؤں گا، تم سے کچھ کہوں گا بھی نہیں، جتنا کہنا سننا تھا وہ سب کہہ سن لیا، لفظوں کو ضائع کرنا مجھے پسند نہیں اب اقرار کرنے آؤ گی تو تم۔''

''ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا اور باہر نکل گئی۔

سیڑھیوں سے لے کر روش اور روش سے گیٹ تک کا طویل فاصلہ اس نے محض ایک سانس میں طے کیا۔ گیٹ پر متعین چوکیدار کو شاید اندر سے آرڈر آیا تھا اس نے لپک کر گیٹ کھول دیا۔

وہ گیٹ سے نکل کر باہر آئی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ بس سوزوکی والے کو وہ گھر کا پتا لکھوا کر آئی تھی وہ سامان سمیت حیران و پریشان کھڑا تھا۔

''بی بی جی شکر ہے آپ نکلیں تو کب سے کھڑا ہوں یہاں۔'' اس نے دہائی دی۔

''ہاں بھائی معاف کرنا۔'' اس نے چادر سے پسینہ صاف کیا اور مڑ کر کھڑکی کی بجائی۔

''جی۔'' رائفل بردار نے فوراً سر نکالا۔

''یہ تمہارے صاحب کا سامان آیا ہے اندر رکھوا لو۔''

''جی بہتر، میں پوچھتا ہوں شاہ صاحب سے۔'' کھڑکی بند ہوئی۔

''سنو بھائی۔'' وہ سوزوکی والے کی طرف مڑی ''یہ لوگ سامان لینے سے انکار کریں تو تم لے جانا بھلا ہو جائے گا تمہارا۔''

کھٹ کھٹ کرتی وہ آگے بڑھ گئی۔ سوزوکی والا حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ ایسا آرڈر اسے زندگی میں پہلی بار ملا تھا۔

مہ جبیں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''ضوفی تو اتنی بہادر کب سے ہوگئی۔''

''آپا ہر شخص ایک خاص حد تک بزدل ہوتا ہے اس کے بعد بہادری کی حد خود بخود شروع ہو جاتی ہے، صرف بزدلی اور بہادری کی ہی بات نہیں بلکہ ہر دو متضاد جذبے اسی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔''

وہ بڑی گہری سوچ سے واپس آ کر بولی تھی۔

''اگر وہ پکڑ کر قید کر لیتے تجھے، اتنا سا خوف بھی نہ آیا دل میں کہ تیرے پیچھے ہمارا کیا حال ہو جاتا، کم از کم مجھے ہی بتا کر جاتی۔'' مہ جبیں نے جھرجھری لی ''مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ تم نے یہ کام کیا ہے، شیر کی کچھار میں آنکھیں بند کر کے چلے جانا، بہادری نہیں حماقت ہوتی ہے سمجھیں تم؟ مجھے تو اتنا غصہ آ رہا ہے کہ جی چاہتا ہے اماں کو بتا دوں۔''

''پلیز آپی۔'' اس نے ملتجیانہ انداز میں کہا ''اور پھر یہ سب کچھ تو کرنا ہی تھا ناں، میں نہ سہی کوئی اور جاتا کسی اور کے جانے سے کیا شیر کی کچھار بدل جاتی بلکہ ہو سکتا ہے الٹا نقصان ہو جاتا۔''

''اماں سے سامان کی بابت کیا کہو گی۔''

''وہی جو سچ ہے کہوں گی سوزوکی میں رکھ کر سوزوکی والے کو پتا بتا دیا تھا چھوڑ آیا وہ خود۔''

''اچھا، جیسے تمہاری مرضی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ویسے کیا کہا اس نے؟''

''خود کو رستم زمان سمجھتا ہے، بڑا غرور ہے اپنی وجاہت کا، دولت کا، طاقت کا نشہ چڑھا ہوا ہے۔ کہنے لگا غور سے دیکھو مجھے اور میرے گھر کو اور پھر بتاؤ تمہارے انکار کی وجہ کہاں ہے؟''

''پھر......؟''

''پھر کیا؟ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں آپ میں اور آپ کے گھر میں رتی برابر دلچسپی نہیں رکھتی۔ یہ شان، یہ نمائش کسی اور کو دکھائیں، جو دیکھنا پسند بھی کرے۔''

''اچھا'' مہ جبیں ڈر گئی ''غصہ نہیں آیا اسے؟''

''ہاں آیا تو تھا۔'' وہ سوچ کر بولی ''لیکن کچھ کہا نہیں اس نے، بس اتنا بولا کہ اب میں تمہارے در پر کوئی درخواست لے کر نہیں آؤں گا۔''

''شکر ہے خدا کا۔'' مہ جبیں نے گہرا سانس لیا۔

''اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑ دیا اس نے، ورنہ اماں تو کہہ رہی تھیں کہ ایسے لوگ کالے ناگ کی طرح ہوتے ہیں پیچھا لے لیں تو چھوڑتے نہیں۔''

''بس اب انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اطمینان سے بولی ''اسے تو پکا یقین ہے کہ میں اس کی وجاہت اور دولت سے متاثر ہو کر ایک دن ضرور اس کی جانب پلٹوں گی۔ بس اسی یقین میں عمر گزر جائے گی اس کی۔''

دونوں بہنیں ہنس دیں۔

✿......✿......✿

بڑے دن بعد وہ آیا تھا۔ بلیک جینز کے ساتھ اسکائی بلیو شرٹ پہنے بڑا تر و تازہ اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔

ضوفشاں صحن میں سے گزرتے گزرتے رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہیلو کزن۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔

ضوفشاں کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیرگئی اس کو دیکھ کر دل اطمینان اور سکون کے جذبات سے لبالب بھر جایا کرتا تھا۔

''نظر لگاؤ گی۔؟'' اماں کی موجودگی کے باوجود معصومیت سے پوچھنے لگا۔

وہ جھینپ کر آگے بڑھ گئی......

''چائے چاہیے۔'' پیچھے سے وہ زور سے بولا تھا۔

وہ کچن میں آکر چائے بنانے لگی۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں ہی وہ دروازے پر موجود ہوگا اور اس کا یقین درست نکلا۔

''کیا بات ہے بڑی خاموش خاموش ہو۔'' حسب معمول دونوں ہاتھ دروازے کے دونوں جانب جمائے وہ کھڑا تھا۔

''اتنے دن بعد آئے ہو۔'' وہ شکوے کرنے کی عادی تو نہ تھی پھر بھی نجانے کیوں اس کے لبوں سے فقرہ پھسل گیا۔ شاید اس لیے کہ پچھلے کافی دنوں سے وہ بڑی پریشان اور الجھی ہوئی تھی۔ ایسے میں انسان نہ چاہتے ہوئے بھی شکایت کر بیٹھتا ہے۔

''اوہو'' اسے شدید حیرت ہوئی۔ ''یہ آپ فرما رہی ہیں۔''

بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں
دل کی بربادی کے آثار نظر آتے ہیں

وہ ہنس پڑی۔

''میں تو خود اسی لیے نہیں آرہا تھا کہ ملکہ عالیہ کو روز روز آنا ناگوار گزرتا ہے، مجھے کیا علم تھا کہ یہاں کوئی دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے ہے۔''

''اف۔'' اس نے لب دانتوں میں دبالیا، ''اسٹارٹ لے لیا آپ کی خوش فہمیوں نے؟''

''ارے یہ خوش فہمیاں تو مزید مستحکم ہوگئی ہیں محترمہ اور اس استحکام میں آپ کی ذرہ نوازیوں کا پورا پورا ہاتھ ہے......''

''وہ کیسے؟''

''وہ اس دن بھلا کیا کہہ رہی تھیں تم؟......'' وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے پوچھنے لگا۔

اردو ادب کے مشہور افسانے

کتاب **اردو ادب کے مشہور افسانے** بھی کتاب گھر پر دستیاب ہے جس میں درج ذیل افسانے شامل ہیں۔ (آخری آدمی، پسماندگان، انتظار حسین)؛ (آپا، ممتاز مفتی)؛ (آنندی، غلام عباس)؛ (اپنے دُکھ مجھے دے دو، وہ بڈھا، راجندر سنگھ بیدی)؛ (بلاؤز، کالی شلوار، سعادت حسن منٹو)؛ (عیدگاہ، کفن، شکوہ شکایت، منشی پریم چند)؛ (گڈریا، اشفاق احمد)؛ (توبہ شکن، بانو قدسیہ)، (گنڈاسا، احمد ندیم قاسمی)؛ (حرام جادی، محمد حسن عسکری)؛ (جینی، شفیق الرحمن)؛ (لحاف، عصمت چغتائی)؛ (لوہے کا کمر بند، رام لعل)؛ (ماں جی، قدرت اللہ شہاب)؛ (مٹی کی مونا لیزا، اے۔حمید)؛ (اوورکوٹ، غلام عباس)؛ (مہا لکشمی کا پُل، کرشن چندر)؛ (ٹیلی گرام، جوگندر پال)؛ (تیسرا آدمی، شوکت صدیقی) اور (ستاروں سے آگے، قراۃ العین حیدر)۔

یہ کتاب **افسانے** سیکشن میں پڑھی جاسکتی ہے۔

''کیا؟......''

''یہی کہ میری قربت ہی تمہاری اصل مسرت ہے اور یہ کہ میرے دور جانے سے......''

''آذر......'' اس نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی اور منہ پھیر لیا۔

''کیوں، اب منہ کیوں چھپاتی ہو؟ اپنے ہی الفاظ سے شرماتے تو میں نے پہلی بار کسی کو دیکھا ہے......''

''تم جاتے ہو یہاں سے یا اماں کو بتاؤں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے دھمکایا۔

''جاتا ہوں بھئی۔'' اس نے سہمنے کی اداکاری کی...... ''میری چائے تو دے دو۔''

چائے بن چکی تھی۔ اس نے کپ اس کو تھما دیا۔

''جا رہے ہیں ہم۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''جایئے۔'' وہ مسکرائی۔

''اب کبھی نہیں آئیں گے ہاں۔'' وہ آگے بڑھ گیا۔

''آذر!'' اس کا دل دہل کر رہ گیا۔

''پہلے ہی نجانے کیوں اس کا دل کہیں اندر ہی اندر ڈوبا ہوا تھا آذر کے ذرا سے مذاق پر چند لمحوں کو رک سا گیا۔

''خدا نہ کرے'' اس نے بڑبڑا کر کہا۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں......

کام سے فارغ ہو کر وہ نکلی تو دیکھا وہ مہ جبیں سے محو گفتگو تھا ضوفشاں کا دل ان دونوں کو یوں سنجیدگی سے باتیں کرتے دیکھ کر سہم گیا۔

''کہیں آپا نے اسے عالم شاہ کے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا'' وہ پریشانی سے سوچنے لگی۔

''یہ ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں چہرے پر؟'' وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''نن......نہیں تو'' وہ چہرہ دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بیٹھ گئی ''آپ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟''

''یہ مہ جبیں باجی پٹیاں پڑھا رہی ہیں مجھے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''کیسی پٹیاں؟......''

''کہتی ہیں اس بے وقوف کے آنسوؤں پر مت جاؤ اور قسمت سے ملنے والا اتنا اچھا موقع گنوانے کے بجائے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ واضح رہے وہ بے وقوف لڑکی تم ہو۔''

''پھر؟'' وہ بے نیازی سے پوچھنے لگی۔

''پھر'' اس نے سرد آہ بھری ''پھر کیا؟ ظاہر ہے میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، وہ لڑکی کتنی ہی بے وقوف سہی اس کی مسکراہٹیں مجھے عزیز ہیں۔''

''نہیں، اگر تم جانا چاہو تو بے شک چلے جاؤ'' اس کے سرد آہ بھرنے پر وہ غصے سے بولی۔

''اچھا، واقعی؟ واقعی روؤ گی تو نہیں؟''

''رونا یا مسکرانا تو میرا اپنا معاملہ ہے، تمہیں اس سے کیا'' وہ تنک گئی۔

''ارے'' وہ ہنس دیا ''یہ یکا یک لڑنے جھگڑنے پر کیوں اتر آئیں خیریت تو ہے؟''

''وہ چپ چاپ بیٹھی پاؤں کے ناخن دیکھتی رہی عجیب سی حالت ہو رہی تھی اس سے مل کر خوشی بھی ہو رہی تھی۔ اس پر بگڑنے کا، لڑنے کا دل بھی چاہ رہا تھا پتا نہیں اسے کیا ہو رہا تھا۔

''آذر، یہ عالم شاہ کون ہے؟'' مہ جبیں نے اچانک پوچھ لیا۔

''ضوفشاں نے گھبرا کر اسے دیکھا نظروں ہی نظروں میں سرزنش کی۔ لیکن وہ بے نیاز بن گئی۔

''عالم شاہ کون؟'' وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔

''سید عالم شاہ، میں بھی جانتی تو نہیں بس نام سنا ہے پتا نہیں کون ذکر کر رہا تھا۔''

''سید عالم شاہ'' وہ سوچنے لگا ''نام تو جانا پہچانا سا ہے غالباً یہ سید فرمان شاہ کے بیٹے کا نام ہے۔''

''وہ کون صاحب ہیں؟''

''ہیں نہیں تھے، بڑی قد آور شخصیت تھی جناب کی، سیاست وغیرہ میں ملوث رہے تھے اسی لیے مشہور بھی ہوئے کافی، اب تو انہیں وفات پائے بھی تقریباً دو تین سال ہو گئے ہیں ان کا بیٹا مشہور ہو رہا ہے بڑے حلقوں میں غالباً شاہ ہی ہے اس کا نام، آپ نے کہاں سن لیا اس کے بارے میں؟''

''پتا نہیں کون ذکر کر رہا تھا'' وہ لاتعلقی سے کندھے اچکا کر بولی۔ ''ویسے بڑا با اثر ہوگا ہے ناں؟''

''ظاہر ہے۔'' وہ ہنس دیا ''ایسے لوگ بھی با اثر نہیں ہوئے تو کیا ہم اور آپ جیسے ہوں گے، اس کے با اثر ہونے کو تو اس کے باپ کا نام ہی کافی ہے۔''

''یہ کیا فضول قسم کی باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔'' ضوفشاں جو خاموشی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی، جھنجلا کر بول پڑی ''کرنے کو کوئی اور بات نہیں رہ گئی کیا۔''

''اسے کیا ہوا ہے؟'' وہ حیرانی سے پوچھنے لگا ''ذرا ذرا سی بات پر بلی کی طرح جھپٹتی ہے۔''

''ہاں کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے اسے۔'' مہ جبیں نے اسے دیکھا۔ ''تم فکر مت کرو، خود ٹھیک ہو جائے گی۔''

''ویسے تو میں بھی کافی عرصے سے جانتا ہوں اسے۔'' وہ بدستور حیران تھا ''میں نے تو یہ دورہ پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔''

''کیا ہے آذر'' وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''تم تو پیچھے پڑ جاتے ہو ہر بات کے۔''

''تم لوگ بیٹھو میں کھانا نکالتی ہوں۔'' مہ جبیں اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

''اجالا'' وہ اس کی جانب پورے حواسوں کے ساتھ متوجہ ہوا ''کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ نظریں چرا گئی۔

کتنا مشکل تھا اس سے جھوٹ بولنا، جنہیں دلوں میں بسا کر خاموش پرستش کی جائے انہیں معمولی سا دھوکا دینا بھی کتنا اذیت بخشتا ہے، اسے اندازہ ہوا۔

''اجالا'' اس کے لہجے میں دکھ در آیا ''مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو؟ مجھ سے۔''

''کون سا جھوٹ؟'' اس نے حیرانی کی ایکٹنگ کی۔ ''کیا کہہ رہے ہو، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم پریشان ہو، بے حد پریشان۔'' وہ اس کی آنکھوں میں ایک ٹک دیکھتا ہو بولا ''کوئی بات ہے جو تمہارے اعصاب پر اس بری طرح سے سوار ہے کہ تمہیں خود اپنی حرکات کا اندازہ نہیں ہو رہا ہے، اس بری طرح سے الجھا ہوا میں نے تمہیں کبھی بھی نہیں دیکھا۔ اور...... وہ بات تم مجھ سے بھی چھپا رہی ہو، حیرت ہو رہی ہے مجھے۔''

''معلوم نہیں آذر تم کیا سمجھ رہے ہو۔'' وہ اضطراری طور پر انگلیاں چٹخانے لگی ''میرے ساتھ اگر کوئی مسئلہ ہوتا تو کیا میں چھپاتی تم سے، اور پھر بھلا کیا بات ہو سکتی ہے تم خود سوچو۔''

''معلوم نہیں۔'' آہستگی سے بولا اور خاموش ہو گیا۔

صاف ظاہر تھا کہ اسے ضوفشاں کی بات کا اعتبار نہیں تھا وہ محض اس کے نروس ہونے پر چپ ہو گیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

✿......✿......✿

کئی دن بڑی خاموشی سے چپ چاپ گزر گئے زندگی معمول پر آ گئی، مہ جبیں اور اماں بظاہر بڑی مطمئن ہو گئی تھیں، جیسے جو کچھ پیش آیا تھا وہ محض ایک معمولی سا ناگوار واقعہ تھا اور وہ واقعہ چند ہی دنوں میں ذہنوں سے اتار پھینکنے میں وہ دونوں کامیاب ہو گئی تھیں۔

اس کی حالت البتہ بڑی مختلف تھی۔ وہ چپ تھی۔ خاموش تھی، بظاہر مطمئن بھی تھی اور خود میں مگن لگتی تھی، لیکن اندر سے وہ کتنی الجھی ہوئی تھی، کتنی پریشان، کتنی ناآسودہ تھی، یہ وہی جانتی تھی۔

سید عالم شاہ کے گھر سے نکل کر اسے یوں لگا تھا جیسے زندگی کا وہ چھوٹا سا مگر اہم اور کافی ناخوشگوار باب وہ ہمیشہ کے لیے بند کر آئی ہے، اس نے خود کو تسلیاں بھی دی تھیں اور مطمئن بھی ہوئی تھی۔ مگر محض ایک قلیل عرصے کے لیے اچانک ہی اس کا دل ایک نئے سرے سے بے چین ہوا تھا۔ ایک دبا دبا لاشعوری خوف یکدم شعوری سطح پر ابھر کر چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ اس کے اندر طوفان برپا ہو گئے تھے۔ چھناکے سے ہوتے رہتے تھے جیسے کچھ ٹوٹا ہو لیکن ہاتھوں سے پھسل گیا ہو۔ زمین سے ٹکرانے والا ہو اور شعور پہلے سے اس کے گرنے کی، ٹوٹ کر بکھرنے کی صدا سن لے۔ اسے لگتا تھا کہ کچھ ہوا تو نہیں ہے لیکن ہونے والا ہو، اس کی زندگی کی آسودگی اور خوشیاں بکھرنے والی ہوں، فضا میں تحلیل ہونے لگی ہوں، وہ سہمی ہوئی تھی، ڈری ہوئی تھی لیکن خود پر قابو رکھتی تھی۔ اتنی پریشانیاں دوسروں میں تقسیم کرنے کے ہنر سے وہ قطعاً واقف نہ تھی۔ نہ ہی ہونا چاہتی تھی، سو مہ جبیں کی طرح وہ آسودہ بھی نظر آتی تھی اور اماں کی طرح مطمئن اور بے نیاز تھی۔

اماں نے اسے یونیورسٹی جانے سے قطعاً منع کر دیا تھا۔ افسوس تو اسے بے حد ہوا تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ اس کے حق میں کتنا بہتر تھا، اپنی عزت اسے ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھی۔

اس دن وہ صبح ہی کپڑے اکٹھے کر کے دھونے بیٹھ گئی تھی۔ دو تین دن کے بعد آسمان پر سے بادل غائب ہوئے تھے اور سورج چمک رہا تھا سو اس نے انگریزی کے محاورے کے مطابق سورج کے چمکنے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کپڑے دھونا مناسب جانا۔

جس وقت دروازے کی بیل بجی، مہ جبیں، باورچی خانے میں روٹی پکا رہی تھی اور اماں ظہر کی نماز کی نیت باندھے ہوئے تھیں۔ ضوفشاں نے ہاتھ بالٹی میں کھنگالے اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

''ارے عاصم بھائی آپ۔'' اسے دروازے پر کھڑے عاصم کو دیکھ کر جا بجا طور پر حیرت ہوئی کہ وہ ان کے گھر بے حد کم آتے تھے۔ اور پھر یوں بے وقت،

''واپس چلا جاؤں۔'' وہ مسکرائے لیکن بڑی عجیب طرح سے۔

''ارے نہیں نہیں اندر آئیں ناں'' انہیں ساتھ لیے وہ اندر آ گئی۔

''آپ بیٹھیں، میں آتی ہوں اماں نماز پڑھ رہی ہیں بس پڑھ چکی ہوں گی۔''

''وہ یہ غور کیے بغیر کہ وہ کتنے پریشان اور الجھے ہوئے لگ رہے تھے فٹافٹ کچن میں چلی آئی۔

''آپا ذرا بتاؤ تو کون آیا ہے۔''

''کون؟ آذر ہوگا۔'' اس نے روٹی سینکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

''اوں ہوں۔'' اس نے شرارت سے نفی میں سر ہلایا ''غلط لیکن صحیح سے قریب قریب'' مہ جبیں یکایک سمجھ گئی۔

''وہ آئے ہیں۔'' وہ شرمیلے پن سے بولی ''کیوں؟''

''وہ، ہی آئے ہیں اور آنے کا مقصد فی الحال واضح نہیں۔'' وہ ہنسی ''آپ فٹافٹ کھانا تیار کریں، اور ہاں پہلے شربت بنا لیں، میں تب تک

ان کے پاس بیٹھتی ہوں، اکیلے بیٹھے ہیں'' وہ واپس کمرے میں چلی آئی۔

''جی جناب۔'' اس کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ بولی ''اب سنائیں کیسے مزاج ہیں''

''ٹھیک ہی ہیں۔'' انہوں نے ہتھیلیاں رگڑیں ''ضوفی آذر آیا تھا کیا؟''

''کل، پرسوں، نہیں۔'' وہ سوچتے ہوئی بولی۔

''آج تو بدھ ہے ناں وہ ہفتے کے دن آیا تھا، خیریت؟ کوئی خاص بات ہے کیا؟۔''

''ہفتے کے دن آیا تھا۔'' انہوں نے اس کا سوال نظر انداز کیا ''کچھ کہہ رہا تھا کیا؟ کہیں جانے کے بارے میں؟''

''کہیں جانے کے بارے میں؟'' وہ الجھ کر رہ گئی۔

''کہیں چلا گیا ہے کیا؟ کہاں گیا ہے، بتا کر نہیں گیا کیا؟''

پے در پے اس نے کئی سوالات کر ڈالے۔

''کون گیا ہے؟ کہاں گیا ہے۔''

اندر آتی اماں اس کے انداز سے سمجھ گئیں کہ مسئلہ گمبھیر ہے۔

''السلام علیکم۔'' عاصم کھڑے ہو گئے۔

''وعلیکم السلام، جیتے رہو بیٹھو بیٹا، کیا بات ہے تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے۔''

''وہ ممانی جان آذر۔''

''کیا ہوا آذر کو۔'' اماں بے طرح گھبرا گئیں۔

''وہ دو دن سے گھر نہیں آیا ہے۔''

''ضوفشاں کے اوپر ہزاروں سمندروں کا پانی پھر گیا۔ وہ جامد و ساکت بیٹھی رہ گئی۔

''گھر نہیں آیا۔'' اماں کو تعجب ہوا ''لیکن کیوں، کہاں گیا ہے؟''

''یہی تو علم نہیں، گھر سے کسی دوست کے ہاں جانے کا کہہ کر نکلا تھا رات کو نہیں لوٹا تو ہم لوگ سمجھے کہ دوست نے روک لیا ہوگا، عموماً وہ یونہی کرتا ہے لیکن وہ دوسرا دن بھی گزر گیا اور پھر رات بھی، میں آج صبح سے اس کا پتا کر رہا ہوں، ہر دوست سے پوچھ لیا وہ کسی کے گھر نہیں گیا تھا۔ ہر اس جگہ جہاں اس کے ملنے کی امید تھی، میں ہو آیا ہوں خدا نے وہ کہاں رہ گیا۔''

''وہ اضطراب میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''خدا خیر کرے۔'' اماں نے دل تھام لیا ''اپنے حفظ و امان میں رکھے، میرے بچے کو، کہاں رہ گیا ضوفی بیٹی، ذرا پانی لا دے مجھے۔''

وہ کسی بت کی طرح ساکت تھی، روبوٹ کی طرح اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

''ضوفی۔'' کچن سے نکلتی مہ جبیں نے اس کا سفید چہرہ دیکھا اور رک گئی ''خیریت تو ہے؟''

''جی۔'' وہ زیر لب بولی ''آذر''

''کیا ہوا آذر کو؟۔''

''خدا نہ کرے اسے کچھ ہو۔'' وہ شدید کرب کے عالم میں بولی تھی ''بس وہ دو دن سے گھر نہیں لوٹا۔''

''دو دن سے گھر نہیں لوٹا؟ کیوں؟ کسی سے لڑائی ہو گئی کیا اس کی؟۔''

''نہیں تو۔'' اس نے نفی میں سر ہلا کر لب کاٹے۔ ''وہ کب لڑتا ہے کسی سے۔''

پانی لے کر وہ لوٹی تو اماں کو صوفے پر نیم دراز پایا ان کا بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا۔

''ضوفی تم ممانی کا خیال رکھو نمک ملا پانی دو۔'' عاصم نے اسے ہدایات دیں ''میں چلتا ہوں۔''

''کہاں جارہے ہیں عاصم بھائی؟'' اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''میں۔'' وہ تذبذب سے رک کر بولے ''ہاسپٹل شعبہ حادثات''

پانی کا گلاس اس کے ہاتھوں سے نکل کر زمین سے ٹکرایا اور ایک چھناکے کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو گیا لیکن یہ آواز تو وہ بہت پہلے سن چکی تھی۔

دوپہر ڈھل گئی، جلاتی سلگاتی، ہزاروں وسوسے دل میں جگاتی شام اتری تو اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''ضوفشاں، مہ جبیں، بیٹا میری چادر لے آؤ۔'' وہ چارپائی سے اترتے ہوئے بولیں۔

ضوفشاں برآمدے کی دیوار سے ٹیک لگائے ایک ٹک سیدھ میں دیکھ رہی تھی، اماں کی آواز پر اس نے خالی خالی نظروں سے ان کی جانب دیکھا اور ایک سرد آہ بھر کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اماں۔'' مہ جبیں نے فکر مندی سے کہا۔

''ٹھیک ہے میری طبیعت، میرا بچہ ساتھ خیریت سے گھر لوٹ آئے تو شکرانے کے نفل پڑھوں گی نجانے کہاں رہ گیا، ایسا کبھی کیا تو نہیں پہلے اس نے، ارے ضوفی بیٹی چادر لا دے میری۔''

''کہاں جارہی ہیں اماں؟'' اس نے لب کاٹے۔

''کہاں جارہی ہوں؟'' انہیں تعجب ہوا ''ارے تیری پھوپھی کے ہاں اور کہاں، دوپہر سے تو میرے ہاتھ پیروں میں دم رہا نہیں تھا جو اٹھتی بیٹھتی اب ذرا دل ٹھہرا ہے تو جا کر خیر خبر تو لاؤں، تیری پھوپھی کا جانے کیا حال ہوگا، خدا کرے بچہ ساتھ خیریت کے لوٹ آیا ہو۔''

ضوفشاں کا دل ایک بار پھر تیز تیز دھڑکنے لگا۔ آذر کے متعلق یہ باتیں اس کا دم گھونٹ رہی تھیں جان کھینچ رہی تھیں۔

''میں بھی چلوں گی اماں۔'' اس نے آنسو پیتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''اماں میں بھی۔'' مہ جبیں نے بھی کہا، جب سے اس کی منگنی عاصم کے ساتھ طے پائی تھی وہ پھوپھی اماں کے گھر نہیں جاتی تھی عاصم سے بھی پردہ کیا کرتی تھی، لیکن فی الوقت معاملے کی نوعیت سراسر مختلف تھی۔

اماں نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور خاموش ہو رہیں۔

دروازے پر تالا ڈال کر انہوں نے برابر والی خالہ کو ابا کے لیے میسج دے دیا کہ وہ بھی پھوپھی اماں کے گھر پہنچ جائیں۔

گھر تک پہنچتے پہنچتے ضوفشاں کے اندر کتنے ہی موسم تبدیل ہوئے تھے کبھی خیال آتا کہ وہ لوٹ آیا ہوگا اور صحن میں بیٹھا چائے کے ساتھ ساتھ پھوپھی اماں کی جھڑکیاں اور سخت سست سن رہا ہوگا۔ اور ہنستا جاتا ہوگا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس کے اندر پھول کھل جاتے سکون و اطمینان کی لہریں موجزن ہو جاتیں۔ پھر اچانک ہی خیال کا دوسرا رخ ابھرتا اور اس کا دل سہم جاتا۔ آنکھیں بھر آتیں، اگر وہ کہیں بھی نہ ملا ہو تو، پھر اس کے اندر ایک شور برپا ہو جاتا۔ طوفان مچ جاتے۔ سائیں سائیں کا شور ہر سوچ، ہر آواز کو دبا دیتا۔

تمام راستہ وہ اسی کیفیت سے گزرتی رہی۔ اماں اور مہ جبیں دونوں خاموش تھیں مہ جبیں کا چہرہ بھی غمازی کر رہا تھا کہ وہ بھی ضوفشاں کی ہی کیفیت سے دوچار ہے۔ البتہ اماں کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا، ان کے لب وقفے وقفے سے ہلتے تھے۔

پھوپھی اماں کے گھر کی بیل بجاتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے۔ دروازہ پھوپھا نے کھولا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ اور مہ جبیں ایک ساتھ بولی تھیں۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو'' ان کے لب محض ہولے سے ہلے، کپکپاتا ہاتھ انہوں نے باری باری دونوں کے سروں پر دھرا، ان کے چہرے سے ان سب کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اب تک نہ لوٹا تھا۔

''پھوپھی اماں۔'' سب سے پہلے ضوفشاں ان سے لپٹ گئی، ''کیوں نہیں لوٹا وہ اب تک'' اس کی آواز میں لرزش اور نمی تھی۔

''دعا کرو بیٹی۔'' انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی دلاسا دیا ''میرا بیٹا جہاں کہیں ہو خیریت سے ہو۔''

''عاصم چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے تھے ان کے چہرے پر تفکرات کا جال تنا ہوا تھا۔ لب بھینچے ہوئے تھے۔

''عاصم بھائی۔'' وہ ان سے مخاطب ہوئی۔

''کچھ پتا نہیں چلا صوفی۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''ہر جگہ، ہر جگہ چھان ماری میں نے۔'' اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

''سب چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی جس سے سب گزر رہے تھے انتظار کا کرب تھا۔ امید کی کرنیں بھی تھیں وسوسوں کے سائے بھی تھے۔

''تھوڑی ہی دیر میں ابا بھی چلے آئے انہیں سرے سے کسی بات کا علم نہ تھا۔ گفتگو نئے سرے سے شروع ہوئی تو وہ مزید کرب سے بچنے کے لیے اوپر چلی آئی۔

اس کا کمرا ویسا ہی تھا، ہمیشہ کی طرح صاف ستھرا اور سادہ، کتابیں میز پر جمی ہوئی تھیں۔ کونے میں بچھے پلنگ کی چادر بے شکن تھی۔ دیوار پر لگی کھونٹی پر اس کے استری شدہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے ہر شے کو دیکھتے ہوئے، بے خیالی میں ہر شے کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے نجانے اسے کیا ہوا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آذر، آذر، کہاں چلے گئے تم کس آگ میں جھونک گئے ہو کیوں امتحان لینے پر تلے ہو، یہ امتحان تو بے حد جان لیوا ہے، لوٹ آؤ آذر۔''

اس کے بستر پر جھکی وہ مسلسل روتی رہی پھر اچانک اس نے سر اٹھایا اور تحیر سے سامنے کی دیوار کو گھورنے لگی۔ لیکن درحقیقت وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی۔ کسی اور جگہ پر تھی اور کچھ آواز اس کے کانوں میں سیسے کی طرح اتر رہی تھیں۔

''سنو روشنی بی بی اگر کچھ غیر متوقع ہو تو یہیں لوٹ آنا تمہارے تمام راستے اب یہیں آئیں گے۔''

''وہ تصویر میں نے پالی ہے تو اسے وہیں سجا ہوگا جہاں میں چاہوں گا وگرنہ سارے رنگ بکھر جائیں گے۔''

''ہاں درست کہا تھا اس نے، تصویر کے رنگ بکھر رہے تھے، نمکین آنسوؤں کے ساتھ گھل گھل کر بہہ رہے تھے، تصویر بے رنگ ہو رہی تھی اجڑ رہی تھی۔

''تو...... کیا...... سید عالم شاہ نے۔''

''میکانکی انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

''ہاں، ایسا ہی ہے ایسا ہی ہوا ہے۔'' اس کے دل نے گواہی دی۔

تب اس پر ادراک ہوا کہ جن لفظوں سے وہ مطمئن ہو کر لوٹی تھی وہ درحقیقت اس کی زندگی کا سب سے بڑا اطمینان لوٹنے کے لیے ادا ہوئے تھے۔

وہ تو سمجھی تھی کہ اس کے الفاظ میں رہائی کا پروانہ تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ وہ زبان تو اسے عمر قید کا پیغام سنا رہی تھی۔

''سید عالم شاہ، تم اس درجے بھی گر سکتے ہو۔'' دیوار کو مسلسل گھورتے ہوئے، شدید حیرانی کے احساس تلے وہ صرف یہی سوچ رہی تھی۔

✿......✿......✿

ایک بار پھر وہ وہاں کھڑی تھی جہاں اس نے زندگی بھر دوبارہ قدم نہ رکھنے کا عہد کیا تھا۔ انسان کے نہایت عزم و استقامت سے تعمیر کیے گئے عہد بھی بسا اوقات کتنے بودے اور کھوکھلے ثابت ہوتے ہیں اس نے سوچا۔

سید عالم شاہ سیڑھیوں پر کسی مطلق العنان حکمران کی طرح کھڑا تھا۔ سرخ بوجھل آنکھوں میں تیرتے ڈورے اپنی طاقت کے احساس سے

دو آتشہ ہو رہے تھے، اس کے چہرے پر اپنی جیت کا احساس فتح کا خمار تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں۔'' ایک ایک سیڑھی اترتے ہوئے وہ بول رہا تھا ''کہ اب لوٹ کر آؤ گی تو تم''

''کاش کہ آپ اس وقت اپنے اوچھے ہتھکنڈوں کے بارے میں بھی بتا دیتے تا کہ میں بھی اپنے پلٹنے کی تصدیق کر سکتی۔''

اس کا لہجہ سرد سپاٹ تھا۔

''جنگ اور محبت میں ہر حربہ جائز ہوتا ہے'' وہ مسکرایا، پل بھر کو ''اصل حقیقت تو صرف فتح کی رہ جاتی ہے، اب کہو ہار مانتی ہو؟''

''وہ جیسے چند کڑوے گھونٹ نگل کر رہ گئی۔

''آذر کہاں ہے؟''

''جہاں اسے ہونا چاہیے جہاں تمہاری خواہش کرنے والے کسی بھی احمق کو ہونا چاہیے۔''

''اپنے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟''

''زبردست، اپنے بارے میں کچھ کہے یا نہ کہے، زبردست ہی رہتا ہے۔''

''میں نے پوچھا تھا آذر کہاں ہے۔''

''میرے ہی پاس ہے۔'' وہ بے نیازی سے بیٹھ گیا۔

''کیا قصور ہے اس کا؟'' وہ پھٹ پڑی۔

''کیا جرم ہوا ہے مجھ سے؟ کیا بگاڑا ہے آپ کا ہم لوگوں نے؟ آخر آپ ہماری خوشیوں کے دشمن کیوں بن گئے ہیں۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

''روتے ہوئے بھی اچھی لگتی ہو۔'' بڑی دیر بعد وہ بولا۔

وہ یکدم چپ ہو گئی۔ سرخ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اگر آذر کا بال بھی بیکا ہوا عالم شاہ صاحب تو میں قتل کر دوں گی آپ کو۔''

بہت محبت کرتی ہو اس سے؟'' وہ چیخ کر بولا تھا لہجے میں استفہام سے زیادہ حسد کے بھڑکتے ہوئے شعلے تھے۔

''ہاں، بے انتہا، بے اندازہ۔'' وہ چلائی۔

وہ بھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا، اس کا چہرا اس شدت سے سرخ ہوا کہ وہ سہم کر رہ گئی لبوں کو سختی سے بھینچے وہ اسے تھوڑی دیر گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کا بازو سختی سے جکڑ لیا، ضوفشاں کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔

''کہو روشنی۔'' اس نے اسے ایک جھٹکا دیا ''کہو کہ تم میری ہو، صرف میری، تم مجھ سے محبت کرو گی، اتنی ہی، اس سے زیادہ ہر حال میں چاہو گی مجھے، ہر موسم میں پرستش کرو گی میری بولو۔'' وہ چیخا۔

وہ زور زور سے رونے لگی۔

''خدا کے لیے رحم کرو، فرعون نہ بنو، یوں کر رہے ہو یہ ظلم۔''

دانت پیس کر اس نے ضوفشاں کا بازو چھوڑا اور پلٹ کر دور چلا گیا۔

''میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے پیر پڑتی ہوں، میرے آذر کو چھوڑ دو، وہ تو بہت معصوم ہے بے قصور ہے، اس کا کوئی جرم نہیں جس کی سزا تم اسے دے رہے ہو یقین کرو، بے تحاشا آنکھیں ہیں جو اس کے لیے آنسو بہا رہی ہیں، بے شمار دل ہیں جو اس کی، اس طرح گمشدگی سے فگار ہیں، کیوں اتنے دلوں کی بددعا لے رہے ہو سید عالم شاہ۔''

''ہاں یقین ہے مجھے۔'' وہ مڑ کر بولا تو اس کے لہجے میں تندی و تیزی نہ تھی عجیب حسرت تھی، شکستگی تھی۔

''یقین ہے مجھے کہ بے شمار آنکھیں ہوں گی جو اس کے لیے اشک بار ہوں گی کئی دل اس کی جدائی سے پریشان ہوں گے۔ روشنی' وہ اس کے قریب آ گیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان آنکھوں میں سے صرف یہ دو آنکھیں میری ہو جائیں ان کی ہنسی، ان کے آنسو میرے لیے وقف ہو جائیں، ایسا نہیں ہو سکتا روشنی کہ ان بے شمار دلوں میں سے صرف تمہارا دل مجھے مل جائے، میرے لیے دھڑکنے لگے۔ میری خاطر کھلے میرے خاطر مرجھائے، بولو، بولو؟'' اب اس کے لہجے میں التجائیں تھیں۔ تمنائیں تھیں۔

''نہیں عالم شاہ۔'' آنسو پونچھ کر وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی'' دل صرف ایک بار کسی ایک شخص کے لیے وقف ہوتا ہے پھر ہمیشہ اسی کا رہتا ہے آنکھوں کا رشتہ صرف ایک مرتبہ کسی سے جڑتا ہے پھر تمام آنسو، تمام مسکراہٹیں اسی شخص کی ہو جایا کرتی ہیں۔''

''اور وہ شخص مر جائے تو؟'' اس کی پوری بات سن کر اس نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

ضوفشاں کا دل پوری شدتوں سے دھڑکا، آنکھیں پھیل گئیں۔ ایک ٹک وہ اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں۔'' پھر اس کا سر نفی میں ہلنے لگا، ''نہیں عالم شاہ، نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے، تم ایسا نہیں کرو گے۔''

''اگر مجھے تمہارے کھو دینے کا ذرا سا بھی وہم ہوا، تو میں ایسا کر سکتا ہوں روشنی۔'' وہ بے حد اطمینان سے بولا۔

''کیسے شخص ہو تم۔'' آنکھیں میچ کر اس نے تمام آنسو گرا دیے'' صرف اپنی ذات سے محبت کرتے ہو؟ صرف اپنی خوشیوں کے لیے زندہ ہو۔''

''کون ہے میرا جس کی خوشیوں میں اپنی خوشیاں تلاش کروں؟''

''خود محروم ہونے کا مطلب دوسروں کے دامن اجاڑنا نہیں ہوتا عالم شاہ۔''

''میں ہر شے سے محروم ہونے کے لیے تیار ہوں سوائے تمہارے۔''

''تم یقین کرو اگر میں تمہاری بات مان بھی جاؤں تو اپنے دل پر مجھے یہ اختیار ہرگز نہ ہوگا کہ میں اسے تمہارے نام کر دوں تم ایک خالی، کھوکھلا وجود لے کر کیا کرو گے؟''

''اسے اپنی تمناؤں سے سجاؤں گا، اپنی محبتوں اور چاہتوں سے سینچوں گا روشنی عالم شاہ کو اتنا غلط مت سمجھو، میں تمہیں اس شخص سے زیادہ محبت دوں گا اتنا چاہوں گا تمہیں کہ تم دنیا کی ہر شے کو بھول جاؤ گی''

''محبتیں مشروط نہیں ہوا کرتیں۔''

''ضد مت کرو، ضد میں تمہارا اپنا نقصان ہے۔''

''کیا چاہتے ہو؟'' اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''تمہارا ساتھ، تمہاری رفاقت، ہر موسم میں ہر عالم میں۔''

''میں انکار کروں تو۔'' سہمے سہمے انداز میں اس نے پوچھا۔

''تو......تو انکار کی وجہ کو مٹا دوں گا۔''

اس کے لہجے میں سفاکیاں تھیں، مضبوطی تھی۔

''اف۔'' بے تحاشا چکراتے ہوئے سر کو اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''مجھے خدائی کا دعویٰ نہیں ہے روشنی۔'' اس کی حالت کو بغور دیکھتا ہوا وہ صوفے پر جا بیٹھا۔

''لیکن اتنا یاد رکھو، کہ فی الوقت میں ہی وہ شخص ہوں جو آخری فیصلے کا اختیار رکھتا ہوں ہاں البتہ میرا فیصلہ تمہارے فیصلے سے مشروط ہوگا، بے شک فی الحال تم لوٹ جاؤ جا کر اگر کہیں سے مدد مانگنا چاہو تو مانگ دیکھو، تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تمہارے لیے کون طلب گار ہے۔''

''وہ جانتی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ درست تھا۔ خدا کی ذات پر اسے مکمل بھروسا تھا لیکن اسے علم تھا کہ خدا اپنے بندوں کو آزمائشوں سے گذرتا ہے بھی سو وہ گزر رہی تھی۔ سید عالم شاہ کی طاقت کے متعلق اسے رتی برابر شک نہ تھا۔ وہ جانتی تھی ہ زمانہ ہمیشہ دولت اور طاقت کا ساتھ دیتا آیا ہے اور دیتا رہے گا۔ وہ سڑک پر کھڑی ہو کر پوری دنیا کو مخاطب کر کے چیخ چیخ کر بتائے بھی تو کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ اور عالم شاہ کو معتبر جانا جائے گا۔ بالفرض اس کی بات تسلیم کر بھی لی جائے تو کسی کو اتنی ہمت نہ ہوگی کہ وہ عالم شاہ کے مقابلے میں اس کی کمزور ہستی کا ساتھ دے۔

ایک ایک کر کے بے شمار چہرے اس کی نظروں میں سے گزرنے لگے۔ آذر کا چہرہ، پھوپھی جان کا چہرا، پھوپھا اور عاصم بھائی کے چہرے، عاصم بھائی سے وابستہ مہ جبیں، اماں، ابا، کتنے لوگ تھے، فی الوقت جن کی تمام خوشیوں کا دارومدار آذر کی واپسی پر تھا۔ کتنی نظریں اس کی منتظر تھیں۔ اور فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا اس کی زبان کی ایک جنبش میں پنہاں تھا۔

''لیکن آذر۔'' اس نے سوچا ''کیا وہ جی پائے گا'' اور اس کی زندگی میں وابستہ کئی زندگیاں تھیں وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی اور اس کے قدموں میں گر گئی۔ اس کا ماتھا عالم شاہ کے گھٹنے سے جا لگا۔

''اسے چھوڑ دو عالم شاہ اسے چھوڑ دو مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔'' سسکتے ہوئے اس نے کہا تھا، عالم شاہ کے لبوں پر بڑی آسودہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''ہاں کیوں نہیں، تمہیں پالینے کی خوشی اتنی خوبصورت ہے کہ میں اپنے رقیب کی زندگی بھی گوارا کر سکتا ہوں تم نے کتنا بدل دیا ہے عالم شاہ کو، عالم شاہ کو بھی وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہیں بدل دے گا، تمہارا دل بدل دے گا، تمہاری محبتوں کا مرکز بدل دے گا۔''

✿......✿......✿

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچایئے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجیے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

اسپتال کے کمرا نمبر آٹھ میں وہ سب جمع تھے پلنگ پر لیٹے آذر کے ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور اسے گلوکوز کی بوتل چڑھ رہی تھی۔

''آہ......'' وہ کراہا۔

''امی۔''

''ماں صدقے، میرے بیٹے۔'' پھوپھی اماں لپک کر اس تک پہنچیں ''بول''

''امی، اجالا۔''

''ہاں بیٹے اجالا ہی تو ہے، ساری بتیاں جلی ہوئی ہیں۔''

ضوفشاں خاموشی سے اٹھ کر اس تک جا پہنچی۔

''آذر'' مدھم سروں میں اس نے اسے پکارا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟''

''وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا ضوفشاں نے لب کاٹ کر امڈتے ہوئے آنسوؤں کو روکا اور نظریں چرالیں۔

''ضوفی۔''

''ہاں آذر کہو۔''

''کل کیوں نہیں آئی تھیں۔؟'' نحیف آواز میں اس نے پوچھا۔

''کل!'' وہ خاموش ہوگئی۔

وہ اسے کیسے بتاتی، کیسے بتاتی کہ کل کا سارا دن وہ اس محبت کا ماتم کر رہی تھی جسے ایک مدت سے وہ دونوں مل کر بڑے پیار سے پروان چڑھا رہے تھے، وہ کیسے بتاتی کہ کل وہ اپنی تمام تر ہمتوں کو مجتمع کرتی رہی تھی۔ خود کو سمجھاتی رہی تھی۔ اس قربانی کے لیے آمادہ کرتی رہی تھی جو وہ دینے کی حامی بھر چکی تھی۔ اور پھر اسے خود پر قابو بھی رکھنا تھا، خود کو منائے بھی رکھنا تھا۔ اس لیے کہ اپنے حصے کی آگ میں کسی اور کو جھلسانے کی وہ کبھی بھی قائل نہ رہی تھی۔ وہ دوسروں کی پریشانیاں بھی اپنے نام کروا لینے والے لوگوں میں سے تھی۔ بھلا خود پریشانیاں کیسی بانٹتی پھرتی۔

سو اس واقعے کا اس نے کسی کو علم نہ ہونے دیا تھا حتیٰ کہ مہ جبیں کو بھی نہیں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔ اسے علم تھا کہ کوئی بھی اس کی بات نہ سمجھتا نہ مانتا، آذر، عاصم بھائی، ابا، پھوپھا جان، ان میں سے کوئی بھی اس قربانی پر راضی نہ ہوتا۔ اور انہیں سمجھانا بھی ناممکن ہوتا، سو اس نے دل ہی دل میں تمام فیصلے خود کر لیے تھے اسے اپنے پیاروں کی خوشیاں اور ان کی زندگیاں عزیز تھیں۔ اس کے لیے اسے سب کی نظروں میں گرنا بھی پڑتا تو وہ سودا اسے منظور تھا۔

عالم شاہ کی حرکات اور اس کی عائد کردہ شرائط سب کے علم میں آتیں اور پھر اس کی شادی عالم شاہ سے ہوتی تو اسے ساری زندگی اس قربانی کے صلے میں عقیدتوں کے ہار پہننے پڑتے۔ ترحم اور ہمدردی کے جذبات سمیٹنے پڑتے، یہ اسے منظور نہ تھا۔ سو اس نے ہر الزام اپنے سر لے لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''بولو ضوفی۔'' آذر کی آواز اسے خیالوں سے کھینچ لائی۔

''آں۔'' وہ چونکی ''میں، میں بس تمہاری خیریت کی دعا مانگتی رہی۔ تم ٹھیک تو ہو ناں آذر۔''

''ہاں۔'' وہ دھیرے سے ہنس دیا ''جس کے نام تمہاری دعائیں ہوں اس کا بھلا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے۔''

''وہ لوگ کون تھے آذر'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نامعلوم کون تھے میں تو کسی کو بھی ہیں جانتا تھا انہوں نے مجھے کیوں پکڑا، کہاں لے گئے، کیوں مارا پیٹا، میں کچھ نہیں جانتا ضوفی مجھے علم نہیں ہے کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔''

''آہ۔'' اس نے ایک سرد آہ بھری ''صد شکر کہ تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ تم سے کیا چاہتے تھے۔''

''پھر تیسرے دن انہوں نے مجھے خود ہی گھر پر چھوڑ دیا عجیب پاگل تھے۔'' وہ بولے گیا۔

''اچھا بس، تم زیادہ باتیں مت کرو، آرام کرو۔'' اس نے آذر کا ہاتھ دھیرے سے دبایا۔

''میں کل پھر آؤں گی۔''

'تم جا رہی ہو؟ اتنی جلدی۔'' اسے حیرانی ہوئی۔

''ہاں آذر۔'' اس کے لہجے میں شکستگی تھی ''میں جا رہی ہوں۔''

''کچھ دیر رک جاؤ۔'' وہ ملتجی ہوا۔

''میں نے کہا ناں میں کل آؤں گی۔'' وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر مڑ گئی۔

''چلیں ابا۔'' اس نے ابا کو دیکھا ''مجھے کچھ ضروری کام یاد آ گیا ہے۔''

''اچھا، چلو۔'' ابا بھی اس کے رویے پر حیران تھے۔

✿......✿......✿

''صوفی۔'' مہ جبیں نے اسے پکارا اور جو گہری سوچوں میں گم تھی چونک اٹھی۔

''جی آپا؟۔''

''ایک بات کہوں۔''

''ضرور۔''

''میرا خیال ہے صوفی آذر کو عالم شاہ نے قید کیا ہوگا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''یہ خیال کیسے آیا آپ کو۔''

''اور کون ہو سکتا ہے بھلا، وہی دشمن بنا ہے ہمارا۔''

''ہمارا ناں، آذر کے متعلق اسے کیا علم، آپ تو بے وجہ کی باتیں کر رہی ہیں آپا، اور پھر اگر وہ اسے پکڑتا، تو پھر چھوڑتا کیوں؟۔''

''ہاں، بس یہی بات سمجھ میں نہیں آتی میری۔''

''چھوڑیں آپا، بلاوجہ کی غلط فہمیاں نہ پالیں میرا خیال ہے آذر کسی بدگمانی کا شکار ہوا ہے وہ جو کوئی بھی ہوں گے کسی غلط فہمی کی بنیاد پر لے گئے ہوں گے اسے، غلط فہمی دور ہو گئی تو چھوڑ دیا، آذر کی ورنہ کسی سے کیا دشمنی۔''

''ہاں، شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔''

''اور عالم شاہ وہ بڑا ڈیسنٹ بندہ ہے اس سے ایسی توقع رکھنا فضول بات ہے۔'' مہ جبیں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''یہ...... تم کہہ رہی ہو صوفی؟۔''

''ہاں سچ تو سچ ہوتا ہے آپا، ہم بے وجہ اسے غنڈہ، بدمعاش سمجھنے پر تلے ہیں بھلا اس بے چارے نے کیا ہی کیا ہے۔ پسند ہی تو کیا تھا مجھے۔''

''کہیں تم تو اسے پسند نہیں کرنے لگیں؟۔'' اس نے آنکھیں نکالیں، تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔

✿......✿......✿

وہ جگمگاتے، مسکراتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس نے نظریں چرالیں۔

''دیکھ رہا ہوں کہ میرے طالع کا چمکتا ستارہ کتنا روشن، کتنا خوبصورت ہے، بہت اچھی لگ رہی ہوان کپڑوں میں۔''

وہ خاموش بیٹھی ناخن پر لگی نیل پالش دیکھتی رہی۔

''اجالا، جانتی ہو، یہ صرف تمہاری دعائیں ہیں، جو میری زندگی کے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیتی ہیں، ہر بلا کو مجھ سے دور رکھتی ہیں۔ جب ان لوگوں نے مجھے پکڑا نا اجالا تو مجھے یوں لگا جیسے اب میں کبھی اس دنیا میں واپس نہ لوٹ سکوں گا جو میری اپنی ہے، جس میں میرے اپنے بستے ہیں، تم بستی ہولیکن دیکھو، میں لوٹ آیا، صحیح سلامت، تو یہ سب کچھ کیا ہے؟ دعاؤں کا اثر ہے ناں اجالا۔''

''ہاں آذر......'' اس نے سرد آہ بھری ''صرف میری ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگوں کی دعائیں ہیں جو تمہارے گرد ہیں، تمہیں اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔''

''تم اداس کیوں ہو؟'' اس نے بالآخر چوری پکڑ ہی لی۔

''میں؟'' وہ چونکی اور مسکرائی ''نہیں تو اتنا خوشی کا موقع ہے میں بھلا کیوں اداس ہونے لگی۔''

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھوپھی نے آذر کے بخیر و عافیت لوٹنے پر ان لوگوں کی دعوت کی تھی۔ جس میں نہ صرف وہ بلکہ مہ جبیں بھی آئی تھی۔ آذر کے بے حد اصرار پر۔

''دعوت تو ہمیں کرنی ہے نگار'' اماں بولی تھیں۔ ''اپنے بچے کو اپنے گھر بلاؤں گی میں۔''

''ضرور بلاؤ شوق سے، فی الحال تو تم کو آنا ہے۔'' وہ خوشدلی سے بولی تھیں۔

ایک وقت تھا جب محبتوں کے اظہار ضوفشاں کو بڑے بھلے معلوم ہوا کرتے تھے وہ خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی تھی اور سوچا کرتی تھی کہ شاید ہی کہیں دو گھر ایسے ہوں جہاں سارے دل اس طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوں، لیکن اب یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر اس کا اندر مرنے لگتا تھا۔ کوئی اس کے اندر چیخنے لگتا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے کر اس دھوئیں کو اپنے اندر سے نکالنے کی کوشش کیا کرتی جو اچانک ہی اس کے اندر بھرنے لگتا تھا۔

''اجالا۔'' آذر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا وہ چونک اٹھی۔

''کہاں گم ہو یار؟''

''کہیں نہیں۔'' وہ ہولے سے بولی ''آذر میں سوچتی ہوں ہم بھی کیسے لوگ ہیں عام لوگ چیونٹیوں جیسے، جنہیں جب جو چاہے مسل دے ختم کر دے۔''

''ارے۔'' وہ ہنس دیا ''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں، آدمی کو کم از کم تھوڑا سا امیر، تھوڑا سا با اثر ہونا چاہیے۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو؟'' وہ حیران رہ گیا ''وہ لمبے لمبے وعظ، وہ تقریریں کیا ہوئیں؟''

''ہاں، غلطی پر تھی میں، پاگل پن تھا میرا، بھلا غریبی میں بھی کوئی اٹریکشن ہے، کیا دھرا ہے، میرا تو خیال ہے آذر اس دور میں آدھی سے زیادہ خوشیاں دولت کی مرہون منت ہوتی ہیں۔''

''وہ خاموش ہو گیا، اس سے نظریں ہٹا کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

''جس وقت تم غائب ہوئے ناں آذر۔'' وہ بولتی رہی ''میں نے سوچا تھا کہ کاش ہم بھی کچھ با اثر ہوتے، تھوڑی دولت ہمارے پاس بھی

ہوتی تو کم از کم تمہاری تلاش کا کام ہی ذرا بڑے پیمانے پر شروع ہو جاتا۔ اب علم ہوا کہ ہم تو بڑے مسکین لوگ ہیں، ہے ناں آذر۔''

''معلوم نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''اپنے کم مایہ ہونے کا احساس بڑی شدتوں سے ہوا ہے مجھے۔'' اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

''چلو، نیچے چلتے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا'' کھانا لگنے والا ہوگا۔''

وہ آنکھوں میں بھرتا، لرزتا پانی اس سے چھپائے اٹھ کھڑی ہوئی، وہ جانتی تھی کہ اس موقع پر وہ اس سے کوئی خوبصورت سی بات سننے کا متمنی تھا۔ چند الفاظ ایسے چاہتا تھا وہ اپنی ساعتوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکتا۔ اور وہ دل توڑ رہی تھی اس کا، اسے اس کی کم مائیگی کا احساس دلا رہی تھی۔ لیکن یہ ضروری تھا اس کی سلامتی، اس کی بقاء کے لیے اور آذر کی سلامتی اور بقاء اسے ہر شے سے زیادہ عزیز تھی حتیٰ کہ آذر اور اپنی خوشیوں سے بھی زیادہ کھانے کے دوران وہ خود پر مصنوعی خوشدلی کا خول چڑھائے سب سے باتیں کرتی رہی ہنستی بولتی رہی۔ لیکن اسے علم تھا کہ وہ بے حد خاموش ہو گیا تھا سب کی باتوں پر معمولی سی ہوں ہاں کر رہا تھا۔

''آذر'' وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے دکھ سے اسے دیکھ کر سوچا تھا'' آئی ایم سوری، کبھی کبھار کسی کو ذرا سی خوشی بخش دینا بھی ہمارے اپنے اختیار میں نہیں ہوا کرتا۔''

''خدا حافظ آذر'' وہ اس کے پاس آکر بولی تھی بظاہر مسکرا کر۔

''خدا حافظ۔''

''اس نے آہستگی سے کہہ کر سر جھکا لیا تھا وہ کسی سوچ میں گم تھا۔

✿.....✿.....✿

دوسرے دن شام کو وہ آ پہنچا تھا۔

ضوفشاں بظاہر کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی لیکن درحقیقت ان ہی لامتناہی سوچوں میں گم تھی جو اسے مسلسل اضطراب کیفیت بخشے ہوئے تھیں۔

''ہیلو کزن۔'' وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

''تم۔'' اس نے رسالہ بند کر دیا'' کب آئے۔؟''

''بس ابھی۔'' وہ مسکرایا۔

اس کی مسکراہٹ مختلف تھی۔ ویسی ہلکی پھلکی اور فریش نہ تھی جیسے عام طور پر ہوا کرتی تھی۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟۔''

''کچھ نہیں، ایسے ہی فضول سی کہانی تھی۔'' اس نے رسالہ ایک جانب ڈال دیا۔

''ضوفی پتا ہے آج ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے، نامعلوم تم خوش ہوگی یا اداس۔''

''اچھا، بتاؤ تو بھلا کیا بات ہے۔''

''پتا ہے وہ جو جدہ والی آفر تھی ناں، وہ اب تک برقرار تھی۔ میں نے آج ہی معلوم کیا ہے۔''

''پھر؟'' اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

اسے جیسے خود بخود ہر بات کا علم ہو گیا کہ اب وہ کیا کہے گا۔

''پھر!'' وہ اداسی سے مسکرایا'' میں نے آفر منظور کر لی ہے، ایک ہفتے بعد جا رہا ہوں۔'' جانے کس حوصلے سے کام لیا تھا ضوفشاں نے کہ نہ وہ چیخی، نہ روئی، نہ احتجاج کیا، بس خاموشی سے اس کی بات سن لی، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ آذر اسے جدائی کی نوید سنا رہا تھا۔ ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کا

مژدہ دے رہا تھا۔ اور یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''اچھا'' اس نے محض اچھا کہہ کر سر جھکا لیا۔

''خوشی نہیں ہوئی۔'' وہ پوچھنے لگا۔

''معلوم نہیں۔''

''دیکھو ناں، آخر ہم ذرا سے امیر، ذرا سے باثر تو ہو ہی جائیں گے ہیں ناں ضوفی۔'' ضوفشاں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں نے سوچا ٹھیک ہی کہتی ہو۔'' وہ نظریں چرا کر کہنے لگا'' بلکہ میں احمق تھا مجھے تو یہ آفر پہلی مرتبہ میں ہی قبول کر لینی چاہیے تھی۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ لڑکیاں کتنی گھامڑ اور جذباتی ہوتی ہیں، ذرا ذرا سی بات کا مسئلہ بناتی ہیں اور پھر بعد میں اپنے ہی کیے گئے فیصلوں پر پچھتاتی ہیں، ہاں البتہ کل تم نے بالکل درست کہا تھا، بالکل صحیح تجزیہ کیا اپنا، ہم لوگ واقعی اس قدر مسکین ہیں کہ جو چاہے چیونٹی کی طرح مسل دے، اس لیے میں نے سوچا ہے کہ مجھے قسمت سے ملنے والے موقعے سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ کم از کم چیونٹیوں کی صف سے نکل کر ذرا تو بڑے جانوروں میں شمار ہونے لگیں کیوں؟''

بہت سا نمکین پانی اس نے چپ چاپ حلق سے نیچے اتار لیا ایک نگاہ، بڑی خاموش نگاہ اس پر ڈالی اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔

وہ اس کی جانب سے بدگمان ہو رہا تھا، یہ بات اس کی منصوبہ بندی میں شامل تھی۔

✿.....✿.....✿

ایئرپورٹ پر وہ سب کے ساتھ مل کر اسے رخصت کرنے گئی تھی۔

نجانے کیا بات تھی اسے نہ رونا آ رہا تھا اور نہ ہی اس کا دل چیخنے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ شاید اسے جدا کرتے وقت وہ خود پر قابو نہ رکھ پائے گی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ اس سے لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگے گی اور کہے گی'' آذر مجھے چھوڑ کر مت جاؤ، مجھے اس دنیا سے کہیں دور لے چلو جہاں عالم شاہ جیسے عفریت بستے ہیں، مجھے اس آسیب زدہ زندگی سے چھٹکارا دلا دو مجھے پھر پہلے والی اجالا بنا دو''

لیکن کچھ بھی نہ ہوا، وہ خشک آنکھوں اور خالی دل کے ساتھ چپ چاپ کھڑی رہی سب سے مل کر وہ اس تک آ گیا۔ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا وہ نظریں جھکائے کھڑی رہی۔

''اجالا'' بڑی محبتوں سے، بڑے جذبوں سے اس کا پکارا تھا۔

ہر چند کہ کچھ دیر پہلے تک وہ بڑا اکھڑا اکھڑا، ناراض ناراض سا رہا تھا لیکن اب لگتا تھا کہ وہ جانے سے پہلے تمام لڑائیاں تمام ناراضگیاں، ختم کر کے ہنستے مسکراتے ہوئے رخصت ہونا چاہتا تھا۔

ضوفشاں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، بڑی شدتوں کے ساتھ وہ اسے تک رہا تھا۔

''خدا حافظ آذر خدا تمہیں اپنی اماں میں رکھے۔''

''تم جانتی ہو ناں، میں صرف تمہاری خاطر، تمہاری خوشیوں کے لیے جا رہا ہوں؟''

''ہوں'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''روکو گی نہیں۔'' وہ شرارتی ہوا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا'' کیونکہ میں جانتی ہوں تم واقعی میری خوشیوں کے لیے جا رہے ہو۔''

''کیا ہیں تمہاری خوشیاں۔'' وہ ذرا سا آزردہ ہو کر پوچھنے لگا۔

''اتنی دولت لے آنا آذر کہ ہم ساری عمر آسودگی سے گزار دیں ذرا ذرا سی چیزوں کے لیے نہ ترسیں۔''

''خوشیاں دولت سے مشروط کر دیں تم نے؟'' اس نے لب کاٹے۔

''کیا کریں۔'' اس نے سر جھکا لیا ''دستور ہے زمانے کا''

''اس کا مطلب ہے جس کے پاس زیادہ دولت ہو، وہ زیادہ خوشیاں دے سکتا ہے، خود سے وابستہ لوگوں کو؟''

''ہاں، بالکل۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

آذر کا چہرا تھوڑی دیر کے لیے بجھ گیا۔ پھر یکدم وہ خوشدلی سے مسکرا اٹھا۔

''اچھا، اب میرا انتظار ضرور کر لینا ایسا نہ ہو کہ کوئی بہت سی خوشیاں دینے والا شخص ٹکرائے تو مجھے بھول ہی جاؤ۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا ''اور عاصم بھائی اور مہ جبیں باجی کو شادی میں میرے حصے کی باتیں بھی تم کر لینا، ہر رسم میں میری جانب سے حصہ لینا سمجھیں؟''

اس کا سر پیار سے ہلا کر وہ عاصم بھائی اور پھوپھا جان سے گلے ملنے لگا، ہر کسی کی آنکھیں لبریز ہو رہی تھیں سوائے اس کے۔

وہ شاید اپنے حصے کے تمام آنسو ایک ساتھ بہا دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھی۔

عجیب یاسیت کی لہر تھی جس نے شہر دل کو اپنی لپیٹ میں اس طرح سے لیا تھا کہ اسے ہر شے اداس، دل گیر اور مرجھائی ہوئی نظر آتی تھی۔ ہر خوشی دسترس سے باہر محسوس ہوتی تھی۔

مستقبل، کبھی جس کا خیال اس کے دل کی تمام کلیاں کھلا دیا کرتا تھا اب اس کے لیے محض ایک اندیشہ ایک خوف بن کر رہ گیا تھا۔

ذرا سی آہٹ پر اس کا دل بے اختیار ہو کر جسم میں جیسے کوئی دوسری پناہ گاہ تلاش کرنے لگتا تھا۔ ہاتھ برف کی سل کی طرح یخ رہتے، چہرا مرجھایا ہوا رہتا محض چند دنوں میں وہ موم بتی کی طرح گھلی تھی۔

اماں اور مہ جبیں اس کی حالت پر اندر ہی اندر کڑھ رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی وجہ آذر سے دوری تھی۔ سو وہ دونوں سوائے اسے خوش رکھنے کی کوشش کرنے کے اور کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔ یہ بھی اس کے لیے غنیمت تھا کہ انہیں اصل صورت حال کا نہ علم تھا۔ اور نہ اس کی حالت کے غیر ہونے کا سبب وہ دونوں کچھ اور تلاش کرتی تھیں۔

''ضوفی۔'' مہ جبیں کے پکارنے پر وہ بری طرح سے چونکی تھی ویسے بھی آج کل وہ ہر آہٹ ہر آواز پر اس طرح سے چونکتی تھی کہ اگلے کئی لمحے اس کے حواس اس کے اپنے قابو میں نہیں آتے تھے۔

''جی، آپا'' بڑی دیر بعد وہ بولی۔

''آذر کو خط کیوں نہیں لکھ دیتیں؟'' اس نے بغور اسے دیکھا۔

''خط؟ کیوں......؟'' حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں کا کیا مطلب بھئی اگر وہ تمہیں یاد آ رہا ہو اس سے ملنے کا یا بات کرنے کا جی چاہ رہا تو خط لکھ دو خط بھی تو آدھی ملاقات ہی ہوتی ہے۔''

''نہیں میرا دل اسے ملنے کو نہیں چاہ رہا'' اس نے سر جھٹک کر کہا۔

''ضوفی۔'' مہ جبیں پہلے حیران ہوئی پھر جیسے کچھ سمجھ کر ہنس دی ''اوراب سمجھی۔''

''کیا سمجھیں؟'' وہ ہولے سے بولی۔

''یہی کہ تم اس سے ناراض ہو ناں؟''

''کیوں میں بھلا اس سے کیوں ناراض ہونے لگی۔''

''اس لیے کہ وہ تمہاری مرضی کے خلاف جدہ چلا گیا۔ اور اس کو گئے آج دسواں دن ہے اس نے کوئی خط کوئی فون بھی نہیں کیا۔''

''مصروف ہوگا۔'' وہ بے نیازی سے بولی ''اور گیا تو وہ میری ہی اجازت سے ہے، میں نے خود اسے جانے کے لیے کہا تھا۔''

''کس دل سے بھلا؟''مہ جبیں شوخ ہوئی۔

''جانے دیجئے آپا''وہ تلخی سے ہنسی''اب ان جذباتی باتوں کی عمر گزر گئی۔''

''ہائیں۔''مہ جبیں نے حیرانی سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا''عمر گزر گئی؟یہ کب کی بات ہے بھئی۔''

''عمر گزرنے کے لیے سالوں کا یا صدیوں کا گزرنا ضروری نہیں ہوتا آپا''وہ دکھ سے بولی''کبھی کبھی محض ایک پل میں انسان صدیوں کا فاصلہ طے کر لیتا ہے بیچ کی ساری عمر رائیگاں ہو جاتی ہے وہ سب پل جو گزرتے بھی نہیں،ہتھیلیوں سے پھسل کر کہاں چلے جاتے ہیں،کسی کو خبر نہیں ہوتی''مہ جبیں ایک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

اس کے لہجے میں شبنم اتر آئی تھی۔آواز بھیگ چلی تھی۔آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے تھے۔خاموش ہو کر اس نے سر جھکا لیا تھا۔

مہ جبیں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اس کے کاندھوں کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔

''ضوفی!یہ تجھے کیا ہو گیا ہے محبت تو بہت سے لوگ کرتے ہیں جدا بھی ہوتے ہیں،نہ صرف کچھ عرصے کے لیے بلکہ کچھ بدنصیب تو ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتے ہیں لیکن یہ سوگ یہ ماتم یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے چندا،خود سے ہٹ کر بھی کچھ سوچو مجھے دیکھو اماں کو دیکھو ابا پر غور کرو،کیا ہم سب تمہیں خوش اور نارمل نظر آتے ہیں؟غور کرو گی تو تمہیں علم ہو گا کہ ہم سب خوش نہیں ہیں،ہم سب اداس ہیں،پریشان ہیں جانتی ہو کیوں؟تمہاری وجہ سے تمہاری فکر میں ہم سب گھل رہے ہیں۔''

''آپا''اس نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا''آپ......آپ سچ کہہ رہی ہیں؟۔''

''ہاں۔''وہ ہولے سے بولی''تم اپنی فکروں میں اتنی محو ہو کہ تمہیں کچھ پتا نہیں چلتا۔''

مہ جبیں کے لہجے میں چھپے شکوے اس سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔اور اپنے طور پر وہ جائز شکایت کر رہی تھی اور اس کی شادی کی تاریخ ٹھہرائی جا چکی تھی محض چند مہینے رہ گئے تھے ایسے میں تو ان کے گھر میں خوشیوں کی ارمانوں کی ایک بھیڑ ہونی چاہیے تھی ہنسی اور قہقہوں کے طوفان امنڈنے چاہیے تھے۔میلے لگنے چاہیے تھے۔لیکن فی الوقت تو جیسے سارے ماحول نے اداسی کی دبیز چادر اوڑھی ہوئی تھی سناٹا سا چھایا رہتا۔جس میں محض اندیشوں اور واہموں سے بوجھل دلوں کے دھڑکنے کی صدائیں گونجا کرتی تھیں۔

''اور اس ماحول کی وجہ میں ہوں،میری اداسی میری خاموشی۔''اس نے آزردگی سے سوچا''اور یہ سب کیا سوچتے ہوں گے کیا سمجھتے ہوں گے۔یہ کہ کس قدر خودغرض لڑکی ہے،اپنی ذات میں گم اپنی خوشیوں کی تلاش میں سرگرداں،اپنے دل پر ذرا سا کڑا وقت گزرا تو سب کو بے کل کر دیا۔آپا کیا سوچتی ہوں گی میں اپنی فکروں میں غلطاں و پیچاں ان کے حصے کی خوشیاں بھی ان کی دسترس میں نہیں آنے دیتی۔''

''آپا''اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کہو''

''آپ پرسوں کہہ رہی تھیں ناں مارکیٹ چلنے کا،کیا لینا تھا آپ نے ہاں،وہ کام کے سوٹ ملنے تھے ناں۔''

''میں پرسوں نہیں ہفتے کو کہہ رہی تھی۔''وہ مسکرائی۔

''آج بدھ ہے۔''

''سوری آپا''وہ شرمندگی سے بولی''آپ یاد دہانی تو کراتیں،چلیں آج چلتے ہیں۔''

''اچھا پھر میں کھانا جلدی پکا لوں گی۔''وہ خوش ہو گئی۔

اس کے خوش ہونے کے ہی دن تھے۔خوبصورت سپنوں کی دنیا میں کھوئے رہنے کے دن،انتظار کی لذت آمیز کسک میں مبتلا رہنے کے دن،چہرے پر دلکش،رنگین،خیالوں کی دھنک بکھرائے رہنے کے دن۔

''ضوفشاں نے اس کے چہرے پر بکھری دھنک کو حیرانی اور دلچسپی سے دیکھا پھر مسکرا دی۔

''رہنے دیجئے کھانا آج میں بناؤں گی۔''

''تم۔'' وہ ہنسی۔

''جی میں! بے فکر رہیے اتنی بھی پھوہڑ نہیں ہوں، کم پکاتی ہوں لیکن اچھا پکاتی ہوں، اور ویسے بھی آپ کے آرام کرنے کے دن ہیں، بے فکری سے خیالوں کے جھولے میں جھولتے رہنے کے دن۔ اب آپ زیادہ تر کام میرے سپرد کر دیا کریں اور پھر آپ چلی جائیں گی تو اچانک سر پر پڑنے والا ڈھیر سارا کام مجھے بوکھلا کر رکھ دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ابھی سے پریکٹس شروع کر دی جائے۔''

''ابھی تو بہت دن ہیں۔'' مہ جبیں کھلکھلائی۔

''جی ہاں، آپ کو تو بہت ہی لگیں گے۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولی ''ہم سے پوچھیں کتنے کام سر پر پڑے ہیں کرنے کو۔''

''اور محترمہ ہیں کہ جناب آذر صاحب کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہیں۔''

''آپا پلیز۔'' مہ جبیں ہنس دی۔

اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ سکون وطمانیت کے احساس سے بوجھل یہ نام کبھی دل پر کسی کوڑے کی طرح پڑا کرے گا سنتے ہی آئیں، باہر نکلنے کو بے تاب ہو جایا کریں گی۔

''زندگی بھی کیا کیا رنگ بدلتی ہے۔'' اس نے سوچا۔

''پھر انسان کس خوشی پر خوش ہو، مسرت اور شادمانی کے کن لمحوں کو اپنا سمجھے۔''

''آپا میں کھانا پکا رہی ہوں آپ ان چیزوں کی لسٹ تیار کر لیں جو آج لینی ہیں اور نہا دھو کر تیار ہو جائیں۔''

چہرے پر تیزی سے پھیلتے دھوئیں کو مہ جبیں کی نظروں سے بچانے کے لیے وہ اُٹھ کر باورچی خانے میں آ گئی۔

کھانا پکاتے ہوئے بھی اس کا دماغ عجیب وغریب خیالات کی آماجگاہ بنا رہا اسے عالم شاہ کا دھڑکا دمے کی بیماری کی طرح سے چپک گیا تھا سانس ہر وقت اکھڑا رہتا وہ یہ نہ کر دے، وہ کچھ یوں نہ کر بیٹھے، وہ گھر نہ چلا آئے وہ اسے اٹھوا نہ لے وہ ابا کو عاصم بھائی کو......

اس کا دماغ الجھ الجھ کر بے حال ہو جاتا وہ جانتی تھی کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد وہ یقیناً کچھ نہ کچھ جاننے کو بے تاب ہوگا اور عالم شاہ کے بے تاب ہونے کا خیال اس کے روئیں روئیں میں خوف کا زہر بھر دیتا تھا۔

''مجھے خود اس سے رابطہ کرنا ہوگا۔'' اس نے روٹی کو جلتے دیکھا اور جلدی سے پلٹ دیا ''تو تم مجھے اس موڑ پر لے آئے ہو عالم شاہ کہ میں تم سے از خود رابطہ کرنا چاہتی ہوں، اے خدا! تو ایسے بندوں کو اتنی طاقت کیوں دیتا ہے۔''

پلکوں کو جھپک کر اس نے آنسوؤں کو واپس اندر دھکیلا اور دوسری روٹی جلانے لگی۔

☆......☆......☆

''ضوفی یہ دیکھو کس قدر خوبصورت ہے۔'' مہ جبیں نے اسے کہنی مار کر متوجہ کیا۔

وہ اسے چاندی کا ایک خوبصورت سیٹ دکھا رہی تھی۔

''جی آپا اچھا ہے۔''

''اماں نے کہا تھا ایک سیٹ چاندی کا بھی ہوگا۔''

''جی، جی کہا ہوگا۔''

اس کی نگاہ سامنے والی کان پر لگے بورڈ پر تھی ''خواتین کے لیے فون کا علیحدہ انتظام'' کا بورڈ آویزاں تھا۔

''چلو ناں اندر قیمت پوچھتے ہیں۔''

''آپا آپ اندر چلیں میں ذرا وہ سیب لے لوں دیکھیں ناں کتنے اچھے ہیں اماں کو جوس نکال کر دوں گی، کتنی کمزور ہو رہی ہیں وہ۔''

''چلو پھر پہلے سیب لے لیتے ہیں۔'' وہ راضی ہو گئی۔

''نہیں نہیں میں لاتی ہوں، آپ اس سیٹ کی قیمت پوچھیں میں بس ابھی آئی۔''

''اچھا زیادہ دیر مت لگانا۔''

نجانے کون سا لمحہ تھا جو وہ اس کی بات خلاف توقع مان کر دکان میں داخل ہو گئی، ضوفشاں لپک کر دوسری دکان کی جانب بڑھی تھی۔ دکان والے نے پردے کے پیچھے تک اس کی رہنمائی کر دی کپکپاتے لرزتے ہاتھوں سے اس نے ہینڈ بیگ سے سید عالم شاہ کا کارڈ ڈھونڈ کر نکالا اور نمبر ڈائل کیے۔

جب تک دوسری جانب بیل جاتی رہی وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کی آواز سنتی رہی۔

''جی ہیلو۔'' اس نے تھوک نگلا ''یہ سید عالم شاہ صاحب کا گھر ہے۔''

''جی ہاں۔''

''مجھے ان سے بات کرنی ہے۔''

''وہ تو جی گھر پر نہیں ہیں۔''

''اوہ۔'' اس نے گہرا سانس چھوڑا ''کس وقت ہوتے ہیں۔''

''کوئی مخصوص وقت نہیں ہے آپ پیغام چھوڑ دیں انہیں مل جائے گا۔''

''ان سے کہیے گا میں انہیں کل شام پانچ بجے فون کروں گی وہ انتظار کریں۔''

''آپ کا نام''؟۔''

''نام۔'' اسے دھچکا لگا ''روشنی۔''

مری مری آواز میں اسے نام بتا کر اس نے فون بند کر دیا۔ کیا قیامت تھی کہ وہ اپنا تعارف اس کے بخشے ہوئے نام سے کرواتی تھی۔

فون کر کے وہ باہر نکلی تو سیب والے کا نام ونشان نہیں تھا۔ اس نے رسٹ واچ دیکھی صرف دو منٹ گزرے تھے۔

''لے لیے سیب۔'' مہ جبیں نے اسے دیکھا اور پھر اس کے خالی ہاتھ دیکھے۔

''مہنگے دے رہا تھا آپا۔'' کھوکھلے سے لہجے میں اس نے جھوٹ بولا اور اس کے برابر بیٹھ گئی۔

''دفع کرو۔''

''وہ پھر سیٹ کے بھاؤ تاؤ میں مصروف ہو گئی۔

✿.....✿.....✿

اماں کے سر میں تیل کی مالش کرتے کرتے اس نے چور نظروں سے کوئی پانچویں مرتبہ ٹائم دیکھا پونے پانچ بج رہے تھے۔

''اماں۔'' اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے ''میں آپا کی شادی کے لیے کیسے کپڑے بنواؤں؟''

''جیسی تمہاری مرضی بیٹا، میں بھلا آج کل کا فیشن کیا جانوں، یہ تو تم لڑکیوں کے اپنے کام ہیں۔''

''اماں، وہ شگفتہ ہے ناں، اس نے اپنی بہن کی شادی میں بڑا ہی خوبصورت کڑھائی کا سوٹ پہنا تھا، اس نے تو وہ کڑھائی ڈیڑھ ہزار میں کروائی تھی مگر میں خود کر سکتی ہوں۔''

''ارے دفع کرو بیٹی ڈیڑھ ہزار میں جو کڑھائی کروائی جائے بھلا کتنی مشکل اور باریک ہوگی کاہے کو اپنی آنکھیں کمزور کرو گی، کوئی آسان

سا کام کر لینا۔''

''اماں وہ بہت ہی خوبصورت سوٹ تھا اگر نمونہ مل جائے تو میں آج سے ہی بنانا شروع کر دوں ابھی تو شادی میں کافی دن ہیں، جب تک آہستہ آہستہ بنالوں گی۔''

''اچھا، پھر کبھی جاؤ تو لے آنا اس سے نمونہ۔''

''اس کا گھر تو بہت دور ہے اماں میں تو بس فون کروں گی اور اپنے بھائی یا ابا کے ہاتھ بھیج دے گی۔''

''اچھا یونہی سہی چلو اب بس کرو عصر کی نماز کا وقت ہونے والا ہے۔'' اس نے ان کے بال سمیٹ کر جوڑا بنا دیا اور تیل کی بوتل بند کرنے لگی۔

''اماں میں ذرا آشفہ کے گھر سے ایک فون کر آؤں۔''

''کیسے؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''ارے ابھی کیا داستان زلیخا سنا رہی تھی آپ کو۔'' برابر بیٹھی مہ جبیں ہنس دی۔

''جاؤ کر آؤ، جلدی آ جانا۔''

وہ لپک جھپک ہاتھ دھو کر آئی اور چادر اوڑھنے لگی۔

''میں ساتھ چلوں؟'' مہ جبیں نے اپنی خدمات پیش کیں۔

''ارے نہیں آپا۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''بس ابھی آئی۔''

''نمبر تو لے آؤ۔''

''مجھے یاد ہے۔'' بڑی عجلت میں وہ گھر سے نکل گئی۔

''کتنا کھوکھلا کر دیا ہے تم نے مجھے عالم شاہ کتنا بے اعتبار، میں تو بڑی مغرور تھی خود پر کہ سرخرو ہوں اپنے ماں باپ کے سامنے، بڑا ناز تھا مجھے کہ میں نے کبھی ان سے جھوٹ نہیں بولا انہیں دھوکا نہیں دیا اور اب۔''

نمبر ڈائل کر کے اس نے غم و غصے سے سب کچھ سوچا اور پھر دوسری جانب سے ابھرتی مخمور نشیلی آواز نے اس کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

''عالم شاہ مخاطب ہے۔''

''میں ضوفشاں ہوں۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''ہوں، مجھے خوشی ہوگی اگر تم خود کو روشنی کہا کرو۔''

''جو دوسروں کی خوشیاں روندتے ہوں انہیں دوسروں کی جانب سے اتنا خوش گمان نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی۔

وہ ہنس دیا۔

''دوسروں کو اگر علم ہو جائے کہ ہم اپنے دامن میں ان کے لیے کتنی خوشیاں لیے ان کے منتظر ہیں تو ان کے لب پہ شکوے بھول کر پھول برسانے لگیں۔''

وہ خاموش رہی۔

''کچھ کہنا تھا؟'' وہ چند لمحے اس کی جانب سے کسی بات کے ہونے کا منتظر رہ کر بولا۔

''جی۔''

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھر کر گویا اسے بولنے کی اجازت دی۔

''وہ، میں یہ کہنا چاہتی تھی'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا بتانے آئی تھی ''وہ......اب آپ نے کیا سوچا ہے؟''

اپنی بات بھول کر وہ خود اس سے پوچھنے لگی۔

''میں نے؟'' وہ حیران ہوتا نہیں تھا ہو کر بڑا عجیب لگا ''سنو گی میں نے کیا کیا سوچا ہے؟''

''جی......جی نہیں'' وہ جلدی سے بولی ''عالم شاہ صاحب، کیا آپ اب بھی اپنی ضد پر قائم ہیں؟''

''ضد نہیں، محبت اور جو لوگ محبتوں پر قائم رہیں جھوٹے اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔ میں بڑا سچا اور مضبوط آدمی ہوں۔''

''جو لوگ خود سچے اور مضبوط ہوں وہ دوسروں کو جھوٹا اور کھوکھلا کیوں کرنا چاہتے ہیں۔''

''مجھے بار بار اس بات کا احساس مت دلایا کرو کہ تمہاری محبتیں کسی اور کے نام ہیں۔'' وہ اچانک غرایا۔

''اسے مٹا ڈالنے کی خواہش اور اس خواہش پر عمل کے درمیان اگر تم نہ آتیں تو دنیا کا کوئی شخص اسے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتا تھا۔''

''بچانے والا کوئی شخص نہیں خدا ہوتا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی ''اور اس بے قصور شخص کا ذکر اس انداز سے مت کیا کریں۔ وہ تو چلا بھی گیا۔''

''جانتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں اطمینان در آیا۔

''جانتے ہیں۔'' اسے حیرت ہوئی ''آپ۔''

''ہاں۔'' وہ ہنسا ''تم کیا سمجھتی ہوں میں بے خبر رہتا ہوں تمہاری دنیا سے تمہارے پل پل کی خبر مجھے رہتی ہے۔''

وہ سلگ کر چیخ کر رہ گئی۔

''آپ کو ڈر ہو گا میں کہیں بھاگ نہ جاؤں۔''

''ڈرتے تو بھاگنے والے ہیں۔'' اس کی آواز میں عجیب مسکراہٹ اتر آئی ''ہم ڈرتے نہیں، ڈراتے ہیں۔''

''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''کب آؤں تمہارے گھر۔''

ایک گہری سانس اس کے سینے سے آزاد ہوئی۔

اس کی عمر قید کے آغاز کا وقت وہ اسی سے پوچھ رہا تھا۔

''ابھی نہیں، میں نے آپ سے یہی کہنے کے لیے فون کیا ہے، آپ جانتے ہیں وہ میری پھوپھی کا بیٹا ہے اس کے بھائی سے میری بہن کی شادی طے ہے تین ماہ بعد میں چاہتی ہوں یہ شادی بنا کسی اختلاف کے بغیر کسی بدمزگی کے ہو جائے۔''

''ہوں۔'' اس نے ہنکار بھرا۔

''آپ مجھے اتنی مہلت تو دیں گے ناں؟'' یہ پوچھتے ہوئے اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''مہلت تم مجھ سے دس سال کی مانگ لو روشنی، سید عالم شاہ تمہارے ایک وعدے پر اپنی عمر بتا سکتا ہے، بس ایک بات ذہن میں رکھنا کبھی بھی مجھ سے دھوکا مت کرنا، عورت کی بے وفائی میرے لیے ناقابل برداشت ہے، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، تمہاری ہر خطا آنکھ بند کر کے معاف کر دوں گا بس اپنی وفائیں میرے نام رکھنا۔ مجھ سے ہر حال میں سچ بولنا ورنہ سید عالم شاہ خود بھی مٹ جائے گا اور تمہیں بھی مٹا دے گا۔''

کبھی کبھی اس کے لہجے میں وہ تاثر ابھرتا تھا جو اس کی اندر تک سرد کر دیتا تھا۔

''میں، میں دھوکا نہیں دوں گی آپ کو، اس مقصد کے لیے تو میں نے کسی اور کا انتخاب کیا ہے۔'' وہ جیسے خیالوں میں گم ہو کر بولی۔

''ایک بات مانو گی۔''

''جی کہیے۔''

''میرے سامنے اس کا ذکر مت کیا کرو۔''

اس جملے میں ایک حکم بھی تھا ایک خاموش التجا بھی تھی۔ایک عجیب فرمائش سی تھی۔

''جی بہتر، کوشش کروں گی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''پھر کیا میں امید رکھوں کہ آپا کی شادی تک آپ کوئی پیش قدمی نہیں کریں گے۔''

''سید عالم شاہ وعدہ کرتا ہے۔'' وہ فراخدلی سے بولا۔

''اور کسی چیز کی ضرورت ہو؟''

''شکریہ۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی ''یقین جانیے آپ میری کوئی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔'' اپنی بات مکمل کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

✿......✿......✿

بڑی محویت سے وہ مشین پر جھکی مہ جبیں کے جہیز کا ایک سوٹ سی رہی تھی۔ جب مہ جبیں ہنستی مسکراتی کھلکھلاتی اندر آئی۔

''ضوفی۔''

''جی کہیے۔''

''سرپرائز ہے۔''

''کس کے لیے۔'' اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کے ہاتھ میں دو لفافے تھے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنا شروع ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ سب کچھ بھول گئی۔ سید عالم شاہ کا بھوت اس کے ذہن میں کہیں دور چلا گیا۔ وہ ضوفشاں سے اجالا بن گئی۔

''آذر......آذر کا خط ہے ناں آپا؟'' لہجے سے تمام تر مسرتیں عیاں تھیں۔

''اوں ہوں۔'' اس نے شرارت سے نفی میں سر ہلایا۔

''آپا پلیز۔'' وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی ''نہ ستاؤ ناں پلیز آپا۔''

''یہ لو کیا یاد کرو گی کس سخی دل آپا سے پالا پڑا تھا۔'' اس نے حاتم طائی بن کر آخر اسے خط سے نواز دیا ''بڑا چالاک ہے یہ آذر دو خط بھیجے ہیں ایک ہم سب کے نام اور ایک صرف تمہارے نام۔''

''بے تابی سے اس نے لفافہ چاک کیا اور سطروں پر نظریں دوڑانے لگی۔ اس نے لکھا تھا۔

اپنی اجالا کے نام

جس کے نام سے میری زندگی میں اجالے ہیں۔

دعا ہے کہ بہت سی خوشیاں تمہارے اردگرد رقصاں ہوں، بہت سی روشنیاں تمہیں اپنے ہالے میں لیے رہیں۔

پیاری اجالا مجھے علم ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو گی۔ کئی دنوں سے میرے خط کی منتظر ہو گی، لیکن کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میں اتنے دن سے خفا رہا ہوں، سوچتا رہا کہ بے چین ہو کر تم از خود مجھے یاد کرو گی مجھے خط لکھو گی۔ پتا تو تم امی سے لے سکتی تھیں ناں، آفس آتا تو یقین ہوتا کہ ابھی تمہارا خط پہنچا ہو گا۔ اسی انتظار میں پورا دن گزار دیتا۔ واپس لوٹتے ہوئے خیال رہتا کہ شاید تم نے رہائش گاہ کے پتے پر خط لکھا ہو اور میری میز پر سجا سارا دن تمہارا خط میرا انتظار کرتا رہا ہو، اس خیال میں ایسی خوشی ہوتی جیسے خط نہیں بلکہ تم میرے آفس سے لوٹنے کی منتظر ہو، لیکن ایک ایک کر کے بہت سے دن بوجھل، تھکے اداس قدموں سے لوٹ گئے، تم نے اپنی ضد نہیں چھوڑی سوچا کسی ایک نے تو ہار ماننی ہے ناں تو پہل میں کیوں نہ کرلوں،

چلو نہ تم خفا نہ میں، اب تو راضی ہوناں، اجالا میرا دل یہاں نہیں لگتا دل ہوتو گے بھی کبھی کبھی جی میں آتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان کا ٹکٹ کنفرم کرالوں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ تم نے آتے سے ایک فرمائش کی تھی اگر تمہاری ایک فرمائش بھی پوری نہ کرسکا تو وہ یہ وجود کس کام کا، مجھے یقین ہے جب میں سرخرو ہو کر لوٹوں گا تو تمہارا ہنستا مسکراتا وجود مجھے خوش آمدید کہے گا۔ تم میری منتظر رہو گی۔ ہر حال میں، ہر موسم میں۔

اگر لڑائی ختم ہوگئی ہو تو اب مجھے جلدی سے خط لکھ دینا۔ تمام تر شدتوں سے منتظر ہوں۔

اپنی ہر دعا تمہارے نام لکھتا۔

آذر

اس نے خط پڑھا، پھر پڑھا بار بار پڑھا۔ اور پھر طمانیت کے بھرپور احساس کے ساتھ ہنس دی۔

''آذر'' اس نے زیر لب کہا'' آذر......آذر''

اور پھر......اس کی مسکراہٹوں نے دم توڑ دیا خوف، وہم، اندیشوں کے بے شمار ناگ اس کے ذہن کی ہر رگ سے لپٹ گئے، اور سید عالم شاہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کی نگاہوں کے پردے پر نمودار ہوگیا۔

خط اس کے ہاتھوں میں پھڑ پھڑایا اور قید سے آزاد ہو کر دور چلا گیا۔ دیوانوں کی طرح بھاگ کر اس نے خط اٹھایا اور اسے چوم کر ہولے ہولے رونے لگی۔

✿......✿......✿

دن اتنی تیزی سے گزرتے چلے گئے جیسے کسی نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور پرندے باہر نکل نکل کر آسمان کا رخ کر رہے ہوں، ضوفشاں کو یوں لگتا جیسے اس کی دونوں مٹھیوں میں ریت بھری ہے جو لمحہ بہ لمحہ پھسل رہی ہے اور اس کی مٹھیاں خالی ہوتی جا رہی ہیں۔

اس نے خود کو ہر ممکن کوشش سے کاموں میں الجھایا ہوا تھا۔ ہر لمحہ مصروف تر رہنے کی سعی کیا کرتی لیکن دماغ کے پردے پر از خود ایک فلم سی چلتی رہتی کبھی وہ عالم شاہ کو دیکھتی، دیکھتی ہی چلی جاتی، اور کبھی ایسا ہوتا کہ ریل الٹی چلنے لگتی۔ پھر وہ آذر کے ساتھ ہوتی۔

پھولوں میں، خوشبوؤں میں بسی چاندنی میں جگنوؤں سے سجی، وہ اجالا بن جاتی اور آذر کی ہمراہی میں ایک دنیا کی سیر کر آتی۔ اسے لگتا اپنی سوچوں کو اب وہ کبھی بھی ایک مرکز پر جمع نہیں کر پائے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انتشار کا شکار ہوگئی ہے۔

پھوپھی جان بڑے دن بعد آئی تھیں ضوفشاں ان سے لپٹی تو اس کا الگ ہونے کو جی نہ چاہا۔

''کیسی ہے میری بچی۔'' انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی چومی۔

''آپ کیسی ہیں پھوپھی ٹھیک ہیں نا'' اس نے جواباً ان کا ہاتھ تھام کر چوما۔

''مزے میں ہوں اپنی بچیوں کے انتظار میں ہوں۔'' خوش دلی سے بولیں۔

اماں نے اسے چائے بنانے کا کہا مگر وہ ڈھیٹ بنی پھوپھی جان سے چپکی بیٹھی رہی اسے ان کا وجود اتنا اچھا اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا ایک عمر ان کے پہلو میں ہی گزار دے۔''

''آذر کا خط آیا تھا۔'' اماں نے پھوپھی کو بتایا۔

''ہاں، وہاں بھی دو تین خط بھیج چکا ہے۔'' وہ ہنسیں ''عاصم نے فون کی درخواست تو دے دی ہے دیکھو اب کچھ دنوں میں لگ جائے گا پھر آرام سے فون پر بات ہو جایا کرے گی اور اس لڑکے کا پاگل پن دیکھو، خط میں لکھتا ہے کہ جب پہلا فون کروں تو ضوفی کو ضرور بلوا لینا اس سے ضرور بات کروں گا۔''

اماں اور پھوپھی ہنس دیں۔ وہ بھی سب کچھ بھول کر مسکرا دی تھی۔

''بچپن سے ہی کہاں رہتا تھا وہ اس کے بغیر۔'' اماں مسکراتے ہوئے بتانے لگیں ''یاد ہے نگار تمہیں، سارا سارا دن اسے گود میں لیے بیٹھا رہتا تھا۔''

''ہاں اور میں نے تب ہی تم سے کہا تھا کہ دیکھنا میرا بیٹا ایک دن اسے اپنے ساتھ ہی لے جائے گا تب تلک تو مہ جبیں اور عاصم کی بھی کوئی بات نہ ہوئی تھی۔''

''ضوفشاں اٹھ کر باورچی خانے میں آ گئی، عالم کا خیال اب اسے زیادہ دیر خوش نہیں ہونے دیتا تھا وہ ذرا ہنستی مسکراتی اور پھر یوں سہم جاتی جیسے کسی عفریت کو سامنے دیکھ لیا ہو۔

''کیا ہوا یہ شکل پر بارہ کیوں بجنے لگے؟'' مہ جبیں نے اس کا ستا ہوا چہرا حیرانی سے دیکھا ''ابھی تو باہر تم ہنس رہی تھیں۔''

''کچھ نہیں آپا۔''...... وہ چائے کے لیے پانی لینے لگی ''آپ تو ایکسرے مشین بن جاتی ہیں۔''

''کس کے ساتھ آئیں پھوپھی اماں؟'' وہ چہرا پھیر کر بظاہر بے نیازی سے پوچھنے لگی۔

''ضوفشاں نے چولہا جلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اداسی سے مسکرائی۔

''آپ کے ''وہ'' چھوڑ گئے ہیں۔''

''اندر نہیں آئے؟۔''

''نہیں واپسی میں شاید آئیں اور یہ سوال جواب اتنی بے نیازی سے نہ کیا کریں۔ میں اتنی پاگل تو نہیں ہوں کہ آپ کے دل میں ہوتی کھد بد سے ناواقف بچوں کی طرح جواب دے دیا کروں۔'' اپنی پریشانی بھول کر مسکراتے ہوئے اسے چھیڑنے لگی۔ مہ جبیں کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تم تو ہر بات میں گوٹا کناری سجالیتی ہو، اس کا کیا علاج۔''

''گوٹا کناری اب آپ اپنے کپڑوں میں سجائیں، اور ذرا جلدی جلدی، جانتی ہیں ناں ڈیڑھ مہینہ رہ گیا ہے پیا دیس سدھارنے میں۔''

''یہ اپنے پیار کی بات کی گئی ہے یا میرے۔'' مہ جبیں ہنس دی ''کہیں میرے پردے میں اپنا دل تو خوش نہیں کر رہی ہو؟''

''ضوفشاں بھی ہنس دی پھر اگلے ہی پل خاموش ہو گئی اس کے ذہن میں وہ تمام راستے بنے اور بن کر مٹے جو آذر کے گھر تک جاتے تھے۔

''تم نے آذر کے خط کا جواب نہیں دیا ضوفی۔'' کچھ دیر بعد مہ جبیں نے پوچھا۔

''جی۔'' اس نے گہرا سانس لیا ''دے دوں گی جلدی بھی کیا ہے۔''

''ضوفی۔'' مہ جبیں کچھ دیر بعد بولی تو اس کی آواز میں ایک گہری سوچ تھی۔ ''ایک بات پوچھوں برا تو نہیں مان جاؤ گی۔''

''کمال کرتی ہیں آپا۔'' وہ چائے چھانتے ہوئے بولی۔

''کبھی آپ کی بھی کسی بات پر برا منایا ہے میں نے کبھی۔''

''تم، تم کچھ بدل سی گئی ہو۔''

''وہ کیسے۔'' اس نے بغور اسے دیکھا۔

''تمہیں اب پہلے کی طرح آذر کی پروا نہیں رہی۔ ایسا لگتا ہے تم جان بوجھ کر اسے اگنور کرنے کی کوشش کرتی ہو، نہ وہ تمہیں یاد آتا ہے، نہ تم اس سے بات کرنا چاہتی ہو، نہ اس کے خط کا جواب دینا تمہیں ضروری لگتا ہے، کیا ہوا ہے تمہیں؟ ادھر اس کا حال یہ ہے کہ جو خط اس نے مجھے اور اماں کو مخاطب کر کے لکھا ہے وہ آدھے سے زیادہ تمہارے ذکر پر مبنی ہے۔''

ضوفشاں ٹرے میں کپ رکھتی رہی اور اس کی بات سنتی رہی۔ وہ اپنی بات مکمل کر چکی تو اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

''آپا کبھی کبھی انسان کسی سے اتنی محبت کر ڈالتا ہے کہ دل خالی خالی لگنے لگتا ہے جیسے کچھ کہنے کو کچھ کرنے کو بچا ہی نہ ہو، میں نہیں چاہتی کہ

میرے ساتھ ایسا ہی ہو وہ کہا ہے ناں شاعر نے کچھ باتیں ان کہی رہنے دو سب باتیں دل کی کہہ لیں اگر، پھر باقی کیا رہ جائے گا۔''

ٹرے اٹھا کر وہ باورچی خانے سے نکل آئی۔

✿.....✿.....✿

کال بیل کی آواز پر وہ چونکی اور سوئی ڈوپٹے میں اٹکا کر کپڑے درست کرتی دروازے کی سمت چل دی۔ اماں اور مہ جبیں آج پھوپھی اماں کیساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔

پھوپھی اماں نے مہ جبیں کی پسند سے اس کا عروسی جوڑا لینا تھا۔

'کون ہے۔'' تجربات نے اسے دروازہ کھولنے سے قبل استفسار کرنا سکھا دیا تھا۔

''جی پوسٹ مین۔''

پوسٹ مین کی مخصوص آواز سنتے ہی اس نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ حسب توقع دو لفافے تھے جن میں سے ایک پر اس کا نام درج تھا آذر کی وہی مخصوص ہینڈ رائٹنگ تھی۔

اس نے جلدی جلدی لفافہ چاک کیا اور بے تابی سے خط پڑھنے لگی، لکھا تھا۔

پیاری اجالا!

کیا حوصلے اس طرح آزمائے جاتے ہیں؟

پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ تمہاری اس چپ کی وجہ کی ہے کیا تم میری محبتوں کو آزمانا چاہتی ہو یا تمہاری اپنی محبتوں میں کمی ہوگئی ہے، سنا تھا جدائی محبت کی کسوٹی ہوتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں اس کسوٹی پر...... خیر جانے دو۔ ایسی کوئی بات میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ لیکن اتنا بتا دو اس گریز کی وجہ کیا ہے۔ میں نے کتنے ارمانوں سے گھر فون کیا تھا۔ سوچا تھا کہ اتنے دن بعد تمہاری مدھم تانوں سے بجی آواز اپنی سماعتوں میں اس طرح سے جذب کرلوں گا کہ اگلے کئی دن سکون واطمینان سے سرشار رہوں گا۔ لیکن علم ہوا کہ تم نے مجھ سے فون پر بات کرنے سے انکار کردیا ہے اجالا......!

میں کیا سمجھوں مجھے اتنا تو سمجھا دو

اپنی ہر دعا تمہارے نام لکھتا

آذر

اس نے افسردگی سے کئی بار خط پڑھا پھر لفافے میں رکھ کر اس کے باقی خطوط کے ساتھ رکھ دیا۔

''تمہیں کیا سمجھاؤں آذر، میرے تو اپنے اردگرد سوالیہ نشان بکھرے ہوئے ہیں۔''

''آذر کا خط آیا ہے۔'' مہ جبیں مارکیٹ سے لوٹ کر بڑی مسرت سے میز پر رکھا لفافہ اٹھایا تھا۔

''تمہارے نام بھی تو آیا ہوگا ناں۔'' لفافہ چاک کرتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔

''نہیں۔'' اب وہ بڑی آسانی سے جھوٹ بول لیا کرتی تھی ''صرف ایک ہی خط تھا۔''

''حیرت ہے۔'' وہ خاموش ہو کر اس کا خط پڑھنے لگی۔

''کیا لکھا ہے۔''

ضوفشاں کے پوچھنے پر اس نے خط اسے دے دیا۔ وہی عام سی باتیں تھیں۔ اپنا حال بتایا تھا۔ سب کا پوچھ لیا تھا۔ مہ جبیں سے کچھ مذاق کیے تھے۔

''اس دفعہ اس نے تمہیں خط کیوں نہیں لکھا؟۔'' مہ جبیں کو حیرانی تھی۔

''ناراض ہو گیا ہے شاید۔'' وہ ہولے سے ہنسی۔

''ہاں شاید اور ہونا بھی چاہیے تم نے کتنا ظلم روا رکھا ہے بے چارے کے ساتھ نہ اسے خط لکھتی ہو نہ فون پر بات کرنا چاہتی ہو، چاہتی کیا ہو آخر۔'' وہ غصے سے پوچھنے لگی۔

''آپ نے کیسا جوڑا پسند کیا؟'' اس نے بات بدل دی۔

''ارے ہاں ضوفی میں نے گہرے لال رنگ کا جوڑا پسند کیا ہے۔ ہرا بارڈر ہے اور بھاری کام ہوا ہے اس پر، ویسے کے لیے فیروزی اور آف وہائٹ کنٹراسٹ بتایا ہے ٹھیک ہے ناں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرا دی ''آپ ویسے بھی ہر رنگ میں بجتی ہیں۔''

''اب بناؤ مت۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''میں نہیں، عاصم بھائی کہہ رہے تھے۔''

''کب؟'' وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی اور پھر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی شرارت دیکھ کر شرمندہ ہو گئی ضوفشاں ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس سے لپٹ گئی۔

''ارے ضوفشاں۔'' مہ جبیں کو جیسے کچھ خیال آیا۔

''ایک بات تو بتائی ہی نہیں۔''

''ایسی کون سی خاص بات ہے''

''اس کے لہجے میں اشتیاق محسوس کر کے وہ بولی۔

''یاد ہے وہ جوڑا جو عالم شاہ نے تمہیں بھیجا تھا آج میں نے دیکھا بالکل ویسا ہی رنگ ویسا ہی کام ایک بڑی سی دکان کے شوکیس میں لگا تھا میں نے قیمت پوچھی اور بے ہوش ہوتے ہوتے بچی، چالیس ہزار کا جوڑا ہے وہ۔''

''چالیس ہزار'' ضوفشاں کے ہوش اڑ گئے ''کیا سونے سے بنا ہوا تھا؟''

''بہت قیمتی اور نازک کام ہے اس پر، کپڑا نظر ہی کہاں آتا ہے شیڈ جھلکتا ہے۔''

اور ضوفی وہ ملتانی سیٹ اسی سے ملتا جلتا قدرے ہلکا سیٹ تیس ہزار کا ہے۔ تو سوچو وہ بھاری سیٹ کتنا قیمتی ہو گا۔ اور پھر وہ کڑے پورا لاکھ روپیہ خرچ کر ڈالا تھا تم پر تمہارے سید عالم شاہ نے۔''

''ہم نے کون سا رکھ لیا اس کا لاکھ روپیہ۔'' وہ چڑ گئی۔ ''منہ پر تو دے مارا اور آپ کیا مارکیٹ میں عالم شاہ کی مارکیٹ ویلیو معلوم کرتی پھر رہی تھیں۔'' مہ جبیں کو ہنسی آ گئی۔

''نہیں بھئی، اتفاقاً نظر پڑ گئی چیزوں پر تو میں نے قیمت پوچھ لی ہمیں کیا اس سے اور اس کی دولت سے۔''

''ویسے آپا ایک بات ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''امیر آدمی سے شادی کرنے میں بھی ایک الگ ہی چارم ہے اب دیکھیں ناں منگنی میں ایک لاکھ کا سامان اس پورے محلے میں بھی کسی لڑکی کا آیا ہو گا۔''

''ہیں۔'' مہ جبیں نے اسے غور سے دیکھا ''ہوش میں تو ہو زیادہ چارم تلاش مت کرو اور اتنی ہی دولت کو کافی سمجھو جو محترم آذر صاحب تمہارے لیے دن رات ایک کر کے کما پائے گا۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''آذر ساری عمر لگا دے ناں آپا، تو عالم شاہ کی دولت کا دسواں حصہ بھی نہیں کما پائے گا۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''پھر لکھ دوں اسے؟'' اس نے دھمکی دی ''کہ کمانا و مانا چھوڑو اور پہلے یہاں آ کر اپنی منگیتر سنبھالو جس کا دل سید عالم شاہ کی دولت کھینچ

رہی ہے۔"

"صرف دولت نہیں، وہ ہینڈسم بھی بہت ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔

مہ جبیں نے اسے تکیہ کھینچ مارا۔

"میرے معصوم دیور کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو حشر کردوں گی تمہارا۔"

"ارے واہ ابھی تو شادی میں بھی پورے بیس دن ہیں اور بہن کو بھول بھال دیور کی ہوگئیں۔ یہ لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں بے وفا۔" اس نے تکیہ کیچ کیا۔

"ضوفی۔" پھر وہ یکلخت اشتیاق سے بولی' واقعی بہت ہینڈسم ہے وہ شاہ؟"

"ضوفشاں ہنس دی۔

'ہاں ہے تو' کیوں آپ کو کیوں تجسس ہوا؟۔"

"شوق تو ہے مجھے اس کو دیکھنے کا لیکن خدا نہ دکھائے۔" پھر وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"خدا نہ دکھائے۔" اس نے زیرلب اس کی بات کو دہرایا اور سوچنے لگی' ہاں واقعی کیا ایسا نہیں ہوسکتا عالم شاہ کہ تم مرجاؤ، اچانک ہی کوئی مہیب حادثہ تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لے، گاڑی تیزی سے چلاتے ہوئے اچانک ہی تمہاری آنکھوں میں دھند اتر آئے، تمہارا راستہ اندھیروں میں ڈوب جائے۔ تم کسی گہرے کھڈ میں جا گرو اور کوئی تمہاری لاش بھی وہاں سے نہ نکالے۔ اے خدا ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔" اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی۔

"کیا سوچنے لگیں؟۔" مہ جبیں اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔" وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

✿.....✿.....✿

بڑی محنتوں، بڑی محبتوں، بڑی دعاؤں کے ساتھ اس نے مہ جبیں کو تیار کیا تھا۔ اور جب مکمل تیار کر کے اس نے اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھے تو سارے ضبط حوصلے جواب دے گئے۔

دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر تمام تر شدتوں سے رودیں۔

'آپ میری پیاری آپا۔" وہ کہے جارہی تھی۔

"ضوفی ضوفی۔" ادھر سے بھی ایک ہی تکرار تھی۔ کتنے لمحے تھے جو ساتھ دیے تھے ہنستے ہوئے مسکراتے ہوئے، کتنی خوشیوں کو بانٹا تھا کتنے غموں میں ایک دوسرے کے کاندھوں کو سہارا دیا تھا۔

"ضوفشاں بہت بری بات ہے۔" مینا نے دونوں کو علیحدہ کیا۔ "اسے تو رونا آنا ہی آنا ہے، تم بجائے اسے حوصلہ دینے کے، چپ کرانے کے خود دیوانوں کی طرح رورہی ہو۔"

"مجھے رونے دو۔" وہ بگڑی "میری آپا ہمیشہ کے لیے پرائی ہوگئیں میں رووٴں بھی نہیں۔"

"اچھا بے شک رووٴ اسے بھی رلاوٴ اور اپنی تین گھنٹے کی محنت مٹی کرلو دیکھو اس کا کاجل پھیل رہا ہے۔"

"ضوفشاں نے اسے غور سے دیکھا اور جھٹ آنسو پونچھ ڈالے۔

"بس آپا اب رونا نہیں تمہارا تو کچھ نہیں جائے گا عاصم بھائی میری گردن پکڑ لیں گے کہ میری معصوم صورت بیوی کو چڑیل کیوں بنا ڈالا۔"

مہ جبیں روتے روتے ہنس دی۔

''ویری گڈ۔'' مینا نے دونوں کو شاباش دی۔

''چلو ضوفی اب تم بھی فٹافٹ تیار ہو جاؤ بارات آتی ہو گی۔''

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ یہاں دوسرے حصوں کی نسبت سکون تھا۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ بستر پر بیٹھ گئی اور ایک بار پھر رونے لگی۔

مہ جبیں سے بچھڑنے کا دکھ، آذر سے بچھڑنے کا دکھ، عالم شاہ کی بخشی مہلت ختم ہونے کا خوف، ہر کسی کا سامنا کرنے کا ڈر، بے شمار مرحلوں سے گزرنے کا ڈر، اس کی تنہا اکیلی جان پر کتنے اندیشے سوار تھے۔ کسی کو اندازہ تک نہ تھا اسے بیٹھے بیٹھے لگتا کہ بس اب وہ مر جائے گی پورا دن اندھے واہموں سے لرزنے لگتا اندر جسم کی عمارت ٹوٹ ٹوٹ کو جھڑنے لگتی۔ وہ بکھرنے لگتی۔

''آہ۔'' اس نے درد سے چیختے کاندھوں اور گردن کو ہاتھوں سے دبایا'' کون سی منحوس گھڑی تھی عالم شاہ جب تم سے سامنا ہوا تھا، میری ذات کو اس سے وابستہ خوشیوں کو کس بے دردی سے کچلا ہے تم نے، اپنی زندگی کے بے رنگ خانوں میں رنگ بھرنے کے لیے مجھے مہندی کی طرح سے پیس ڈالا ہے۔ اپنی ہستی کو فنا کر کے تمہیں رنگینیاں دوں، کیوں کس لیے؟''

اپنے آپ سے سوال کرتے کرتے وہ تھک گئی پھر اٹھ کر تیار ہونے لگی۔

کتنا خوش ہونا چاہیے تھا اسے اس موقع پر، کتنی بڑی خواہش پوری ہو رہی تھی اسکی، اس کی آپا دلہن بنی تھیں، عاصم بھائی اس کے پیارے بھائی کتنا خوبصورت رشتہ بن رہا تھا ان سے، اور آذر! ان کے دل مزید کتنے قریب ہو جاتے۔

لیکن وہ کیسے خوش ہوتی، خوشیوں اور اس کے بیچ عالم شاہ اپنے پورے غرور کے ساتھ کھڑا تھا۔

وہ تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھتی رہی۔ اس نے اور آذر نے اس موقعے کے لیے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ بڑی باتیں کر رکھی تھیں۔ بڑی منصوبہ بندیاں کی تھیں۔

''عاصم بھائی اور مہ جبیں کی شادی میں میرے حصے کی باتیں بھی تم کر لینا ہر رسم میں میری جانب سے حصہ لینا۔''

''میرا تو تمہاری زندگی ہی میں کوئی حصہ نہیں رہا آذر۔'' سرد آہ بھر کر اس نے سوچا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

سب کچھ سکون کے ساتھ طے پا گیا۔ مہ جبیں اس کی اماں کی ابا کی بے شمار دعائیں سمیٹ کر عاصم بھائی کے سنگ چل دی۔

وہ دہلیز پر سسکتی اماں کو سمجھاتی، چپ کراتی، ساتھ اپنے آنسو بھی پونچھتی رہی۔

''بیٹا! اپنی اماں کو اندر لے جاؤ لٹا دو اسے۔''

''ابا اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر چلے گئے وہ اماں کو سہارا دے کر اندر لے آئی اور انہیں پانی پلا کر ان سے باتیں کر کے ان کا دھیان بٹانے لگی۔ لیکن اس کا اپنا دھیان کسی اور فضا میں تیر رہا تھا۔

✿......✿......✿

دوسرے دن وہ اماں، ابا کے ساتھ مہ جبیں سے ملنے گئی تھی۔

ابا پھوپھا کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھے اور اماں، پھوپھی کے ساتھ، وہ موقع پا کر مہ جبیں کو تنگ کر رہی تھی۔

''سچ سچ بتائیں آپا کیا کیا باتیں کیں عاصم بھائی نے، مجھے یقین ہے ان کے پیٹ میں پوری گز بھر کی داڑھی ہے اوپر اوپر سے معصوم بنتے ہیں اندر پورے ہوں گے۔ بتائیں ناں اظہار عشق کیسے فرمایا۔''

''توبہ ہے ضوفی تم تو بڑی بے شرم لڑکی ہو۔'' وہ چڑ گئی۔

''ارے واہ، انہوں نے باتیں بگھاریں، آپ نے سنیں اور بے شرمی کا لیبل مجھ پر۔'' وہ اچھلی، مہ جبیں کو ہنسی آ گئی۔

''ارے ضوفی چندا کیا پوچھنا ہے تم ڈائریکٹ مجھ سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔'' عاصم بھائی اندر آتے ہوئے بولے۔

وہ سر کھجا کر رہ گئی۔

''اب بولو۔'' مہ جبیں نے اسے کہنی ماری۔

''عاصم بھائی کیسا تیار کیا تھا میں نے؟'' اپنی کارکردگی پر داد وصول کرنے کا موقع ملا۔

''ہائیں تو وہ تم تھیں۔'' انہوں نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا ''بولو کیا سزا دوں۔'' وہ حیران ہوئی۔

''یعنی مجھے رات کو ڈرانے کا منصوبہ بنایا تھا دونوں بہنوں نے۔''

مہ جبیں کھلکھلا کر ہنسی جب کہ وہ ناراض ہو گئی۔

''اچھا تعریف کے دو لفظ تو کہے نہیں گئے الٹا ہمیں مجرم ٹھہرا دیا۔ کوئی بات نہیں آج شام ولیمے میں دیکھتی ہوں کیسے تیار ہوتی ہیں آپ کی بیگم اطلاعاً عرض ہے کہ انہیں لپ اسٹک پکڑنی بھی نہیں آتی۔''

''ارے......رے......رے ناراض ہو گئی ہماری بہن، بھئی تم نے ایسا غضب کا سجایا تھا انہیں کہ جب انہوں نے منہ دھویا تو میری تو چیخ نکل گئی۔ ایسے ڈرا تھا میں، تمہارے کیے گئے میک اپ کو الزام تھوڑا ہی دیا تھا میں نے۔'' انہوں نے وضاحت کی۔

اب مہ جبیں کے ناراض ہونے کی باری تھی جب کہ وہ زور سے ہنسی تھی۔

''ارے بھئی بچو! جلدی آؤ۔'' پھوپھا تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے ''آذر کا فون آیا ہے۔''

''آچھا......آؤ جبیں، ضوفی بات کرتے ہیں۔'' عاصم بھائی اٹھ کر تیزی سے کہتے ہوئے نکل گئے۔

''چلیے محترمہ۔'' مہ جبیں نے اسے چھیڑا ''کچھ اپنی کہہ لیں کچھ ان کی سن لیں۔''

''مہ جبیں کے جانے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھی رہی دل بری طرح سے دھڑکنے لگا تھا اتنے دن بعد اس دشمن جان کو سننے کا خیال اس کے ہاتھوں پاؤں سرد کیے دے رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا کہے گی۔ کس سوال کا جواب دے گی۔

کچھ دیر بعد مہ جبیں پلٹ کر آئی۔

''ہوں، تو بڑی چالاک ہو گئی ہے میری بہن۔'' وہ ہنس کر بولی۔

ضوفشاں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''دیر لگائی تا کہ سب بات کر لیں تو اطمینان سے اکیلے میں باتیں کرو۔''

''نہیں آپا'' اس نے بولنے کی کوشش کی۔

''چلو جلدی آؤ سب بات کر چکے ہیں کمرے میں کوئی نہیں ہے تم آرام سے بات کر لو۔''

''آپا'' اس نے التجا سی کی ''مجھے ڈر لگ رہا ہے اسے کہو میں آئی ہی نہیں ہوں۔''

''ارے'' وہ ہنس دی ''پاگل ہو گئی ہو ضوفی وہ آذر ہے، وہی آذر جس سے تم گھنٹوں باتیں کرتی تھیں اور تمہاری باتیں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں۔ چلو شاباش وہ بلا رہا ہے تمہیں۔''

مرے مرے قدموں سے وہ دوسرے کمرے میں آئی عاصم نے ریسیور تھمایا اور گڈ لک کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ریسیور کان سے لگا کر اس نے تھوک نگلا۔

''ہیلو......''

''اجالا۔''

اس ایک لفظ میں کتنی شدتیں کتنے اظہار تھے، اس سے کچھ پوشیدہ نہ تھا۔

''کیسی ہو اجالا؟۔''

''تم کیسے ہو آذر۔'' اس نے اپنا حال چھپالیا ''ٹھیک ہوناں۔''

''بس اس طرح جینے کو اگر ٹھیک ہونا کہتے ہیں تو میں بالکل ٹھیک ہوں'' وہ دھیمے سروں میں بولا'' کچھ پوچھ سکتا ہوں تم سے۔''

''آذر'' اسنے آنکھیں سختی سے بند کرلیں'' کتنے دن ہو گئے ہیں ناں تمہیں گئے ہوئے۔''

''اچھا'' وہ ہنسا'' تمہیں شاید آج مجھے سن کر یہ احساس ہوا ہے۔''

''طنز کر رہے ہو؟۔''

''نہیں، اچھا جانے دو۔'' پھر اس نے خود ہی جون بدل لی'' آج میں اتنا خوش ہوں کہ تم سے کوئی شکوہ بھی نہیں کروں گا شادی میں مزا آیا؟۔''

''نہیں۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔

''کیوں؟۔'' وہ حیران ہوا پھر ہنس دیا'' میں نہیں تھا اس لیے ناں''

''نہیں اس بات کو تو میں نے محسوس بھی نہیں کیا بس مزا کیا آنا تھا جیسے تیسے ہو گیا سب کچھ۔''

وہ تھوڑی دیر کے لیے بالکل، خاموش ہو گیا پھر بولا۔

''مجھے یاد کرتی ہو اجالا؟۔''

''پتا ہے آذر اتنی مصروفیت میں یہ عرصہ گزرا ہے کہ مجھے ہوش نہیں تھا کہ میں تمہیں کیا یاد کرتی تم بھی تو وہاں مصروف رہتے ہوگے ہے ناں۔''

''ہاں، رہتا تو ہوں، لیکن جنہیں یاد آنا ہو وہ مصروفیت کہاں دیکھتے ہیں، تمہاری مصروفیت شاید کچھ انوکھی تھی۔'' وہ بالکل مرجھا گیا تھا۔

وہ کچھ بولی نہیں ہولے سے ہنس دی۔

''کچھ بات نہیں کرو گی؟۔'' کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔

''کیا بات کروں سمجھ میں نہیں آ رہا تمہارا ابھی تو بل بن رہا ہوگا ناں۔'' وہ چپ ہو گیا پھر بولا۔

''اچھا اجالا خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

اس نے پہلے ہی ریسیور رکھ دیا۔ پھر سر جھکا کر بری طرح ہانپنے لگی۔ کیا قیامت گزر گئی تھی اس پر وہ خود ہی جانتی تھی۔

اسے سنا، محسوس کیا پھر بھی کھنچی رہی۔ اسے ستاتی رہی اس کا دل توڑ دیا۔

''کیا کچھ نہیں کیا تھا اس نے ان چند لمحوں میں۔

''صرف تمہاری ہی نہیں بہت سے لوگوں کی خوشیوں اور بہتری کے لیے۔''

اس نے سوچا اور آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں کو سختی سے رگڑ دیا۔

''تم کیوں چلے آتے ہو بار بار کم از کم مجھے بہادر تو بنا رہنے دو۔''

اپنے آنسوؤں سے لڑتی وہ اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔

✡......✡......✡

کیا ہے پیار جسے ہم نے زندگی کی طرح
وہ آشنا بھی ملا ہم سے اجنبی کی طرح
ستم تو یہ ہے کہ وہ کبھی بھی نہ بن سکا اپنا
قبول ہم نے کیے جس کے غم خوشی کی طرح
بڑھا کے پیاس مری اس نے ہاتھ چھوڑ دیا
وہ کر رہا تھا مروت بھی دل لگی کی طرح
کبھی نہ سوچا تھا ہم نے قتیل اس کے لیے
کرے گا ہم پہ ستم وہ بھی ہر کسی کی طرح

ہاتھوں میں لرزتے کاغذ پر اس کے کئی آنسو گرے اور اپنے نشان چھوڑ گئے۔ نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں میں دبائے وہ کسی بے جان بت کی طرح سے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ صرف بہتے آنسو تھے جو اس بے جان بت میں زندگی ہونے کا ثبوت تھے۔

ابھی کچھ دیر قبل ڈاک سے اسے آذر کا خط موصول ہوا تھا اسنے صرف لفافے پر اس کا نام لکھا تھا اندر خط میں کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر محض چند اشعار تحریر تھے۔ لیکن ہر ہر لفظ اپنے اندر اس کے ذہنی کرب اور تکلیف کا گواہ تھا۔ ہر شعر میں آذر کا ذہنی انتشار پوشیدہ تھا۔

اس کا سرد رویہ اس کے لیے کن اذیتوں کا موجب بنے گا۔ اسے پہلے سے علم تھا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ جو کام وہ کرنے جا رہی تھی وہ آذر کی زندگی میں ایسی تلخیاں گھول دے گا کہ ساری عمر اسے اپنی سانسوں میں زہر کی آمیزش محسوس ہوا کرے گی۔ لیکن وہ مجبور تھی۔ نہ صرف اس کی بلکہ بہت سے لوگوں کی خوشیاں بھی اس کے اسی فیصلے میں پنہاں تھیں اور خود اسے بہت حوصلے سے کام لینا تھا۔

آنسو پونچھ کر اس نے خط لفافے میں رکھا اور حسب معمول اس کے باقی خطوں کے ساتھ رکھ دیا۔ فی الوقت وہ گھر میں تنہا تھی۔ مہ جبیں اور عاصم بھائی چھٹیاں گزارنے گئے ہوئے تھے اور پھوپھی جان نے اماں اور ابا کو ملنے کے لیے بلوالیا تھا۔ اماں نے اسے بھی چلنے کا کہا تھا لیکن وہ ٹال گئی اب اس کا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہا کرتا تھا اور پھوپھی اماں کے گھر جا کر تو سانس لینا دشوار لگتا تھا، ہر چیز سے آذر کی یاد جیسے روشنی بن کر نکلا کرتی تھی۔

بہت دیر تک وہ صحن میں ستون سے ٹیک لگائے کھڑی رہی آذر کا خط ملتے ہی بیک وقت کتنی ہی یادیں اس پر حملہ آور ہوا کرتی تھیں۔

یہی صحن تھا جہاں وہ آکر بیٹھتا تھا، تو ہر سو رونقیں بکھر جایا کرتی تھیں اس کی مسکراہٹیں اس کی شرارتیں اس کی نظریں ضوفشاں کے آنچل سے بندھی رہا کرتی تھیں۔

اس کی نظروں نے صحن سے باورچی خانے تک کا سفر طے کیا۔

کبھی کبھی وہ باورچی خانے کے دروازے میں آکر کھڑا ہو جاتا تھا اور وہ منتیں کر کے اسے اندر جانے پر مجبور کیا کرتی کبھی وہ برآمدے میں موڑھے پر بیٹھا مہ جبیں کے کان کھاتا رہتا کبھی اندر کمرے میں اس کے پاس دھم سے بیٹھ کر اسے ڈرا دیتا تھا۔

ضوفشاں کو لگا وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جائے گی اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''آذر......آذر......کیا میں کبھی سوچ سکتی تھی کہ میری ہتھیلیوں میں یہ جو قسمت کی لکیر ہے اس پر کہیں بھی تمہارا نام درج نہیں آہ میرے خدا! تو نے قسمت کی لکیر، دل کی لکیر سے الگ کیوں بنائی ہے۔''

''کال بیل کی آواز اگر نہ گونجتی تو شاید اسے ہسٹریا کا دورہ پڑ جاتا۔ بیل کی آواز پر وہ چونک کر اصل دنیا میں لوٹ آئی، تھوڑی دیر پھٹی پھٹی نظروں سے اس نے بند دروازے کو دیکھا پھر ایک گہرا سانس اس کے اندر سے نکلا۔

مرے ہوئے قدموں سے خود کو گھسیٹتی وہ دروازے تک پہنچی۔

''کون۔'' تھکے ہوئے لہجے میں اس نے دریافت کیا تھا۔

''دروازے کھولو روشنی میں ہوں عالم شاہ۔'' باہر سے آتی آواز پر وہ جامد ہو گئی۔

''عالم شاہ۔'' اس نے دہرایا ''عالم شاہ''

اس کے ذہنی کیفیت اس وقت بالکل درست نہیں تھی۔ دماغی رو بیک وقت کئی سمتوں میں بہہ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

سفید شلوار قمیص پہنے، کاندھوں پر میرون شال ڈالے وہ دروازے کی چوکھٹ تھامے کھڑا تھا۔ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ پھر اس کے لب دھیرے سے ہلے۔

''تم......تم زندہ ہو۔'' وہ اس پر نگاہیں جمائے دماغی طور پر کہیں اور تھی۔

''ہوں۔'' اس نے استعجاب سے سر کو ہلکی سی جنبش دی ''ظاہر ہے''

''میں نے تو...... میں نے تو بہت دعا کی تھی۔'' اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''میری زندگی کی؟۔'' وہ دھیرے سے ہنسا اور اندر آ گیا۔ ''میری فکر مت کرو روشنی، تمہیں پائے بغیر میں مرجاؤں ممکن نہیں اور تمہیں پا کر مرجاؤں تو اس کی مجھے پروا نہیں۔''

''میں نے دعا کی تھی کہ تم...... کہیں بھی نہ رہو۔'' عالم شاہ نے اس مرتبہ اسے حیرانی سے دیکھا۔

''تم......تم ٹھیک ہو؟۔''

وہ اپنی سابقہ کیفیت سے باہر نہ آ سکی تو اس نے آگے بڑھ کر اسے دونوں کاندھوں سے تھام لیا۔

''روشنی!۔'' عالم شاہ نے اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔

وہ کسی خواب کے دائرے سے باہر نکل آئی۔ آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کر لیا۔

''تم۔''

''ہاں میں آ گیا ہوں۔'' وہ مسکرایا ''حسب وعدہ تمہاری بہن کی شادی کے بعد۔''

''کیوں؟۔'' اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تمہارے والد سے ملنے'' اس نے کندھے اچکائے ''کہاں ہیں وہ؟''

''پھر اس نے مڑ کر آواز دی۔

''غلام علی۔''

''حاضر سائیں۔''

اگلے ہی لمحے دو مستعد ملازم دو ٹوکروں کے ہمراہ دروازے پر تھے۔

''ہاں، رکھو یہاں۔''

اس نے یوں ٹوکرے صحن میں رکھوائے جیسے اپنے ذاتی گھر میں کھڑا ہوا۔

''یہ شگون کی مٹھائی ہے۔'' ان دونوں کے جانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا ''میرا خیال ہے لڑکی والوں سے تاریخ طے کرنے جاتے ہیں، تو میٹھی چیز شگون کے طور پر لے جاتے ہیں اینی وے جو کچھ مجھے علم ہوا ویسا کرنے کی میں نے کوشش کی تم اپنے والد سے کہو سید عالم شاہ آیا ہے۔

وہ خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

اس شخص کو اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا کہ وہ کیا سوچتی ہے۔ کیا چاہتی ہے، اس کی اپنی ایک زندگی ہے، اپنی ایک مکمل ذات ہے غم و غصے کا

ایک طوفان اٹھا جس نے اس کو پوری شدت سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔تھوڑی دیر تک اس نے بڑے غیض وغضب کے انداز میں اسے گھورا پھر لب کھولے مگر کچھ کہہ نہ سکی۔

عالم شاہ کے پیچھے سے ابھرتے اماں اور ابا کے وجود اس کی نگاہوں کی زد میں آئے اور وہ اندر سے بالکل ڈھے کر رہ گئی۔

''ابا......آ گئے ہیں۔''اس نے عالم شاہ پر نگاہ کی''جو بات کرنی ہے کر لیجئے۔''

اس سے قبل کہ اماں یا ابا میں سے کوئی اس عالم شاہ کی بابت استفسار کرتا وہ پلٹی اور بغیر رکے اپنے کمرے میں جا پہنچی۔

بستر پر بیٹھ کر اس نے صحن کا منظر اپنے ذہن میں تازہ کیا۔دروازہ اماں ابا کو کھلا ملا تھا۔وہ بغیر دوپٹے،سارے بال بکھرائے مٹھائی کے ٹوکروں کے قریب کھڑی تھی اور عالم شاہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کے انتہائی پاس کھڑا تھا اتنے قریب کہ اس کی گرم سانسوں کو اس نے اپنی پلکوں پر بکھرتا محسوس کیا تھا۔

''بس۔''سر اٹھا کر چھت کو گھورتے ہوئے اس نے سوچا''اب اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔''

''چند لمحے نہ گزرے تھے کہ اماں اندر آ گئیں۔

'ضوفشاں یہ یہاں کیوں آیا ہے۔''ان کے لہجے میں چھپی درشتی اس نے صاف محسوس کی۔

''وہ عالم شاہ ہیں اماں۔''اس سے نظریں نہ اٹھائی گئیں۔

''جان چکی ہوں لیکن یہ آیا کیوں ہے، پھر یہ ٹوکرے کیوں اٹھا لایا اور تم نے دروازہ کیوں کھولا ، کیا اس لیے چھوڑ کر گئی تھی تمہیں۔''

''کہاں ہیں وہ؟''اس نے ہر بات کو یکسر نظر انداز کر کے پوچھا۔

''بیٹھک، میں تمہارے ابا کو پچھلی باتوں کا کیا علم لے گئے وہ اسے عزت سے وہاں بٹھانے اب نجانے کیا کچھ بتائے گا وہ انہیں......

اور......میں پوچھ رہی ہوں تم نے اسے اندر کیوں آنے دیا وہ اتنا لمبا چوڑا غیر مرد تمہیں ذرا خوف نہ آیا؟''

''اماں جائیں انہیں چائے بنا دیں۔''اس نے تکیے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''ہائیں دماغ تو درست ہے تمہارا چاہتی کیا ہو؟''

''کیا چاہتی ہوں۔''اس نے زیر لب دہرایا''بہت سی خوشیاں بہت سا اطمینان بغیر کسی ڈر اور خوف کے ایک خوبصورت زندگی کیا مل جائے گی اماں؟''اس نے ان پر نگاہیں جما کر پوچھا۔

اماں چند لمحے اسے گھورتی رہیں پھر بولیں۔

''میں کہتی ہوں لڑکی دماغ چل گیا ہے تمہارا۔اس عمر میں یہی ہوتا ہے،جس چیز سے متاثر کرنا چاہتا تھا وہ تمہیں،شاید کر چکا لیکن یاد رکھو کچھ الٹا سیدھا نہیں ہو گا۔''

وہ مڑیں اور بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

اماں نے اس کی بات کا قطعاً الٹ مطلب اخذ کیا تھا۔لیکن اسے پروا نہ تھی۔کھیل شروع ہو چکا تھا اور اس کے پاس ایسا کوئی منتر نہ تھا جسے پڑھ کر وہ اس کھیل کو روکتی۔یہ قسمت کا کھیل تھا۔تقدیر کا الٹ پھیر تھا۔

وہ اٹھی، دوپٹا اوڑھا، بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دی اور باہر نکل کر بیٹھک کی طرف چل دی۔

''دیکھیے صاحب آپ یقیناً مغالطے کا شکار ہیں۔''اندر سے آتی ابا کی آواز پر وہ رک گئی۔

''میں مغالطوں کا شکار نہیں ہوتا۔''وہ بڑے سکون سے بولا تھا''میں اپنے ہاتھوں سے آپ کی بیٹی کو انگوٹھی پہنا چکا ہوں اور وہ یہ رشتہ تسلیم کرتی ہے۔''

''دیکھیے آپ میرے مہمان ہیں میرے گھر میں بیٹھے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ آپ سے بداخلاقی سے پیش آؤں لیکن آپ بار بار میری بیٹی

کا ذکر مت کریں، وہ ایک شریف حیادار لڑکی ہے اور میری بہن کے بیٹے سے منسوب ہے، اس کی اپنی پسند اس منگنی میں شامل ہے، میں اس بات پر قطعاً یقین نہیں کر سکتا جو آپ بار بار دہرا رہے ہیں۔''

''آپ میرے بزرگ ہیں۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی تپش تھی ''میں بھی نہیں چاہتا کہ آپ سے کوئی بدتمیزی کروں لیکن میں نہ جھوٹ بولنا پسند کرتا ہوں نہ سننا، اب اس جھگڑے کو ختم کریں اور تاریخ طے کریں۔''

''ارے بیٹا کمال کرتے ہو۔'' اماں بگڑ کر بولی تھیں۔

''کیوں بلا کی طرح گلے پڑ گئے ہو ہمارے، کہہ جو دیا ہماری بیٹی۔''

''اماں۔'' وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔

اماں کی بات ان کے لبوں میں ہی دم توڑ گئی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔ ابا بھی ایک ٹک اسے گھور رہے تھے۔ کسی غیر مرد کے سامنے وہ یوں اندر چلی آئے گی۔ انہوں نے دیکھا کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے جو منظر انہوں نے دیکھا تھا اسے سر جھٹک کر ایک اتفاق کا نام دے ڈالا تھا لیکن اس وقت وہ انہیں اپنی بیٹی نہیں کوئی غیر، پرائی لڑکی لگی۔ جس کے تیور سمجھنے سے وہ قاصر تھے۔

''اماں۔'' وہ ان سے مخاطب تھی۔ ''ان سے اس طرح کی بات مت کریں ابا یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں نے خود اپنی مرضی سے ان سے منگنی کی ہے۔ آپ ان سے وہ بات کر لیں جو یہ کرنے آئے ہیں......''

صوفے کی پشت پر دونوں بازو پھیلائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ بڑی شان سے مسکرا رہا تھا۔ ضوفشاں نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور اماں اور ابا کو ہونق بیٹھا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

✿.....✿.....✿

رات نجانے کتنی گزر چکی تھی۔ چاند آسمان کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔

دکھتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس نے آسمان کو دیکھا پھر سر جھکاتے ہوئے اس کی نظر ستون کے قریب کھڑے ابا پر جا رکی۔ ان کے کاندھے جھکے ہوئے تھے اور وہ اچانک بے حد بوڑھے لگنے لگے تھے۔

''ضوفشاں'' وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئے اور بیٹھ گئے۔

اردو ادب کے مشہور افسانے ۲

اردو ادب کے مشہور افسانے (جلد دوم) بھی کتاب گھر پر دستیاب ہے جس میں شامل افسانے ہیں: (کالی بلا شوکت صدیقی)؛ (قیدی، ابراہیم جلیس)؛ (اخروٹ جھا چوہا بھیس، ممتاز مفتی)؛ (سیب کا درخت، بوتل کا جن اے۔حمید)؛ (فاصلہ، واجدہ تبسم)؛ (ادھا، گلزار)؛ (مجید کا ماضی، پوجا پھڈے باز، سعادت حسن منٹو)؛ (مادر زاد، خواجہ احمد عباس) (بدام رنگی، بلونت سنگھ)؛ (بیہودہ خاوند، کنہیا لال کپور)؛ (عجیب قتل، ش۔م۔جمیل)؛ (اوپر گوری کا مکان، آغا بابر)؛ (لاٹری، منشی پریم چند)؛ (صاحباں مرزا، علی حیدر ملک)؛ (دل ہی تو ہے، بھنور، گوندنی، غلام عباس)؛ (مولوی مہرباں علی، ابن انشاء) (لیمن جوس، چترسین)؛ (غیر قانونی مشورہ، لوحِ مزار، موپاساں)؛ (سوتی سالگرہ، اشفاق احمد)؛ (ایک تھی فاختہ، محمد منشا یاد)۔

یہ کتاب **افسانے** سیکشن میں پڑھی جا سکتی ہے۔

''یہ سب کیا ہے بیٹی؟''

''تقدیر کا ایک چکر ہے ابا۔'' سرد آہ بھر کر اس نے سر جھکا لیا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا؟ کس بات نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا، کیا اس نے تمہیں ڈر یا ہے بیٹی؟ کوئی دھمکی ہے؟ مجھے بتاؤ میں باپ ہوں تمہارا۔''

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ نجانے کہاں سے اس نے اتنی ہمت حاصل کی کہ خاموش بیٹھی رہی۔ آنسوؤں کو آنکھوں کے قریب بھی نہیں آنے دیا۔ ورنہ دل تو کہتا تھا کہ ان سے لپٹ جائے اور چلا چلا کر روئے ان سے کہے کہ ابا مجھے بچالو، مجھے کہیں چھپادو ابا جہاں سے عالم شاہ مجھے کبھی نہ ڈھونڈ سکے۔ میں ساری عمر وہاں دبکی بیٹھی رہوں۔

لیکن وہ خاموش بیٹھی رہی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی جس درخت کی چھاؤں میں اس نے اپنی زندگی گزاری ہے وہ اب اتنا پرانا اور شکستہ ہو چکا ہے کہ اپنا بوجھ بھی بمشکل برداشت کیے کھڑا ہے۔ اندر سے وہ کھوکھلا اور بے سکت ہے۔ لڑکیوں کا بوجھ کس قدر جلد انسان کے کاندھے جھکا دیتا ہے۔ وہ انہیں یہ بھی نہ بتا سکی کہ اس نے خود کو زندہ رکھا بھی تھا تو محض ان کے لیے، ان کے نام کو بٹہ نہ لگ جائے ان کی عزت پر کوئی حرف نہ آئے۔ کیا کیا بتانا چاہتی تھی وہ ابا کو، لیکن اس نے کہا۔

''ابا، وہ بہت اچھے آدمی ہیں، مجھے پسند ہیں اور اور میں خود ان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے سر پر دھرا ابا کا ہاتھ پھسل گیا۔

''ابا، آذر مجھے پسند ہے لیکن محض ایک پھوپھی زاد بھائی کے رشتے سے، ایک اچھے دوست کی طرح۔ لیکن سید عالم شاہ میں تو وہ سب کچھ ہے جو ایک لڑکی چاہ سکتی ہے۔ وہ اتنے دولت مند ہیں ابا کہ ساری زندگی جن خواہشات کے لیے میں اندر ہی اندر سسکتی رہی، وہ چٹکی بجاتے میں انہیں پورا کر سکتے ہیں ابا وہ۔''

''بس کر بیٹی، بس کر۔'' ابا کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی ''میرا مان، میرا غرور، سب مٹی کر دیا تو نے...... مٹی! تو تو تاج تھی میرا، سلطنت تھی میری۔ تجھے تصور میں سجا کر بڑے ناز سے چلا کرتا تھا۔ تو نے ہی بغاوت کر ڈالی۔ میری اپنی مٹی نے دھوکا دیا مجھے! کیا منہ دکھاؤں گا اپنی بہن کو، کیا کہوں گا بہنوئی سے، کیا معذرت کروں گا بھانجے سے۔''

''ابا، اتنی پریشانی کیوں؟ کیا منگنیاں ٹوٹتی نہیں ہیں؟''

''ٹوٹتی ہیں بیٹی، ٹوٹتی کیوں نہیں، طلاقیں ہو جاتی ہیں پھر منگنی تو محض زبانی کلامی وعدہ ہے لیکن کوئی ٹھوس وجہ بھی ہو، کیا کمی ہے آذر میں، کیا برائی ہے؟ اور پھر جہاں تک امیری غریبی کا تعلق ہے تو یہ تو پل بھر کا کھیل ہیں۔ پلک جھپکتے میں مٹی سونا اور سونا مٹی ہو جاتا ہے۔ اور وہ کس کی خاطر اتنی دور گیا ہے؟ سب کی محبتیں چھوڑ کر، سارے آرام اور سکھ بھلا کر کیوں بیٹھا ہے وہاں؟ تیری خاطر ناں، اور تو ٹھکرا رہی ہے اسے کفران نعمت کر رہی ہے بیٹی۔ کیوں کر رہی ہے ایسا؟'' وہ بے بسی سے بولے۔

''ابا'' اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ''ایک بات بتائیں کبھی زندگی میں آپ سے کچھ مانگا ہے میں نے؟ کبھی کوئی فرمائش کی ہے؟''

''نہیں نا۔'' انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ پھر بولی ''بس ایک چیز مانگ رہی ہوں، زندگی میں، پہلی اور آخری بار، عالم شاہ کو انکار مت کرنا ابا۔''

''پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ابا کو ساکت بیٹھا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

✿.....✿.....✿

کئی دن بڑی خاموشی سے گزرے۔ گھر میں ایک عجیب جامد سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی شخص دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔ سب ایک مسلسل خوف ایک مسلسل اضطراب کا شکار تھے۔ اور وہ افراد ہی کتنے تھے۔ ابا صبح چلے جاتے تو وہ اور اماں گھر میں رہ جاتیں۔ شروع میں اماں نے

اسے سمجھانے کی کوشش کی، گھر کا، ڈانٹا، واسطے دیے، منتیں کیں، لیکن اس کی جانب سے محض ایک جواب پا کر وہ خاموش ہو گئیں۔ بالکل خاموش، اب وہ اس سے محض ضرورتاً بات کرتیں جو کہ دن بھر میں ایک یا دو جملوں سے زیادہ نہ ہوتی۔

ضوفشاں بھی خاموشی سے مہ جبیں کا انتظار کر رہی تھی جو کہ کچھ ہی دنوں میں ختم ہوا اور وہ ہنستی مسکراتی ہر بات سے لاعلم خوش خوش چلی آئی۔

''میری پیاری بہن' ضوفشاں کو اس نے گرم جوشی سے لپٹا لیا ''خیریت سے ہو؟''

''جی، بالکل۔'' وہ مسکرائی۔

''لگتی تو نہیں۔'' اس نے غور سے اسے دیکھا ''یہ کیا حال بنا لیا ہے اپنا ضوفی کیا بہت کام کرتی رہی ہو؟ لیکن کام کون سا اتنا زیادہ ہوتا ہے پھر یہ کیا ہوا ہے تمہیں۔''

''کیا ہوا ہے آپا'' اس نے ہنسنے کی کوشش کی، کچھ بھی تو نہیں۔''

''یہ بے حال حلیہ، یہ گہرے حلقے، زرد رنگت، کیا بیمار ہو گئی تھیں۔''

''جی...... جی ہاں۔'' اس نے بات ٹال دی۔ ''بخار تھا کچھ دنوں سے۔''

''اور تم نے کسی کو بتایا بھی نہیں ہو گا۔ اس نے آنکھیں نکالیں ''خیر، اب میں نبٹوں گی تم سے۔''

''وہ ہنس دی۔

مہ جبیں سارا دن وہیں رہی۔ مسلسل بولتی رہی۔ اپنے سیر و تفریح کے قصے سناتی رہی۔ اپنی خوشیوں میں مگن اس نے قطعاً غور نہ کیا کہ گھر کی فضاؤں کو اداسی کی کس کہر نے لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔

''اماں کے رویے سے ضوفشاں نے بارہا محسوس کیا کہ وہ اسے کچھ بتانا چاہتی تھیں لیکن بتا نہیں پا رہی تھیں۔ شاید اس لیے کہ ضوفشاں مسلسل اس کے ساتھ تھی۔

''سنو ضوفی۔''

جاتے وقت وہ اس کے آ کر بولی۔

''آذر کا فون آیا تھا وہ تم سے بات کرنا چاہتا تھا میں نے کل کا کہہ دیا ہے کل میں عاصم کو بھیجوں گی تم ان کے ساتھ چلی آنا۔''

''جی بہتر۔'' اس نے سر ہلا دیا۔

وہ خود بھی آذر سے بات کرنا چاہ رہی تھی ایک ایک کر کے دل توڑ رہی تھی۔ اب اس کے دل کی باری تھی۔

''کل پورے دن کے لیے ٹھیک ہے ناں۔''

''جی ٹھیک ہے۔''

''وہ سر ہلاتے ہوئے سوچنے لگی کہ کل اس کو کیا کیا کہنا ہے۔

✿......✿......✿

عاصم بھائی اسے صبح ہی آ کر لے گئے تھے۔ پورا دن وہ مہ جبیں کے ساتھ رہی' صرف جسمانی طور پر' ورنہ ذہنی طور پر وہ کہیں اور تھی۔ مہ جبیں کی باتوں کے جواب میں محض ہوں' ہاں کرتی رہی۔ مہ جبیں نے اس کی عدم توجہی کو محسوس کیا' مگر زیادہ توجہ نہ دی۔ وہ یہی سمجھتی رہی کہ اسے آذر کے فون کا انتظار اس شدت سے ہے کہ کسی دوسری بات میں اس کا دل نہیں لگ رہا ہے۔ شام کو فون کی بیل بجی اس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آ گیا' جائیے جناب یہ وہی ہیں۔''

ضوفشاں نے دھڑکتے دل سے گھڑی دیکھی اور اٹھ کر فون اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو، اجالا۔'' اس نے پلک جھپکتے میں اسے پہچان لیا ''میں آذر ہوں۔''

''ہاں آذر کیسے ہو؟''

''اس سے بات کرتے ہوئے لہجے میں بیگانگی کا رنگ بھرنا، بے رخی کی چادر اوڑھنا کتنا مشکل کام تھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے۔'' وہ دھیرے سے ہنسی۔

''پتا نہیں اجالا معلوم نہیں کیوں میں بہت عجیب خواب دیکھتا ہوں تمہارے لیے، پتا نہیں کیا تعبیر ہوتی ہے ایسے خوابوں کی۔ لیکن میں ڈر جاتا ہوں اجالا میرا پورا وجود خوف میں ڈوب جاتا ہے تم ٹھیک ہو ناں۔''

وہ تیز تیز بول رہا تھا عموماً وہ اس طرح بات کرنے کا عادی نہ تھا ٹھہر ٹھہر کر، مسکرا کر بولتا تھا۔ خواہ کسی سے بھی مخاطب ہو۔ اور اس سے بات کرتے ہوئے تو وہ بہت مدھم بہت دھیما ہو جاتا تھا۔ اس کے انداز گفتگو سے ضوفشاں کو اندازہ ہوا کہ وہ بے حد پریشان تھا۔

''تم خاموش کیوں ہو۔'' اسے خاموش پا کر وہ مزید پریشان ہو گیا۔ ''بتاؤ اجالا تمہیں میری قسم، خوش نہیں ہو ناں، تم پریشان ہو، ناخوش ہو، آج نہیں بلکہ کئی دنوں سے، ایک طویل عرصے سے، تم کیا چھپاتی ہو مجھ سے؟ اور کیوں چھپاتی ہو، آج تمہیں بتانا ہو گا۔''

کئی آنسو اس کی پلکوں میں الجھے اور اس کے دوپٹے پر گر کر جذب ہو گئے۔

کون تھا جس نے اس کی پریشانی کو محسوس کیا تھا۔ کس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دل میں چلتے جھکڑ محسوس کیے تھے۔ کسی نے نہیں، کسی نے بھی نہیں۔ لیکن وہ جو اس کے دل کا مکین تھا وہ بے خبر نہ تھا۔ وہ باخبر تھا اس کی حالت سے، کئی دن بعد سچی خوشی کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑی۔

''اجالا تم بولتی کیوں نہیں۔'' اس نے جیسے تھک کر پوچھا۔

''آذر'' وہ بولی تو اس کی آواز بالکل بھیگ چکی تھی۔

''ہاں، کہو...... بولو...... کچھ تو بولو۔''

''آذر مجھے تم سے...... کچھ کہنا ہے ایک ایسی بات کہنی ہے جو شاید تمہارے لیے بے حد تکلیف دہ ہو گی۔ جسے سن کر زندگی اور زندگی کی ہر سچائی پر سے تمہارا یقین اٹھ جائے گا۔'' وہ بہت دیر کے لیے چپ ہو گیا۔ پھر بولا۔

''کیا یہ وہی بات ہے جس نے ایک طویل عرصے سے تمہارے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر ثبت کر رکھی ہے؟''

''ہاں۔'' ایک سرد آہ اس کے سینے سے نکلی ''وہی بات ہے۔''

''کہو اجالا۔''

''آذر پتا نہیں کیا ہوا ہے، اور کیوں ہوا ہے۔'' اس نے رک رک کر کہنا شروع کیا۔ ''آذر میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، میں کن الفاظ کا استعمال کروں۔''

''ہمارا تمہارا رشتہ ایسا تو نہ تھا اجالا، جس میں کچھ کہنا کے لیے لفظ ڈھونڈے جاتے یا تمہید کی ضرورت پڑتی۔'' وہ دکھ سے بولا۔ ''بس جو کہنا ہے وہ کہہ ڈالو، صاف صاف واضح انداز میں۔''

''آذر میں شادی کر رہی ہوں۔''

اسے اپنی خبر نہیں تھی کہ اس نے یہ الفاظ کس طرح ادا کر دیے اسے بس یہ احساس تھا کہ دوسری جانب اس نے کس طرح سے یہ بات سن لی ہو گی۔

وہ کچھ دیر کے جواب کا یا کسی ردعمل کا انتظار کرتی رہی، لیکن وہاں ایک گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

''ایک شخص ہے سید عالم شاہ۔'' وہ اب کافی حد تک سنبھل گئی تھی'' وہ آندھی طوفان بن کر اس طرح میری زندگی میں داخل ہوا ہے کہ میں اس کے سوا ہر بات، ہر شے کو بھول چکی ہوں، اس نے میری زندگی کو یکسر بدل دیا ہے آذر میری سوچیں، میری ذات کا محور سب کچھ بدل دیا ہے۔ بس وہی وہ رہ گیا ہے، باقی کچھ بھی نہیں ہے، کچھ بھی نہیں'' وہ خاموش ہو کر گہرے سانس لینے لگی۔

''پتا ہے آذر، وہ ایسا ہے کہ چاند سورج بھی اس کے آگے ماند سے پڑ جاتے ہیں بات کرنے لگے تو زمانہ کی گردشیں تھم جاتی ہیں خاموش ہو جائے تو اس کی آنکھیں بولنے لگتی ہیں۔ چلتا ہے تو ہر ہر شے سہم کر اسے دیکھتی ہے، ہنستا ہے۔''

''اجالا۔'' وہ تڑپ کر بولا'' خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ، خدا کا واسطہ ہے تمہیں، چپ ہو جاؤ۔''

بہت سے حرف، بہت سے لفظ جو وہ اس سے سننے کا خواہش مند تھا آج وہ کہہ رہی تھی تو اس طرح کہ ان کے معنی اور کسی کی ذات سے وابستہ تھے۔

''کوئی خنجر ہوتا، زہر میں بجھا ہوا، اور وہ تم میرے سینے میں اتار دیتیں تو تمہاری قسم مجھے اتنی اذیت، اتنی تکلیف نہ ہوتی کیا تمہیں خود احساس ہے تم نے کیا کہا ہے؟ کس سے کہا ہے؟ اور......اور......تم کیا کرنے جا رہی ہو؟''

''میں جانتی ہوں آذر، میں سب جانتی ہوں، لیکن اس دل کا کیا کروں، جو محض یہی ایک فیصلہ کرتا ہے، پوری دنیا میں اس شخص کا قرب چاہتا ہے بتاؤ آذر میں کیا کروں۔''

''میں بتاؤں۔'' وہ بڑی دکھی ہنسی ہنسا'' میں نے تو ہمیشہ تمہاری خوشیاں ہی چاہی ہیں ناں اجالا، میری تمام خواہشوں کا تو ہمیشہ ہی صرف ایک نام رہا ہے تمہاری خوشی، تمہاری ہنسی، تمہارا اطمینان، تو جاؤ اجالا، جہاں یہ ساری چیزیں تمہیں مل جائیں، انہیں اپنا لو۔''

''اور......تم......'' اس نے تھوک نگلا۔

''میں! اب میرے لیے کچھ رہا ہے کیا؟ کچھ سوالات ضرور ہیں جو دل و دماغ کی دنیا میں آگ لگائے دے رہے ہیں لیکن میں تم سے کچھ پوچھوں گا بھی نہیں، اس لیے کہ جہاں محبت کی جائے، وہاں شکوے یا شکایت کا کوئی حق بچتا ہی نہیں ہے۔ اپنے بارے میں تو کوئی فیصلہ تم ہی کر سکتی ہو، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ میں نے تم سے عشق کیا ہے۔ سچا کھرا عشق، میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔''

''آذر......تھینک یو......بس ایک آخری کام کرو میرا۔''

وہ کچھ بولا نہیں لیکن خاموشی سے اس کی بات کا منتظر رہا۔

''میں......میں......اکیلے اتنے سارے لوگوں کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتی۔ اماں ابا کو پتا ہے لیکن باقی لوگ۔''

وہ دھیرے سے، تلخی سے ہنسا۔

''اچھا......ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا ہوں تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ بے فکر رہو، اپنے گھر والوں سے میں بات کر لوں گا، جب میں خود تمہیں اس بندھن سے رہائی دے رہا ہوں تو باقی کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، اوہ گاڈ۔'' وہ جیسے کسی انتہائی اذیت میں مبتلا ہو کر بولا'' عجب حادثات ہوتے ہیں جن سے دوچار ہونے سے پہلے ہی انسان ان کا ادراک کر بیٹھتا ہے۔ میں نے غلط نہیں دیکھا تھا میں......میں پہلے ہی جان گیا تھا، تو یہ تعبیر تھی۔''

وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی رہی تاوقتیکہ دوسری جانب سے لائن کٹ گئی۔

✿......✿......✿

''میں تم سے جو کچھ پوچھ رہی ہوں ناں ضوفشاں اس کا مجھے ٹھیک ٹھیک جواب دو۔'' شعلہ بار لہجے میں اس سے مخاطب مہ جبیں تھی۔

وہ جو اس سے کبھی بھی خفا نہیں ہوتی تھی۔ آج وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ لیکن اس کا کوئی قصور بھی نہ تھا۔ اگر وہ اس پر برس رہی تھی اس سے متنفر تھی تو اپنی جانب سے حق بجانب تھی۔

''آپا'' اس نے سر جھکا کر کہا ''میں نہیں جانتی کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ تو آپ کو ٹھیک ٹھیک کیا بتاؤں وہ مجھے اچانک انسپائر کر گیا ہے۔ اس حد تک کہ اب اس کے بغیر میں نہیں جی سکتی۔ مجھے صحیح معنوں میں علم ہوا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے۔''

''وہ نہیں اس کی دولت وحشمت۔'' وہ دانت پیس کر بولی ''یہ کیوں نہیں کہتیں کہ مرمٹی ہو سکوں کی کھنکتی آواز پر، چمک دمک نے خیرہ کر دی ہیں تمہاری آنکھیں اور تم اندھی ہوگئی ہو۔ ورنہ ایک وقت تھا کہ آذر کا قرب تمہاری سانسوں کی ضمانت تھا۔ وہ بولتا تھا تو تمہیں زندگی کا احساس ہوتا تھا خاموش ہو جاتا تھا تو تمہیں ایک پل گزارنا دشوار لگتا، اور......اور......اس عالم شاہ نے کیا دیا ہے تمہیں، ہیرے کی انگوٹھی، سونے کے کنگن، یہ زنجیریں تمہاری محبت بھی بن سکتی ہیں ضوفی، میں نے کبھی خواب میں نہیں سوچا تھا دولت کے سیاہ ناگ کا زہر تمہاری رگوں میں سرائیت کر گیا ہے اور ان رگوں میں دوڑتی سچائی اور محبت مرگئی ہے۔'' وہ رونے لگی۔ ضوفشاں خشک آنکھیں اور سپاٹ چہرا لیے اسے دیکھتی رہی۔ وہ آج رو رہی تھی کل سب کچھ بھول کر خاموش ہو جاتی۔ لیکن ضوفشاں اگر اپنا فیصلہ بدل دیتی تو شاید وہ تا عمر روتی رہتی۔

''جانتی ہو ضوفی وہ معصوم صفت شخص کتنا چاہتا ہے تمہیں ہر الزام اپنے سر لے لیا ہے اس نے، ہر قصور کا رخ اپنی انب موڑ لیا ہے پھوپھی اماں اور پھوپھا ابا سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی خوشی سے یہ منگنی توڑ رہا ہے۔ لیکن میں جانتی تھی کہ اگر کہیں کچھ غلط ہو رہا ہے تو تمہاری وجہ سے۔ وہ تو آنکھیں بند کیے اپنی چاہتوں کے دریا میں بہتا چلا جارہا تھا۔ وہ اچانک کیسے یہ فیصلہ سنا سکتا تھا۔ خاموش تھیں تو تم، اسے نظر انداز کر رہی تھیں تو تم، اس کے وجود کی مسلسل نفی کی تو تم نے میں سمجھ گئی ضوفی کہ اصل مجرم تم ہو اور اسے تمہاری ہی قسم دے کر میں نے اس سے اقرار کروا بھی لیا۔''

وہ بولتے بولتے تھک گئی تو ایک بار پھر رونے لگی۔

''ضوفشاں جاننا چاہو گی وہ تمہیں کتنا چاہتا ہے۔'' آنسو پونچھ کر وہ بولی ''وہ مجھ سے کہنے لگا کہ جبیں آپا، میں چاہوں تو اس کے انکار کے باوجود اپنا سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے منسوب ہے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا میں ایسا کر ہی نہیں سکتا کیونکہ میں اس کی خوشی دنیا کی ہر شے سے عزیز رکھتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ ایک عمر اس طرح گزارے کہ اس کی آنکھیں بجھی ہوں اور دل روتا ہو۔ تو اس سے بہتر میں وہ زندگی سمجھتا ہوں جو میں تنہا گزاروں لیکن میری یادوں کی فریم میں لگی اس کی تصویر ہنستی ہو، مسکراتی ہو، شادماں ہو۔ اس نے کہا کہ جبیں آپا بس ایک خواہش ہے اگر پوری ہو سکے تو ضرور کر دیجئے گا۔''

''ضوفشاں نے بے تابی سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا آذر کی کوئی ایک خواہش بھی اب اگر اس کی ذات پوری کر سکتی تو اس سے بڑی خوش نصیبی اس کے لیے کیا ہو سکتی تھی۔

''اس نے کہا کہ اگر ہو سکے تو اسے دلہن بنا کر ہمارے گھر سے رخصت کرنا تا کہ اگر کبھی میں لوٹ کر آؤں تو اپنے گھر کی فضاؤں میں اپنی نا آسودہ خواہشوں کی خوشبو ہی محسوس کر سکوں اس نے کہا کہ اسے دلہن بنانا تو بہت ساری گجروں سے سجا دینا، وہ گجروں میں لپٹ کر بڑی خوبصورت لگتی ہے۔''

''خاموش ہو جاؤ آپا'' اس نے التجا کی۔

''سن لو ضوفی، کوئی حسرت تمہارے دل کی تہوں میں نا آسودہ نہ رہ جائے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ اپنے گھر سے رخصت ہوئی تو ایک وہم ہمیشہ مجھے پریشان کرتا رہے گا کہ شاید وہ راستہ بھول گئی ہے۔ بھٹک کر کہیں اور چلی گئی ہے اور کبھی راستہ پا کر مجھ تک پہنچ جائے گی لیکن میرے ہی گھر سے رخصت ہوئی تو ایسے اندیشے مجھے پریشان نہیں کریں گے۔''

ضوفشاں کو لگا اس کا دل دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا اور وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

✿......✿......✿

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو، کسی کی نظر نہ لگے۔'' اسے اس کی سہیلی عائشہ نے تیار کیا تھا۔

''میں جبیں آپا کو بلا کر لاتی ہوں۔'' وہ اُٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

اس نے اپنی بے جان نظروں کو در و دیوار پر بکھیرا، اس خالی کمرے میں کتنا جاندار احساس تھا اس کی موجودگی کا۔ جیسے ہر شے سے اس کی نگاہیں جھانک رہی ہوں، جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔ مسکرا رہا ہو آذر کا کمرا اس کے بغیر بھی اس کے ہونے کے احساس سے لبالب بھرا رہتا تھا ہمیشہ، اور آج یہ احساس کچھ اور سوا ہو رہا تھا۔

تکیے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے حیرت سے اپنے نہ رو سکنے کے سبب کو سوچا۔ شاید وہ اندر سے مر چکی تھی، فنا ہو گئی تھی اور مردے رویا نہیں کرتے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور اس کی ہر چیز کو بغور دیکھتی رہی، چھوتی رہی، آخری بار، آخری بار، آخری بار۔

کوئی اس کے اندر چیخ رہا تھا۔

''آخری بار محسوس کر لے اسے، آخری بار سوچ لے اسے، آخری بار اپنی سانسوں میں اس کی خوشبو محسوس کر لے، پھر اسے بھول جا ہمیشہ کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''

دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ مڑی مہ جبیں لب کاٹتی، آنسوؤں کو روکتی اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کا سارا ضبط جواب دے گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس سے لپٹ کر بے تحاشا رو دی اور پھر روتی ہی رہی۔

ضوفشاں کے اندر کوئی تھا جو مہ جبیں کا ساتھ دے رہا تھا لیکن باہر سے اس کی خشک آنکھیں ہلکی سی نم بھی نہ ہو سکیں۔ وہ صرف گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔

''ضوفی میری جان۔''

بالآخر اس نے آنسوؤں اور سسکیوں پر قابو پا کر اس کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

''سدا سکھی رہے، ہنستی رہے، مسکراتی رہے۔''

پھر وہ اس سے علیحدہ ہوئی اور مڑ کر باہر نکل گئی آذر کا کمرا پھر اس کے احساس کے وجود سے آباد ہو گیا۔ باری باری ہر کوئی آ کر اس سے مل کر چلا گیا۔ وہ تنہا تھی تنہا رہ گئی۔ بس ایک احساس تھا جو خوشبو کی طرح ایسے لپٹا تھا کہ علیحدہ نہ ہوتا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ جس لمحے وہ گھونگھٹ نکال کر اس کمرے سے نکلے گی یہ احساس بس دہلیز تک اس کا ساتھ دے گا پھر وہ آگے بڑھے گی تو اسے کسی بچے کی طرح تھام لے گا۔ کھینچے گا، واپس بلائے گا۔ ضد کرے گا، روئے گا، مچلے گا اور جب وہ زبردستی دامن چھڑا کر آگے بڑھ جائے گی تو دہلیز پر گر کر سسکتا رہے گا۔ ہمیشہ سسکتا رہے گا۔ پھر فضا دھماکوں سے گونج اٹھی۔ شہنائیاں بجنے لگیں اسے علم ہوا کہ اس نے اپنا وجود سید عالم شاہ کے نام لکھ دیا ہے۔

اور جب اسے علم ہوا کہ اس کی رخصتی میں محض چند لمحے رہ گئے ہیں تو اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی پر لپٹا گجرا اتارا اور اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ خواہ وہ ایک عمر گزار کر لوٹے اسے یہ گجرا یہیں ملے گا۔

وہ ایسے رخصت ہوئی تھی جیسے ڈولی میں نہیں جنازے میں جا رہی ہو، نہایت خاموشی سے اماں ابا نے اسے وداع کیا تھا۔ بنا کسی اہتمام کے اور اہتمام تو وہاں ہوتے ہیں جہاں خوشیاں اور مسرتیں ہوں سب کے دلوں کو تو دکھوں کے بوجھ نے چور چور کر رکھا تھا۔ اماں، ابا پھوپھی اور پھوپھا سے نظریں چراتے تھے۔ پھوپھی اماں اور پھوپھا ابا، ان دونوں سے شرمسار تھے۔ پھولوں سے لدی گاڑی میں وہ بیٹھی تو ان سب غموں سارے دکھوں کی وہ وجہ بڑی شان سے آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

ضوفشاں کی سانسوں کی طرح بڑی آہستگی اور خاموشی سے گاڑی آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے گاڑی سے اتر کر سر اٹھا کر دیکھا۔ ''رنگ محل'' کے در و دیوار قطعاً سادے تھے۔ کسی قسم کی آرائش و زیبائش یا سجاوٹ ایسی نہ تھی جسے دیکھ کر کوئی کہہ سکتا کہ ''رنگ محل'' کا بادشاہ جنگ جیت کر لوٹا ہے۔

''شاہ صاحب! مبارک ہو!'' کسی نے سامنے آ کر کہا تھا۔

''شکریہ مکرم!'' اس کی آواز میں گہرا اطمینان ہلکورے لے رہا تھا۔ ''یہ تمہاری بی بی صاحب ہیں۔''

''سلام بی بی صاحبہ!'' وہ بے حد ادب کے ساتھ اس سے مخاطب تھا۔

وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ دل و دماغ اس طرح سے تھکے ہوئے تھے کہ اسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

''اب تم بھی آرام کرو مکرم۔'' وہ اس سے مخاطب ہوا۔ ''تمہاری بی بی صاحبہ تھکی ہوئی ہیں۔ صبح مل لینا۔''

''جی سائیں۔ بہتر!'' وہ ایک طرف کو ہو گیا۔

''آؤ روشنی!'' عالم شاہ نے ذرا سے گھونگھٹ سے جھانکتے اس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھا۔ اور مسکرایا ماربل کی سیڑھیاں، ایک ایک کر کے وہ اس کی ہمراہی میں طے کرتی گئی۔ ایک ایک پاؤں من من بھر کا ہو رہا تھا۔ سید عالم شاہ کی جانب سے اتنا زیور آیا تھا کہ بقول مہ جبیں کے ''بوری میں بھر کر بھیجنا چاہیے تھا۔'' اس نے وہ تمام زیور پہن لیا تھا۔ دونوں کلائیاں سونے کی چوڑیوں سے یوں بے تحاشا بھر گئی تھیں، کہ مہ جبیں کی بڑی چاہت سے خریدی گئیں سرخ کانچ کی ایک چوڑی کی بھی جگہ نہ بچی تھی۔ بہت سے بھاری ہار اتنی دیر سے پہنے پہنے اس کی گردن بالکل جھک گئی تھی اور کاندھوں میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ موٹی سونے کی پازیب اس کے پاؤں اٹھانے میں مانع ہو رہی تھی۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا، لیکن وہ کچھ کہے بغیر اس کے پیچھے چلتی رہی۔

''تمہیں حیرانی ہو رہی ہوگی۔ یہاں سناٹا دیکھ کر!''

ٹنٹڈ گلاسز والا محرابی دروازہ اس کے لیے وا کرتے ہوئے وہ خوش دلی سے بولا ''اس کی ایک بڑی خاص وجہ ہے۔ جو میں ابھی تمہیں بتاؤں گا۔''

ضوفشاں نے ایک بے حد تھکی ہوئی، مرجھائی ہوئی نگاہ اس کے جگمگاتے چہرے پر ڈالی اور سر جھکا کر دروازہ پار کر لیا۔ دروازہ اسکے پیچھے بے آواز بند ہو گیا۔

سو بالآخر وہ اسے فتح کر کے یہاں لے ہی آیا تھا۔ یہاں اسی جگہ، اس حال میں کبھی کس نفرت سے اس نے کہا تھا۔

''بات صرف اتنی سی ہے کہ میں آپ کے لیے نہیں ہوں اور یہ بات میں خود آپ سے کہہ رہی ہوں، اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ، کیا یہ بات آپ کو سمجھانے کے لیے کافی نہیں؟''

اس وقت اسے خبر نہ تھی کہ اس کی پیشانی میں چھپی تقدیر کے کاغذ پر اس شخص کا نام جلی حروف میں لکھا ہے۔

''تو عالم شاہ! جیت گئے تم۔ ہار گئی میں، میری محبت۔ ختم ہو گیا میرا غرور، خاک ہوئی میری انا۔''

وہ اس کے پیچھے پیچھے کارپٹ سے ڈھکی سیڑھیاں پار کرنے لگی۔

''ایک بے بس چڑیا کی مانند مجھے تم نے پکڑ کر اس پنجرے میں پہنچا ہی دیا۔ اس کی سونے سے بنی سلاخیں اتنی مضبوط ہیں کہ میں ساری زندگی اس پنجرے میں پھڑ پھڑاتی رہوں گی اور یہ سلاخیں اتنی مضبوطی سے جمی میری بے بسی کا مذاق اڑاتی رہیں گی۔'' بے حد چکراتے ہوئے سر کو تھام کر وہ سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی ہو گئی۔

''دیکھو...... دیکھو...... کتنی مضبوط، کتنی بھاری زنجیریں ہیں جن میں تم نے مجھے سر سے پاؤں تک جکڑ دیا ہے۔ دیکھو عالم شاہ دیکھو۔ یہ ہار نہیں وہ بے شمار طوق ہیں جو مجھے پہنا کر تم نے میری گردن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے آگے خم کر دی ہے۔ یہ کنگن یہ چوڑیاں، وہ ہتھکڑیاں ہیں جو سدا میرے ان ہاتھوں کو تمہارے آگے جوڑے رکھیں گی۔ یہ پازیب وہ بیڑی ہے جو مجھے اس پنجرے کا پابند رکھے گی۔ کتنے ارمانوں سے قید کیا ہے تم نے

مجھے۔کتنی محبت سے کاٹے ہیں میرے پر۔''

اپنی دھن میں اوپر جاتے عالم شاہ نے کئی سیڑھیاں اکیلے پار کرلیں پھر اپنے پیچھے چوڑیوں کی کھنک اور پازیب کی چھنک نہ پا کر تعجب سے مڑ کر دیکھا۔

وہ بس گرنے ہی والی تھی۔لہرا کر زمین پر آ رہی تھی،کئی سیڑھیاں ایک ساتھ پار کرتے عالم شاہ کے مضبوط بازوؤں نے اسے تھام لیا۔

''روشنی۔روشنی!''اس نے بے تابی سے اس کے گال تھپتھپائے۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک بے حد آرام دہ بستر پر پایا۔وہ کمرے میں تنہا تھی۔چند لمحے اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔انتہائی شان وشوکت سے سجا بیڈ روم اسے پہلی نگاہ میں بڑا پراسرار،بے حد مغرور لگا۔

''کیا جگہیں بھی اپنے اندر رہنے والے لوگوں سے متاثر ہو جاتی ہیں۔''اس نے سوچا۔''یا شاید کچھ شخصیات ہوتی ہی بہت مضبوط اور متاثر کن ہیں۔اتنی کہ ان جگہوں کو بھی متاثر کر ڈالتی ہیں۔جہاں وہ رہتی ہیں۔''

''وہ اس مغرور کمرے کی قیمتی اور خوب صورت چیزوں کو دیکھ کر سوچتی رہی۔عالیشان،منقش مسہری کے چاروں جانب جالی کا نفیس پردہ تھا جسے فی الوقت سمیٹ کر ڈوری سے باندھ دیا گیا تھا۔سائیڈ ٹیبل پر رکھے نازک کرسٹل کے گلدان میں سجے سفید پھولوں کی بھینی مہک سے کمرا ابھرا ہوا تھا۔کونے میں رکھے لیمپ میں جلتے دودھیا بلب کی روشنی لیمپ کی جھالروں سے پھوٹ کر کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔اور اس مدھم روشنی میں ڈوبا وہ بیڈ روم پراسرار اور مغرور لگ رہا تھا۔بالکل سید عالم شاہ کی طرح۔

سید عالم شاہ کا خیال آتے ہی اس کا دل پوری طاقت سے دھڑکنے لگا۔اس نے اپنے گھٹنوں کے گرد بازو سختی سے لپیٹ لیے۔ورنہ لگتا تھا کہ دل ابھی پسلیاں توڑ کر باہر مسہری پر آ گرے گا،اس کے پورے وجود پر شدید نقاہت طاری ہوگئی۔وہ آج صبح سے بھوکی تھی۔ویسے تو اس کی بھوک پچھلے کئی مہینوں سے سوئی ہوئی تھی اور کچھ دنوں سے تو یہ محض چند لقمے پورے دن میں زہر مار کیا کرتی تھی۔لیکن آج تو جیسے اس کا روزہ تھا۔نہ تو اس نے کسی ایک وقت کا بھی کھانا کھایا تھا نہ ہی پانی کی شکل دیکھی تھی۔یہی وجہ تھی کہ اسے اب رہ رہ کر چکر آ رہے تھے اور بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ایک بار پھر اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔ذرا سی آہٹ ہوئی تو اس نے سہم کر سر اٹھایا۔بیڈ روم سے ملحق غسل خانے کا دروازہ کھلا تھا۔اور سفید شلوار سوٹ میں ملبوس عالم شاہ تولیہ سے بال خشک کرتا ہوا باہر آ رہا تھا۔

''خوش آمدید!''اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ مسکرایا۔

''کہو۔کمرہ پسند آیا!''

''اس نے آنکھیں بند کر کے سر مسہری کی پشت سے ٹکا دیا۔

دوبارہ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔وہ پیچھے سے اس کے چوڑے کاندھوں کو گھورتی رہی۔تاوقتیکہ وہ مڑا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

''بہت اداس ہو؟''

''عجیب سا لہجہ تھا اس کا۔جیسے بظاہر بے نیازی سے سوال کرتا ہوا اندر کہیں وہ بہت بے کل ہو۔ضوفشاں نے اس کی جانب دیکھا۔

ہلکی سفید روشنی میں سفید ہی لباس میں ملبوس وہ اپنے تمام تر تیکھے نقوش کے ساتھ بڑا وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔خم دار پلکوں سے سجی آنکھیں حسب معلوم سرخ ہو رہی تھیں۔قدرے اٹھی ہوئی ستواں ناک اس کے چہرے پر اپنی تمام تر موزونیت کے ساتھ ایستادہ تھی اور سگریٹ نوشی سے سیاہ پڑتے لب اپنی جیت کے احساس سے کھلے ہوئے تھے۔

''ایسا کیا دیکھ رہی ہو۔''سنجیدگی سے سوال کرتے ہوئے اس نے جھک کر سائیڈ ٹیبل پر پڑا سگریٹ کا پیٹ اٹھایا اور سگریٹ لبوں میں دبا کر لائٹر سے سلگانے لگا۔

''دیکھ رہی ہوں کہ جب بڑے بڑے بادشاہ جنگ جیت کر لوٹتے ہوں گے تو فتح کا خمار ان کے چہروں پر کیسے بکھرتا ہوگا۔''

جتنی سنجیدگی سے سوال کیا گیا تھا اتنی ہی سنجیدگی سے اس نے جواب دیا۔

بڑی دیر تک وہ بہت سارا دھواں اپنے اندر بھرے خاموش بیٹھا رہا۔

''زمین کے ایک بے جان ٹکڑے کو حاصل کرنے اور زندگی کی ایک بہت بڑی جیتی جاگتی خواہش کو پانے میں بڑا فرق ہوتا ہے روشنی۔''

''کافی دیر بعد اس نے ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔'' آپ نے اتنا تو بہر حال تسلیم کیا کہ وہ خواہش جیتی جاگتی ہے ورنہ آج تک تو آپ اسے بے جان سمجھتے آئے ہیں۔''

اس کے لب بھینچ گئے۔ بے دردی سے آدھے سے زیادہ سگریٹ کو اس نے ایش ٹرے میں کچل دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک ضوفشاں نے اسے پیچھے ہاتھ باندھ کر کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے دیکھا۔ پھر اس نے سر جھٹکا اور آہستہ آہستہ چلتا دوبارہ اس کے قریب آ بیٹھا۔

''جانتی ہو۔ آج یہاں اس سناٹے کا مطلب کیا ہے؟'' وہ ہولے سے مسکرا کر بتانے لگا۔'' آج یہاں ایک ہنگامہ ہونا تھا۔ رنگ و بو کا ایک سیلاب موجزن ہونا چاہیے تھا، تمہارے استقبال کے لیے گیٹ سے لے کر یہاں، کمرے تک گلاب کے پھولوں کی روش ہونی چاہیے تھی۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا سبب پتا ہے کیا!''ضوفشاں نے خاموشی سے نظریں اٹھا دیں۔

''اس کا سبب یہ ہے کہ کسی کو علم نہیں ہے اس شادی کا۔ خفیہ رکھا ہے میں نے اپنے سارے دوستوں اور ملنے والوں سے۔ دراصل روشنی میں نہیں چاہتا تھا کہ ان تمام رسومات میں وقت ضائع کیا جائے۔ یہ وقت جب کہ تم پہلی بار اس طرح میرے مقابل بیٹھی ہو، مجھے بڑا عزیز ہے۔ میں اس خوبصورت وقت میں، اپنی زندگی کے ان سب سے حسین اور قیمتی لمحات میں کسی بھی قسم کی دخل اندازی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن تم دیکھنا، دو دن بعد ولیمہ کی تقریب ہوگی، اور اس تقریب میں اتنی خوشیاں منائی جائیں گی جیسے آج سے پہلے اس شہر میں کوئی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ ٹھیک ہے نا!''

''جی!'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''ایک بات بتاؤ۔'' اچانک ہی وہ پر شوق ہوا۔'' رونمائی میں کیا چاہیے تمہیں!'' اگر یہ مذاق تھا تو بے رحم تھا۔ پھر بھی اسے ہنسی آنے لگی۔

''کہو۔ خاموش کیوں ہو۔ شرماؤ نہیں، جو چاہو مانگ لو۔ آزما لو عالم شاہ کو۔''

اس نے ایک بڑی کاٹ دار نظر اس پر ڈالی۔

''سوچ لیجیے۔ بڑا مشکل دعویٰ کیا ہے۔''

''سب کچھ سوچ کر کہا ہے۔'' اس کے لبوں پر وہی اس کی ازلی، نہ سمجھ میں آنے والی مسکراہٹ کوندی۔

''فرض کیجیے۔ آزادی مانگ لوں آپ سے۔'' اس نے ابرو چڑھائے۔'' کسی دوسرے شخص کا ساتھ مانگ لوں!''

''سید عالم شاہ کا جگمگاتا چہرہ اس تیزی سے تاریک ہوا کہ ایک لمحے کو ضوفشاں کا اپنا دل دھک سے رہ گیا۔ بڑی دیر ایک ٹک وہ اسے دیکھتا رہا۔

''میں کبھی اپنی زبان سے نہیں پھرا۔'' بڑی دیر بعد وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔'' زبان دی ہے تو اس کا پاس بھی کروں گا۔''

وہ اٹھ کر دور گیا اور ڈوری کھینچ کر پردہ ہٹا دیا۔ شیشے کی دیوار کے پار تاریکیاں تھیں۔

''مانگو۔ کیا مانگتی ہو!'' وہ باہر دیکھ رہا تھا۔

''ایک گلاس پانی پلا دیجیے!'' اس نے تھک کر سر جھکایا اور شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ پر کٹ جانے کے بعد اسے پنجرہ سے نکال کر باہر پھینک بھی دیا جاتا تو اب اس کا یہ بے بال و پر وجود کس کام کا تھا۔

عالم شاہ مڑا تو اس کے چہرے کی رونقیں بحال ہو چکی تھی۔ ''شاید تم پہلی دلہن ہو جس نے رونمائی میں محض ایک گلاس پانی کی خواہش کی ہے!'' پانی سے گلاس بھر کر اسے تھماتے ہوئے وہ بولا۔

''لیکن عالم شاہ اتنا گیا گزرا نہیں ہے۔'' بہت سی آوازیں، بہت سے جملے آپس میں ٹکرا گئے اس کا ہاتھ کانپا اور بہت سا پانی چھلک کر اس کے زرتار آنچل کو بھگو گیا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں رونمائی میں کوئی بہت انوکھی، کوئی بہت قیمتی شے دوں۔ لیکن ہر وہ شے جو میری سوچ کی گرفت میں آسکی مجھے حقیر اور بے معنی لگی۔ تب میں نے اس شے کا انتخاب کیا جو بہت قیمتی ہے۔ میرے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔ جانتی ہو کیا؟'' اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''آج۔ اس خوبصورت رات کو اور اس کی تمام تر سچائیوں کو گواہ بنا کر عالم شاہ اپنی ساری وفائیں تمہارے آنچل سے باندھ رہا ہے۔ پچھلی زندگی جو تھی، جیسی گزاری۔ اسے عمر کی کتاب سے حذف کر دیا ہے میں نے۔ آج سے عالم شاہ ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہا ہے اور اپنی محبتیں اور اپنی وفائیں تمہارے نام لکھنے میں پہل کر رہا ہے۔ کم از کم میرے لیے یہ بات بڑی اہم ہے۔ تمہارے لیے؟''

دفعتاً اس نے بات کاٹ کر اس سے پوچھا تھا۔

''میرے لیے؟'' اس نے ہولے سے دہرایا تھا پھر ایک سانس چھوڑ کر خاموش ہو گئی وہ بڑی دیر تک نگاہوں میں انتظار کی تمام شدتوں کو بھرے اس کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''روشنی! تمہارے ساتھ کیا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تم نے اپنے دل میں میرے لیے کوئی خاص جذبہ محسوس کیا ہو۔ مانا کہ تمہارے ماضی کے ساتھ ایک یادوابستہ ہے۔ لیکن محبت کسی ایک ہی شخص کے لیے مخصوص تو نہیں ہو جاتی نا!''

اس کا لہجہ اس کے الفاظ۔

''کیا یہ وہی سید عالم شاہ ہے؟'' اس نے سوچا ''غرور سے لبالب بھرا، لبوں سے شعلے برساتا ہوا، نگاہوں سے جھلساتا ہوا، محبت انسان کو کس قدر کمزور کر دیتی ہے!''

''بولو۔ خاموش کیوں ہو!''

''آپ!'' اس نے لب دانتوں سے کچلے۔ ''کیا آپ چاہیں گے کہ میں آپ سے جھوٹ بولوں۔ کیا ایک ایسا اقرار آپ کو سچی خوشی بخش سکتا ہے جس میں سچ کا شائبہ تک نہ ہو!'' ضوفشاں کی بات سن کر اس نے انگلیوں سے پیشانی کو رگڑا پھر بولا۔

''ہرگز نہیں۔ میں نے تمہیں ایک بار پہلے بھی کہا تھا کہ مجھ سے کبھی جھوٹ مت بولنا۔ خواہ وہ مجھ سے ہی محبت کا اظہار کے لیے بولنا ہو۔ مجھے یقین ہے ایک دن ساری دنیا کو بھلا کر تم مجھ سے سچی محبت کرو گی۔ ضرور کرو گی لیکن خواہ وہ دن روز حشر کا ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے ایک دن پہلے بھی مجھ سے یہ جھوٹ نہ بولنا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو چکی ہے۔ یہ جملہ میں تمہارے لبوں سے سنوں گا لیکن دل ودماغ کی تمام سچائیوں کے ساتھ جذبوں کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ۔''

وہ اٹھ کر الماری تک گیا اور اس کا پٹ کھول کر اوپری خانے سے ایک فائل نکال کر لایا۔

''یہ لو!'' اس کی گود میں اس نے فائل ڈال دی۔

''کیا ہے یہ؟'' ضوفشاں نے حیرت سے دریافت کیا۔

''یہ گھر۔ رنگ محل میں نے تمہارے نام کر دیا ہے۔ یہ میں نے اپنے لیے بنوایا تھا۔ بہت عزیز ہیں مجھے اس کے درودیوار اس گھر کو بھی میں بہت عزیز ہوں۔ چند دنوں میں تم محسوس کرو گی کہ اس درودیوار سے میری خوشبو پھوٹتی ہے۔ میری دعا ہے روشنی کہ خدا تمہیں لمبی عمر دے اور تم ہمیشہ یہاں رہو۔ ان درودیوار کے بیچ اور ایک دن ان سے تمہاری خوشبو آنے لگے۔ اس کی پیشانی پر ''رنگ محل'' لکھا ہے۔ میں نے مکرم علی سے کہا کہ ان

الفاظ کی جگہ ''روشنی ولا'' لکھوا دے۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' اس نے ٹھوڑی گھٹنے پر ٹکا کر کہا۔'' اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہ ''رنگ محل'' ہے یا ''روشنی ولا'' آپ یہ اطمینان کر لیجئے کہ میں یہاں سے جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں نے دل میں کسی انتقام کا ارادہ باندھ کر آپ کو نہیں اپنایا بلکہ تقدیر کی ایک حقیقت سمجھ کر زندگی کے اس موڑ کو قبول کیا ہے۔''

''بہر حال۔ یہ نام میں نے تمہیں دیا ہے۔ تم نے قبول کر لیا مجھے خوشی ہوئی۔ اس گھر کو بھی یہ نام میں دے رہا ہوں۔ اس میں بھی میری خوشی سمجھ لو۔''

''آہ، ایسا مت کرو عالم شاہ!'' آنکھیں موند کر اس نے کرب سے سوچا۔'' کیسا نام دیا ہے تم نے مجھے زندگی کی تمام روشنیاں گل ہو گئی ہیں۔ اس گھر کو یہ نام مت دو۔ ہر چند کہ اس کی روشنیاں میری آنکھوں میں چبھتی ہیں مگر میں چاہوں گا کہ یہ گھر سدا روشن رہے۔ اس کے دیے روشن رہیں۔ اس کے اجالے برقرار رہیں! ہاں میں یہی چاہوں گی۔''

✿.....✿.....✿

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں بڑا سحر انگیز اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ شیشے کی دیوار پر پڑے دبیز پردے کی وجہ سے یہ معلوم ہونا بڑا مشکل تھا کہ اس وقت کیا بجا تھا۔

کونے میں رکھے بڑے لیمپ کی روشنی گل تھی اور بیڈ کے دونوں جانب ملحق چھوٹی میزوں پر رکھے ننھے ننھے خوب صورت لیمپ روشن تھے۔ جن سے بڑی خوبصورت دودھیاں روشنی انتہائی کم مقدار میں خارج ہو رہی تھی یہی روشنی ہلکے سحر انگیز اندھیرے کی وجہ تھی۔

بڑی دیر تک وہ سیدھی لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ اور خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ اپنے اس چھوٹے سے گھر میں نہیں ہے جہاں کل تک ہر صبح اس کی آنکھ کھلتی آئی تھی۔ اور جب اس کے حواس پوری طرح سے اس کے قابو میں آ گئے تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

ذرا سا رُخ موڑ کر اُس نے دیکھا۔ جہازی سائز مسہری کے دوسرے انتہائی کونے پر وہ لیٹا گہری اور پر سکون نیند میں تھا۔ ہلکی روشنی، ہلکے اندھیرے میں اس کے نقوش دھندلے دھندلے سے لگ رہے تھے۔ کمرے میں اس وقت سردی کا احساس بے حد واضح تھا۔ لیکن وہ بغیر کچھ اوڑھے اسی طرح لیٹا تھا۔

''کیا شخص ہے یہ!'' اس نے بے حد تعجب سے اس کی ستواں، اٹھی ہوئی ناک کو دیکھتے ہوئے سوچا۔'' لفظ غرور کی مجسم تفسیر ہے!''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو ایک لمحے کو ہر شے تاریک ہو گئی۔ وہ اگلے ہی لمحے سر تھام کر دوبارہ بیٹھنے پر مجبور ہو گئی۔ تیزی سے اعصاب پر طاری ہوئی نقاہت نے احساس دلایا کہ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے حالت فاقہ میں تھی۔ بمشکل اٹھ کر وہ پردے تک آئی اور کونا ذرا سا سرکا کر باہر دیکھا۔ آسمان اپنی تمام نیلاہٹوں کے ساتھ واضح تھا۔ نیچے پھیلے سر سبز لان کا منظر بے حد روح پرور اور دیدہ زیب تھا۔ وہ کچھ دیر کو ہر بات بھلا کر ہری گھاس پر مٹر گشت کرتے مور دیکھتی رہی۔

''یہ گھر میں نے اپنے لیے بنوایا تھا!''

اس کے کانوں میں عالم شاہ کا جملہ گونجا۔

''کیا واقعی تم اتنے ہی خوبصورت اور اچھوتے احساسات کے مالک ہو!'' اس نے پلٹ کر پھر ایک نظر اس پر ڈالی۔'' یقین آ ہی نہیں سکتا! کیونکہ جو کسی دوسرے کے احساسات سے قطعاً بے بہرہ ہو، اس کی اپنی فیلنگز اتنی خوبصورت نہیں ہو سکتیں۔''

آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اس تک پہنچی اور کارپٹ پر پڑا کمبل اٹھا کر اس پر ڈال دیا۔

''ایسا بھی کیا غرور کہ انسان پر موسم بھی اثر انداز ہونا چھوڑ دیں۔''

''ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ وارڈ روب تک آئی، اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ ملگجی روشنی میں کپڑوں کے رنگ اور ڈیزائن تو واضح نہیں تھے پھر بھی اتنا اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک جو بیش قیمت ملبوسات ٹنگے تھے، وہ اس کے لیے خریدے گئے تھے۔

پہلا لباس جو اس کے ہاتھ میں آیا اس نے کھینچ کر نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

نہا دھو کر جس کو وقت وہ بالوں میں برش کر رہی تھی، ریک پر دھرے ٹائم پیس میں ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک وہ یونہی بے مقصد کمرے میں پھرتی رہی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اسے کبھی بھی صبح دیر تک سوتے رہنے کی عادت نہ رہی تھی۔ آج تو وہ پھر اپنے حساب سے وہ بہت دیر سے بیدار ہوئی تھی۔

کاریڈور پار کر کے اس نے کچھ دیر کوریلنگ تھام کر نیچے ہال کا منظر دیکھا پھر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

''سلام بی بی صاحب!'' نجانے کس کونے سے اچانک ہی ایک عورت نمودار ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' اس نے غور سے اسے دیکھا۔

''شادی مبارک ہو جی!'' وہ بڑی خوش اور پر جوش لگتی تھی۔ ''خدا آپ کو بڑی خوشیاں دے۔''

وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

''میرا نام خیراں ہے جی!'' اسے خاموش پا کر اس نے مزید بات کی۔

''اچھا'' اس نے سر ہلایا۔

''بی بی جی ناشتا!'' خیراں نے بوتل کا جن بننے کی قسم اٹھا رکھی تھی شاید۔

''رکھ دو۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

اس نے کپ میں چائے انڈیلی اور گرم گرم حلق سے اتارنے لگی۔

''چائے اور بنا کر لاؤں جی!''

''نہیں۔ اتنی ہی کافی ہے!''

اس نے ایک نظر ناشتے کے لوازمات پر ڈالی۔

''بی بی جی! سردی بہت ہے۔''

''خیراں نے اس کے کاٹن کے سوٹ کو۔ پریشان نگاہوں سے دیکھ کر اپنی ہتھیلیاں رگڑیں۔

''اچھا'' سنکے ہوئے سلائس کو دانتوں سے توڑتے ہوئے وہ مسکرائی۔

''آپ نے کوئی گرم کپڑا ابھی نہیں پہنا ہوا جی!''

''تم وہ شعلوں کا لباس کہاں دیکھ پاؤ گی جو میری روح نے اوڑھ رکھا ہے۔'' اس نے سوچا۔

''سردی لگ رہی ہے تو اندر چلی جاؤ۔ یہاں کیوں بیٹھی ہو!'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''نا بی بی جی! میں نے اپنی بات کہاں کی۔ میں نے تو جی دو دو سوئیٹر پہنے ہیں۔ لیکن آپ نے تو؟''

''میری فکر مت کرو۔'' اس نے کپ میں مزید چائے نکالی ''اب مجھے زندگی بھر سردی نہیں لگے گی۔''

''وہ کیوں جی۔''

''اس نے احمقوں کی طرح حیران ہو کر اسے دیکھا۔

وہ خاموشی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''بی بی جی۔ میں نے پہلے کبھی آپ کو یہاں نہیں دیکھا۔'' خیراں ٹلنے کو کسی طور پر تیار نہ تھی۔

''کیا مطلب؟'' اس نے بیزاری سے نگاہ اس پر ڈالی۔

''مطبل یہ ہے جی کہ شاہ جی کی کئی سہیلیاں دیکھی ہیں میں نے۔ پر آپ تو اچانک ہی آ گئی ہیں۔''

''بہت سہیلیاں ہیں تمہارے شاہ جی کی؟'' اس نے بے تاثر لہجے میں دریافت کیا۔

''ہاں جی۔ بہت۔ آپ کی بھی پہلے دوستی تھی شاہ جی سے؟''

''نہیں!''

''پھر جی؟ کہاں دیکھا شاہ جی نے آپ کو؟ ویسے بڑا بھلا ہوا جو شاہ جی نے آپ کو دیکھا لیا۔ وہ سب جو آتی تھیں، مجھے تو ایک آنکھ پسند نہیں تھیں۔ آپ تو جی ماشاء اللہ نظر نہ لگے۔''

''خیراں۔'' وہ بات کاٹ کر بولی۔ ''بس اب اندر جاؤ۔ مجھے اکیلے بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔''

''حاضر بی بی جی حاضر!''

وہ اٹھی اور الٹے قدموں اندر کی جانب چلی گئی۔

اس کی جی جی کی رٹ سے جان چھوٹنے پر اس نے شکر کا سانس لیا اور سکون سے ناشتا کرنے لگی۔

''پچھلی زندگی، جو بھی، جیسی تھی۔ اسے عمر کی کتاب سے حذف کر دیا ہے میں نے!''

''اسے گزشتہ رات کی بات یاد آئی۔

''ہونہہ۔'' سر جھٹک کر اس نے سوچا۔ ''مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن شاید تمہیں اس بات سے بہت فرق پڑے عالم شاہ کہ میں اتنی آسانی سے اپنی عمر کی کتاب سے پچھلی زندگی کے صفحات پھاڑ کر نہیں پھینک سکتی!''

''روشنی!'' اس نے بے حد نزدیک سے پکارا تھا۔

اس کا ہاتھ بری طرح سے کانپا اور کپ انگلیوں کی گرفت سے آزاد ہو کر گھاس پر گر گیا۔

''جی!'' ہونق بن کر اس نے عالم شاہ کو دیکھا۔ نیند سے بوجھل سرخ نظریں وہ اس پر جمائے ہوئے تھا۔

''ڈر گئیں؟''

''جی نہیں بس ذرا کسی اور دھیان میں تھی!''

''اس کی قربت اس کی سانسوں کی آمد و رفت میں رکاوٹ بننے لگتی تھی۔

''یہاں اتنی سردی میں کیوں بیٹھی ہو؟ بیمار ہو جاؤ گی۔''

''جن کے اندر مر جائیں ان کے باہر کے بیمار نہیں ہوا کرتے۔'' اس نے تلخی سے سوچا۔

''باہر آنا ہی تھا تو کم از کم کوئی شال وغیرہ تو لے لی ہوتی۔ چلو اٹھو۔''

''حکمیہ انداز میں تو اس کا سدا کا تھا۔ وہ کیا مائنڈ کرتی۔ خاموشی سے اٹھ کر ٹرے اٹھانے لگی۔

''یہ کیوں اٹھا رہی ہو؟'' اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

''جی!'' وہ بوکھلائی۔ ''وہ اندر لے چلوں!''

''رکھ دو۔ بہت نوکر ہیں ان کاموں کے لیے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسے اندر لے آیا۔

''میں جاگا تو تمہیں نہ پا کر پریشان سا ہو گیا۔'' سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بتا رہا تھا۔ ایک ہاتھ اس کے شانوں پر رکھا ہوا تھا۔ ضوفشاں سے قدم اٹھانا دشوار تھا۔

''ورنہ میں اتنی جلدی جاگ ہی نہیں سکتا۔ خیر، اب سو کر وقت کیا گنوانا۔ تم جاگ رہی ہو تو میں سو نہیں سکتا۔ تم بیٹھو میں نہا کر آتا ہوں۔ پھر مل کر ناشتا کریں گے!''

''اسے بٹھا کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

✿......✿......✿

دو دن بعد اس کا ولیمہ تھا۔ عالم شاہ صبح سے انتظامات میں مصروف تھا۔ مکرم علی پھرکی کی تیزی سے اس کے احکامات کی بجا آوری کرتا پھر رہا تھا۔ ضوفشاں کو اندازہ ہوا کہ سید عالم شاہ کی زندگی میں مکرم علی کا وجود ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔

''بی بی صاحبہ!''

''وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی جب وہ دروازے بجا کر اندر آیا۔

''یہ شام کی تقریب کے لیے آپ کا لباس ہے۔'' بڑا سا ڈبہ اس نے مسہری پر رکھا۔ ''شاہ صاحب نے خاص طور پر تیار کروایا ہے۔ آپ کے میک اپ کے لیے شام سات بجے بیوٹی پارلر والی آجائے گی۔ دس بجے تقریب شروع ہوگی!''

''دس بجے؟'' اس نے تعجب سے دہرایا۔

''جی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو ختم پھر کب ہوگی!''

''صبح تک جاری رہے گی!''

''کیا؟'' وہ کھڑی ہوگئی! ''یہ کس قسم کی تقریب ہے؟''

''وہ جی، راگ رنگ ہوگا۔ پینا پلانا ہوگا۔ شاہ صاحب کے سارے دوست مدعو ہیں۔ ان کے لیے تو خاص طور پر ایسی تقاریب کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سن کھڑی رہ گئی۔

''تمہارا مطلب ہے مکرم علی کہ۔'' بڑی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی ''کہ شراب کا دور چلے گا۔''

''ظاہر ہے جی!'' وہ اس کی سادگی پر مسکرایا۔

''اور۔ ناچنے والیاں بھی آئیں گی۔''

''مکرم علی نے پریشان ہو کر الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی مالکن کے لیے یہ بات ایک شاک ثابت ہوئی تھی۔

''میری بات کا، ہاں نہیں میں جواب دے دو۔'' اس نے مکرم علی کے چہرے کو دیکھا۔

''جی ہاں بی بی صاحبہ!''

''ٹھیک ہے۔'' وہ اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گئی۔ مکرم علی کے جانے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھی رہی اور اُٹھ کر فون تک آئی۔ ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''ہیلو'' سلسلہ ملنے پر وہ بولی۔ ''آپا! میں ہوں ضوفی!''

''ضوفی!'' وہ کھل اٹھی۔ ''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں!'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''آپ کو ولیمہ کا پیغام آیا تھا؟''

''ہاں۔کل تمہارا ملازم کارڈ دے گیا ہے۔''

''اماں کا ارادہ ہے آنے؟'' اس نے پوچھا۔

''ضوفی۔تمہیں علم تو ہے ناوہ ناراض ہیں تم سے۔پھر بھی میں نے سوچا ہے کہ میں اصرار کر کے سب کو لے آؤں گی۔آخر یہ دوریاں برقرار تو نہیں رہتی ناں تم خوش ہو تو پھر باقی باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔''

ضوفشاں کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''آپا۔آپ بہت بہت اچھی ہیں!''

''پاگل۔'' وہ ہنس دی۔

''آپا اصل میں، میں نے فون اس لیے کیا تھا کہ یہ بتا سکوں، آج کی تقریب کینسل ہو گئی ہے۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''دراصل عالم کے ایک قریبی دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔اس کی حالت نازک ہے اسی لیے سارے دوستوں نے مل کر تقریب کینسل کرا دی!''

''اچھا۔چلو پھر سہی۔میری طرف سے افسوس کرنا!''

''جی بہتر!''

''ضوفی! تم خوش تو ہو نا!'' وہ کچھ دیر چپ رہ کر بولی۔

''ارے۔'' وہ ہنس دی۔''کیا نہیں لگتی؟''

''نہیں۔'' وہ صفائی سے بول گئی۔''ان دنوں آواز میں جو کھنک ہوتی ہے، خوشیاں جس طرح لب و لہجے میں جھانکتی ہیں۔وہ ہر احساس معدوم ہے۔''

''وہ بڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئی، پھر بولی۔''

''آپا بہت سی باتیں ناقابل تردید ہوتی ہیں۔مگر پھر بھی سچ نہیں ہوتیں۔میں خوش ہوں آپا۔اچھا خدا حافظ!''

''خدا حافظ!''

فون رکھ کر وہ مڑی تو عالم شاہ کو دروازے کے قریب کھڑا دیکھا۔

''تم نے ان لوگوں سے جھوٹ کیوں بولا؟''

''وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آ کر بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''خدا کا شکر ہے کہ مجھے پہلے سے علم ہو گیا کہ رات کی تقریب میں کیا ہونا ہے؟'' وہ دوسرے کنارے پر ٹکتے ہوئے بولی۔''میرے ماں باپ بہت غریب ہیں شاہ صاحب! ایسی رنگ رلیاں افورڈ نہ کر پائیں گے!''

عالم شاہ نے اس کے سنجیدہ چہرے پر نظر کی۔

''کیا خوشی منانا بری بات ہے؟''

''اس کے پوچھنے پر وہ ہولے سے ہنس دی۔

''ایک بات بتایئے۔'' اچانک اس نے پوچھا۔''آپ۔آپ شراب پیتے ہیں؟''۔

وہ خاموش بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

''ہاں۔کبھی کبھی!'' پھر بولا۔

بڑا تکلیف دہ احساس تھا جو اس کے پورے وجود میں سرائیت کر گیا۔ اس میں مزید کچھ بولنے کچھ پوچھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ سید عالم شاہ نے بڑی دیر تک اس کے چہرے پر لہراتے کرب اور اذیت کے سایوں کا مشاہدہ کیا۔

''تم۔ تم ناخوش ہوئی ہو؟''

وہ چپ چاپ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

''بولو روشنی! برا لگا ہے تمہیں میرا شراب پینا۔'' وہ اُٹھ کر اس تک آیا پھر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''مجھے برا لگے گا تو کیا آپ پینا چھوڑ دیں گے؟'' اس نے تڑخ کر پوچھا۔

''ہاں۔'' بڑا واضح جواب تھا۔ لہجے کی تمام تر مضبوطی کے ساتھ۔ ''بس ایک بار کہہ کر دیکھو!''

''کہہ رہی ہوں۔'' اسے عالم شاہ کی وارفتگی سے پریشانی ہوتی تھی۔

''ایسے نہیں۔ پوری بات کہو!''

اس نے پریشانی سے اس کی سمت دیکھا اور اس سے نظر ملنے پر یک بارگی اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

''آپ۔ آپ آئندہ شراب نہیں پئیں گے!'' بالآخر اس نے جبر کر کے کہہ ڈالا۔

''عالم شاہ وعدہ کرتا ہے!'' وہ مسکرا اٹھا۔ ''اور جسے تمہاری نگاہوں سے مدہوشی ملی ہو، وہ بھلا عارضی، نشے کی سمت کیوں نگاہ کرے گا۔''

ضوفشاں نے گہرا سانس لے کر سر جھکا دیا۔

''مجھے۔ مجھے ایک اور بات پر بھی اعتراض ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''ہوں۔'' وہ عموماً ہنکارا ابھر کر بات دریافت کرتا تھا۔

''گھر میں یہ ناچ گانا، گھنگھروؤں کی جھنکار۔ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہوں!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کمر پر ہاتھ باندھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر ایک جگہ رک گیا۔

''بات یہ ہے روشنی!'' اس نے سوچتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ ''کہ اگر اپنی ذاتی خوشی اور پسند کو درمیان سے نکال بھی دیا جائے تو کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو بندے کو کرنے ہی پڑتے ہیں۔ شام کو میرے جو دوست اور مہمان مدعو ہیں۔ ان کی پہلی ڈیمانڈ ہی یہی ہوتی ہے۔ میں تمہاری بات مان بھی لوں تو انہیں مطمئن کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔''

''غلط تو غلط ہے نا عالم شاہ۔ خواہ کسی کو خوش کرنے کے لیے ہی ہو!''

''ہوں۔ ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن۔'' وہ الجھن کا شکار تھا۔ ''اچھا، اگر آج کی تقریب کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو آئندہ کے لیے محتاط رہا جا سکتا ہے۔'' اس نے محض شانے اچکا دیے۔

وہ جانتی تھی کہ جو پابندیاں وہ از خود قبول کرتا جا رہا تھا۔ وہ کسی بھی طور اسے مجبور کر کے لاگو نہیں کر سکتی تھی۔ یہ تو اس کی اپنی ذہنی رو تھی جو فی الوقت مثبت سمت میں رواں تھی۔ کس وقت اس کا دماغ الٹے قدموں دوڑنے لگتا۔ یہ تعین کرنا آسان نہ تھا۔ جو کچھ وہ مان رہا تھا۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ ورنہ سید عالم شاہ سے کسی بھی قسم کی کوئی امید اسے ہرگز نہ تھی۔

''لباس پسند آیا؟'' اس نے موضوع بدل کر اسے سوچوں سے نکالا۔

''جی؟ میں نے ابھی دیکھا نہیں۔'' وہ چونک اٹھی۔

''دیکھو لو۔'' اس نے ڈبہ کھول دیا۔

ضوفشاں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ آف وہائٹ کلر کا اتنا عالیشان لباس تھا کہ اس کی قیمت کا تعین کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔

''اچھا لگا؟''

''جی ہاں!'' اس نے سر ہلایا اور اداسی سے مسکرائی۔

اسے یاد آ گیا کہ یہ لباس پہننے کے بعد اسے تمام تعریفی کلمات کس شخص سے وصول کرنے تھے۔

''میں نے یہ خاص طور پر آج کی تقریب کے لیے تمہارے لیے تیار کرایا ہے۔''

''کیا قیمت ہے اس کی؟'' اس نے سادے سے لہجے میں پوچھا۔

''جذبے انمول ہوتے ہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''اس کی قیمت میں اس وقت بتاؤں گا جب تم اسے زیب تن کرو گی۔ اس سے پہلے بھلا اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے!''

ضوفشاں نے بے تاثر انداز میں اسے دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ ساری عمر اپنے الفاظ کا خزانہ بے دریغ لٹا کر بھی سید عالم شاہ کبھی اس کے نزدیک جذبوں کا محض ایک احساس بھی اپنے نام نہ لکھوا پائے گا۔

✿......✿......✿

تقریب کا سارا انتظام چھت پر تھا۔ ''رنگ محل'' کی طویل و عریض چھت ان گنت چمکتی روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی۔

اسٹیج پر رکھے مخملیں صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھی ضوفشاں نے دور تک نظر دوڑائی۔ جہاں تک نظر جاتی۔ آدمی ہی آدمی تھے۔ بیش قیمت ملبوسات زیب تن کیے، قیمتی خوشبوؤں سے بھرے ہوئے۔ چہروں پر خاص امیرانہ تاثر لیے آدمی ہی آدمی تھے۔

ایک بے حد مخصوص حصے میں عورتیں ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مشغول تھیں...... خوش ادا کو خوش انداز عورتیں۔ جیسے ان کو کبھی کسی غم نے نہ چھوا ہو۔ جیسے وہ دنیا کی ہر خوشی اپنے نصیب میں اوپر سے لکھوا کر لائی ہوں۔

اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

''واؤ۔ چوائس اچھی ہے شاہ کی!'' کسی کی چہکتی آواز پر اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ ایک خوبصورت ناز و انداز سے سجی عورت اسی پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی۔

''روشنی یہ نرگس ہے۔'' اس کے عقب سے عالم شاہ نکلا۔

''سچ کہتی ہوں عالم۔ تم نے مجھے کیوں ریجیکٹ کیا۔ اس کا جواب از خود مل گیا مجھے!''

''سید عالم شاہ نے بے حد مسکرا کر ایک نگاہ ضوفشاں کے چہرے پر ڈالی اور ذرا سا رخ موڑ کر نرگس کی طرف متوجہ ہوا۔

''بے وجہ کی خوش فہمیوں میں مبتلا تھیں تم۔'' وہ خوش دلی سے گویا ہوا تھا۔ ''اگر روشنی مجھے نہ بھی ملتی تو اتنا تو طے تھا کہ کم از کم تم سے میں ہرگز شادی نہ کرتا۔''

نرگس نے سر اٹھا کر ہلکا قہقہہ لگایا اور مڑ گئی۔

''تم تھک گئی ہو گی؟'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''جی بہت۔''

''میں تمہیں کمرے میں پہنچانے کا بندوبست کرتا ہوں!'' وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑانے لگا۔

''یہ لوگ کیا ساری رات اسی طرح بولتے رہیں گے؟'' اس نے عجیب بیزار لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔ لیکن یہاں نہیں۔ نیچے ہال میں۔''

''وہاں کیا ہے؟''

''وہاں۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا۔ ''وہاں جو کچھ ہے اسے تم چھوڑ دو۔ بیڈروم میں جاؤ۔ چینج کرو اور سکون سے سو جاؤ۔''

''وہ خاموش ہو گئی۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ 'وہاں'' کیا ہونا تھا۔

اسے تھوڑی دیر میں نیچے پہنچا دیا گیا تھا۔ لباس تبدیل کرنے کی غرض سے وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ بے اختیار اس کی نگاہ سامنے آئینے پر گئی۔ چند لمحے وہ خود ساکت کھڑی اپنے عکس کو دیکھتی رہی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی آئینے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔

اگر وہ واقعی اتنی ہی خوبصورت لگ رہی تھی جتنی کہ آئینہ اسے دکھا رہا تھا تو یہ سچ تھا کہ وہ زندگی میں کبھی اتنی حسین نہ لگی تھی۔ آف وہائٹ دوپٹے کے ہالے میں اسکا چہرہ چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ ڈھیروں ڈھیر گجروں نے اس کے وجود میں ایسی خوشبوئیں بسا رکھی تھیں جو نہ صرف محسوس ہوتی تھیں بلکہ نظر بھی آ رہی تھیں۔ محض اسے دیکھ کر چاندنی اور خوشبو کا خیال آ رہا تھا۔

''وہ گجروں میں لپٹ کر بہت خوبصورت نظر آتی ہے۔'' آذر نے مہ جبیں سے کہا تھا۔ نجانے کب اس نے اسے گجرے پہنے دیکھا ہوگا اور ہمیشہ کے لیے وہ منظر دل میں محفوظ کر لیا ہوگا۔ اس نے آزردگی سے سوچا۔

''کیا عجیب افسانہ ہے۔ آج میں اتنی سی خواہش بھی نہیں کر سکتی کہ تم کہیں سے آ جاؤ اور مجھے یوں بنا سنورا دیکھ سکو۔ میں چاہتے ہوئے بھی نہیں چاہ سکتی!''

''دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آہٹ پر وہ چونک اُٹھی۔ عالم شاہ اندر داخل ہو رہا تھا۔

''اچھا ہوا تم نے لباس نہیں تبدیل کیا۔''

اسے آئینے کے مقابل دیکھ کر کر ہولے سے ہنسا اور چلتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''میں سوچ رہا تھا، ایسا نہ ہو تم میرا انتظار کیے بغیر اپنا یہ سجا سنورا روپ بے دردی سے خراب کر دو۔ میں نے اچھی طرح سے تمہیں دیکھا بھی نہیں۔ دیکھ لوں؟'' اسے شانوں سے تھام کر اس نے اپنے مقابل کر لیا۔

''آئینہ بھلا تمہیں کیا بتا سکتا ہے کہ تم کیسی لگ رہی ہو جاننا چاہتی ہو تو ایک نظر میری آنکھوں میں دیکھو۔''

ضوفشاں نے بے اختیار نظریں اٹھائیں۔ سیاہ بھونرا آنکھیں بڑی دلچسپی سے اس پر جمی ہوئی تھیں کیا تھا ان آنکھوں میں کہ وہ نظریں نہ جھکا سکی۔ ایک معمول کی مانند ان آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ محبت، وارفتگی، جذبوں کی انتہا۔ ان آنکھوں سے کیا کیا نہ ظاہر تھا۔ پھر اچانک دو لائٹ براؤن چمکتی آنکھوں نے ان کالی بھونرا آنکھوں کی جگہ لے لی۔ یہی سب باتیں تو وہ آنکھیں بھی کیا کرتی تھیں۔ ان میں بھی تو ایسے ہی کنول کھلتے ہیں۔ ایسے شعر تو وہ بھی کہا کرتی تھیں۔

اس نے ایک سسکی لی اور اس کا سر عالم شاہ کے سینے سے جا لگا۔

''روشنی!'' وہ چونک اٹھا۔ ''کیا ہوا؟''

اسے ہولے سے جھنجھوڑ کر وہ واپس حواسوں میں لے آیا۔

''کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک ہے نا تمہاری؟''

''جی۔'' اس نے سر تھاما۔ ''میں ٹھیک ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کھانا ٹھیک سے کھایا تھا؟'' وہ پریشان تھا۔

''جی ہاں! بس مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے سو جاؤ!'' اس نے پیار سے گال تھپتھپایا۔ ''جاؤ شاباش کپڑے بدل لو۔''

جب تک اس نے زیور اتارا، کپڑے بدلے، میک اپ صاف کیا، وہ وہیں بیٹھا رہا۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر وہ بستر پر نیم دراز ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''شب بخیر!''

اسے کمبل اوڑھا کر اس نے لائٹس آف کیں اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ ذرا سی دیر میں ہی نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔ اسے اندازہ نہ ہوا تھا کہ اس کی آنکھ کتنی دیر بعد کھلی تھی۔ اور کیوں کھلی تھی۔ کوئی خواب تھا یا کوئی احساس تھا جو اس کی پرسکون نیند میں مخل ہوا تھا۔

چھت پر نگاہ جمائے وہ سوچتی رہی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ نہایت ہلکی، مدھم سی آوازیں تھیں جو کمرے کی پرسکون فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ اور یہ آوازیں نیچے ہال سے آ رہی تھیں۔

گھنگھروؤں کی جھنکار، طبلے کی تھاپ، قہقہے نعرے، بہت سی آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

ضوفشاں کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا، جیسے کوئی دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ وہ یکلخت اٹھ کر بیٹھ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ ایک عجیب، ڈراؤنے احساس نے اس کا گھیراؤ کر رکھا تھا اسے در و دیوار سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ان آوازوں میں بھوتوں اور چڑیلوں کی چیخیں چھپی لگ رہی تھیں۔ ایک جھٹکے سے کمبل ہٹا کر وہ مسہری سے نیچے اتر آئی سرہانے رکھی شال اٹھا کر اچھی طرح سے اپنے گرد لپیٹی اور تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ کاریڈور سے گزرتے ہوئے اس نے رفتار آہستہ کر لی پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ریلنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

نیچے ایک اودھم ہوا تھا۔ ناچتی، تھرکتی عورتیں، طبلہ پیٹتے، سر ہلاتے آدمی اور کھلی بوتلوں اور بھرے ساغروں سے لطف اندوز ہوتے بے شمار مرد۔

تیزی سے آتے جاتے سانس پر اس نے بڑی مشکلوں سے قابو پایا اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے بعد ایک آدمی پر سے گزرتی اس کی نگاہ سید عالم شاہ پر جا رکی۔ ایک کونے میں رکھے صوفے پر آڑا ترچھا بیٹھا تھا۔ دوسرے بے قابو ہوتے مردوں سے قطعاً مختلف تاثر کے ساتھ۔ لاتعلقی سے اپنے ساتھ ہوتے تماشے کو وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے ریلوے اسٹیشن پر بیٹھا ہو۔ اسکے پیچھے اس کا خاص آدمی رائفل تھامے کھڑا تھا۔ ذرا سے فاصلے پر مکرم علی مستعد تھا۔

''واہ۔ میری امراؤ جانِ ادا۔''

اچانک ہی ایک نشے میں ڈوبا شخص اٹھ کر چیخا تھا۔

''کیا ناچتی ہو۔ میرا خیال ہے تمہیں اپنے گھر لے چلوں۔ ہمیشہ کے لیے!''

اس نے آگے بڑھ کر ناچتی عورت کی کلائی تھام لی۔ ساز اچانک خاموش ہو گئے۔ رقص تھم گیا۔ گھنگھرو ساکت ہو گئے۔ پورے ہال میں خاموشی چھا گئی۔ عورت نے اپنی کلائی چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔

''میرا یقین کرو میں تمہیں گھر لے جاؤں گا۔'' وہ مکمل نشے میں تھا اور اسے کھینچتا ہوا دروازے کی جانب لے جا رہا تھا۔

''محمود!'' عالم شاہ اچانک کھڑا ہوا تھا۔

''چھوڑ دو اس کا ہاتھ!''

''یار۔ او میرے یار۔ آپس کی بات ہے۔'' وہ ہنسا۔ ''مجھے پسند آ گئی ہے یہ۔ لے جانے دے۔''

''میں کہہ رہا ہوں اس کا ہاتھ چھوڑ دو!'' اس آواز بلند ہو گئی۔ ''یہ لوگ یہاں عالم شاہ کے بلاوے پر آئے ہیں۔ ذمہ داری ہیں میری۔ کوئی بدتمیزی میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ یہ فحش حرکتیں تم اپنے گھر میں کرنا۔''

''ارے واہ۔ سید عالم شاہ بڑا خیال ہے تمہیں ان طوائفوں کا۔ ان کے لیے اپنے دوستوں کو بے عزت کرتے ہو۔ ہاں کیوں نہیں۔ تمہیں ان کا خیال کیوں نہ ہوگا آخر کہ تمہاری ماں کے رشتے داروں میں سے ہیں۔''

''محمود گیلانی۔'' وہ اتنی زور سے چیخا تھا جیسے بھوکا شیر دھاڑا ہو۔ پھر وہ تیزی سے ڈگ بھرتا اپنے پیچھے کھڑے آدمی کی طرف بڑھا۔ ضوفشاں ایک لمحے میں سمجھ گئی کہ وہ کیا کرنے والا تھا۔

رائفل اس کے ہاتھ سے چھین کر وہ مڑا اور قریب تھا کہ گولی چلا دیتا۔ ایک دلدوز چیخ ضوفشاں کے لبوں سے نکلی۔

ایک سانس میں سیڑھیاں پار کر کے وہ اس تک پہنچی تھی۔

''عالم پلیز۔ عالم پلیز۔ ایسا نہ کریں۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''چھوڑ دو مجھے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کر دیا۔ ''نہیں چھوڑوں گا نہیں چھوڑوں گا اسے۔''

''عالم!'' وہ پھر اس سے لپٹ گئی۔ ''عالم آپ کو میری قسم۔ ایسا مت کریں۔''

''ہٹ جاؤ۔'' وہ پوری طاقت سے چیخا۔

پھر اگلے ہی لمحے وہ اپنے حواسوں میں آ گیا۔ ایک خون آشام نظر محمود گیلانی پر پھینک کر اس نے ضوفشاں کو دیکھا۔

''بہت برا کیا ہے روشنی۔ بہت برا کیا ہے تم نے میرے ساتھ۔'' وہ ہانپ رہا تھا۔ پھر وہ مڑا۔

''مکرم! ان سب کو ان کے گھروں کو بھیج دو۔ پانچ منٹ میں خالی ہو جائے ہال!''

ضوفشاں کی کلائی تھام کر اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا وہ اوپر لے جانے لگا۔ سیڑھیوں پر رک کر اس نے اس کی سیاہ شال اٹھا کر اس پر ڈال دی۔ پھر دوبارہ اتنی ہی تیزی سے چلتا، اسے ساتھ چلاتا وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک تیز آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا پھر ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

ضوفشاں منہ پر سختی سے ہاتھ جمائے مسہری کے کنارے پر ٹکی رہی۔ سید عالم شاہ تو اپنے عام انداز میں ہی اس کی جان اس کے جسم سے نکال دیا کرتا تھا۔ یہ روپ تو اس نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ نجانے کتنی دیر گزر گئی بیٹھے بیٹھے اس کا پورا بدن اکڑ گیا۔ وہ اندر سے برآمد نہ ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ نینداس کے اعصاب پر سوار ہونے لگی۔ اس کا سر خود بخود تکیہ سے جا لگا اور وہ گہری نیند سو گئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو سامنے رکھا ٹائم پیس ساڑھے آٹھ بجا رہا تھا۔ وہ اتنی دیر تک سونے کی عادی نہ تھی۔ لیکن شاید اس کے دماغ پر رات کی باتوں کا تاثر تھا۔ سر ابھی تک دکھ رہا تھا۔ مسہری سے پاؤں نیچے لٹکاتے ہی اس کی نگاہ عالم شاہ پر پڑی۔ کونے میں رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھا منہ میں سگریٹ دبائے وہ مسلسل دھواں چھوڑ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گئی اور ڈوری کھینچ کر پردے ہٹا دیے۔ سارا کمرہ اجالے سے بھر گیا۔ راکنگ چیئر کی حرکت تھم گئی۔ مگر اس نے رخ موڑ کر نہ دیکھا۔

''آپ!'' وہ تذبذب کا شکار تھی۔ ''آپ سوئے نہیں تھے؟''

وہ کافی دیر تک خاموش رہا پھر ہاتھ بڑھا کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔

ضوفشاں اس کے قریب پہنچی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ صرف ایش ٹرے میں ہی نہیں۔ اس کے آس پاس پورے کارپٹ پر سگریٹ کے ٹوٹے بکھرے ہوئے تھے۔ صرف آدھی رات میں اس نے اپنا نجانے کتنا خون جلا ڈالا تھا۔ وہ ضوفشاں کی طرف تو نہیں دیکھ رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اس کی آنکھوں کا گہرا سرخ رنگ دیکھ سکتی تھی۔

''روشنی!'' وہ بڑی گہری آواز میں بولا۔

''جی!''

''گھر جاؤ گی؟ مل آؤ اپنے ماں باپ سے!''

''میں۔ میں پھر کبھی چلی جاؤں گی!'' اسے اس کی اس حالت سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''نہیں۔ آج چلی جاؤ۔'' وہ بولا۔ ''ناشتا کر لو تو ڈرائیور سے کہو وہ تمہیں چھوڑ آئے گا۔''

''جی بہتر!''

''اس کا لہجہ اتنا قطعی تھا کہ اسے انکار کی ہمت نہ ہو سکی۔ ورنہ وہ اسے اس طرح چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔

''واپس کب آؤ گی؟'' وہ اسی انداز میں بیٹھا رہا۔

''جب آپ کہیں۔''

''اتوار کو ڈرائیور بھیج دوں گا۔ شام کو۔''

''جی۔'' وہ سر جھکا کر باتھ روم میں گھس گئی۔ اور نہا دھو کر تیار ہو گئی۔ تب بھی عالم شاہ کی حالت اور انداز نشست میں کوئی فرق نہ آیا۔

''نیچے ناشتا تیار ہے!'' اس نے محض اتنا کہا تھا۔ ''جا کر ناشتا کر و اور ڈرائیور سے کہو تمہیں چھوڑ کر آئے۔''

''آپ ناشتا نہیں کریں گے؟'' اسے احساس تھا کہ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

''جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرلو روشنی!'' لہجہ نرم تھا مگر اپنے اندر تحکم کا ایک خاص احساس رکھتا تھا۔

اس نے بیگ میں اپنے چند ملبوسات رکھے۔ ہینڈ بیگ اٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھ گئی، روازہ کھول کر چند لمحے وہ شش و پنج میں مبتلا رہی۔

''خدا حافظ۔'' پھر وہ بول پڑی۔

''اللہ حافظ۔'' وہ ہولے سے بولا تھا۔

وہ دروازہ بند کر کے نیچے چلی آئی۔ ڈائننگ ہال میں بڑی سی میز حسب معمول لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ خیراں اور حسینہ اس کی خدمت میں پیش پیش تھیں۔

''شاہ جی نے ناشتا نہیں کرنا جی؟'' خیراں کو زباں قابو میں رکھنا نہیں آتی تھی۔

''بعد میں کرلیں گے۔'' وہ آہستہ سے بولی اور اپنے لیے چائے نکالنے لگی۔

''سنا ہے بی بی جی!'' وہ بولی

پھر اس کی سرد نگاہ کو دیکھ کر جلدی سے خاموش ہو گئی۔ اسے لوگوں سے برابر تاؤ رکھنے کی عادت نہیں تھی تاہم جس شخص کی وہ بیوی تھی۔ اس کی ذات کے لحاظ سے اب اسے اپنے رویوں کی سمت متعین کرنی تھی۔

''خیراں! ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ میں بس آرہی ہوں۔'' چائے کا کپ خالی کرتے ہوئے وہ بولی۔

''جی بی بی!'' وہ دوڑ گئی۔

✿.....✿.....✿

پراسرار خزانہ

پُراسرار خزانہ...... کہانی ہے ایک حیرت و اسرار میں ڈوبی ہوئی رومانوی داستان کی، جسکا آغاز ہزاروں سال قبل ٹیکسلا (پاکستان) کے محلات (آج کے کھنڈرات) میں ہوا اور اختتام تبت کے پراسرار جنگلوں اور پہاڑوں میں۔ یہ کہانی گھومتی ہے انسانی محبت اخلاص اور ہمدردی کے جذبات کے گرد، اور اسے سنگین بناتی ہے انسان کی لالچ، طمع اور خود غرضی کے جذبے۔ ایک بے قرار، بھٹکتی رُوح کو سکون اور چین دینے کے لیے کئے گئے دشوار گزار سفر کی داستان، جس میں کچھ لوگوں کے پیش نظر ایک بیش بہا خزانہ بھی تھا۔

پُراسرار خزانہ کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مہ جبیں اسے سامنے پا کر خوشی سے نہال ہو گئی تھی۔

''ضوفی'' کتنی دیر وہ اسے شانوں سے تھامے دیکھتی رہی۔ ''صرف تین دن میں بدل گئی تو!''

''آپا!'' وہ ہنس دی۔ ''کہاں سے بدل لی ہوں مجھے بھی بتادیں۔''

''پتا نہیں۔ بس شخصیت میں ایک عجیب سا تاثر ابھر آیا ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''لگ رہا ہے کہ کسی بڑے آدمی کی بیگم ہو۔''

وہ سر جھکا کر ہنس دی۔

''اماں کی طرف گئی تھیں؟'' وہ اسے اندر لے جاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''جبھی تو آئی ہوں، یہاں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔ اماں کا از خود سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔''

''پاگل، ماں باپ بھی بھلا ناراض رہ سکتے ہیں اپنی اولاد سے، تم سے اماں ابا جتنی محبت کرتے ہیں اس کی تو آدھی محبت بھی نہ مل سکی مجھے۔''

''پھوپھی اماں کہاں ہیں؟''

''لیٹی ہیں۔ بخار تھا دو دن سے انہیں۔ آؤ پہلے مل لو ان سے۔'' دونوں دوسرے کمرے میں چلی آئیں۔

''پھوپھی اماں!'' وہ ان سے لپٹ گئی! ''کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہوں میری بچی!'' انہوں نے حسب عادت اس کا ماتھا چوما۔ ''خدا میری آنکھوں کی یہ روشنیاں سلامت رکھے۔ تو خوش ہے؟''

''جی!'' اس کی نظریں جھک گئیں۔

جھوٹ بولنا مشکل تو نہ رہا تھا۔ ہاں تکلیف وہ اب تک تھا۔

''کیسی خوبصورت لگ رہی ہے۔'' ان کے لہجے میں حسرتیں ہی حسرتیں تھیں۔ ''کیوں کیا آذر! تو نے ایسا!''

''پھوپھی! طبیعت ٹھیک ہے اب آپ کی!'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''ہاں!'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ''ٹھیک ہوں اب۔ دکھ کیسا ہی شدید ہو۔ کم ہو ہی جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے!''

ضوفی کی نظر مہ جبیں سے ٹکرائی پھر اس نے جلدی سے نظر چرا لی۔

''پھوپھی! اماں سے ملنے چلیں گی؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''تم دونوں مل آؤ بیٹی۔'' انہوں نے منت بھرے انداز ے میں کہا۔ ''میرا جی ابھی کہیں آنے جانے کا نہیں ہے۔''

''لیکن آپ اکیلی کیسے رہیں گی؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''جی پھوپھی اماں! آپ بھی چلیں۔ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' مہ جبیں لاڈ سے ان سے لپٹ گئی۔

''میں ٹھیک ہوں میری بچی۔ بس ابھی سوؤں گی تو شام کو جاگوں گی۔ تم عاصم کو فون کر جاؤ کہ شام کو تمہیں لیتا ہوا آئے۔''

''وہ راضی نہ ہوئیں تو ناچار دونوں ہی چل دیں۔

''آپا! اماں کچھ کہیں گی تو نہیں؟'' وہ خوفزدہ تھی۔

''بے وقوف ہو پوری۔'' وہ ہنس دی۔ ''شادی کے بعد پہلی بار میکے جا رہی ہو۔ وہ تو خوشی سے نہال ہو جائیں گی تمہیں اس روپ میں دیکھ کر!''

''کس روپ میں؟'' اس نے تعجب سے دریافت کیا۔

''بھاری بھر کم با اثر آدمی کی بیگم کے روپ میں۔''

''ضوفشاں کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ سج گئی۔ رخ موڑ کر وہ دوڑتی ہوئی گاڑی سے باہر کے منظر دیکھنے لگی۔

دروازہ ماں نے کھولا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں پٹ تھامے اسے دیکھتی رہیں۔

گہرے ہرے، گولڈن موتیوں کے نازک کاموں والے لباس میں وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا اس کی تمام خطائیں معاف کر دیتا۔ وہ تو پھر اس کی ماں تھیں۔

''ضوفی! میری جان!'' ان کے لب لرزے اور آنکھیں بھر آئیں۔

اس کی تین دن کی جدائی نے ان ساری ناراضگی دھو ڈالی تھی۔

''اماں!'' وہ دیوانہ واران سے لپٹ گئی۔

''اماں! مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں نا؟''

''بس کر۔ چھوڑ اس ذکر کو۔'' انہوں نے علیحدہ ہو کر آنسو پونچھے۔ ''مٹی ڈال، جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ماں باپ اولاد میں ہی اپنی خوشی اور سکھ پاتے ہیں۔ تو خوش ہے نا؟''

''ہاں اماں!'' اس نے دو آنسو اور گرا دیے۔

''بہت خوشی ملی ہے۔ کسی سے کوئی شکوہ باقی نہیں رہا۔ سمجھ میں نہیں آتا اتنی خوشیاں رکھوں کہاں!''

''اماں۔ ابا نہیں ہیں گھر پر؟'' اندر آتے ہوئے مہ جبیں پوچھنے لگی۔

''وہ تو شام کو ہی آئیں گے اب۔''

''ضوفشاں نے ایک اداس نظر اپنے پیارے گھر کے در و بام پر ڈالی۔ کوئی اسے اختیار دیتا تو آج بھی وہ اس کروڑوں مالیت والے محل کو ٹھکرا کر اپنے اسی گھر میں ہنسی خوشی رہتی۔ جہاں سارے خواب اس کے اپنے تھے، ساری خوشیاں دسترس میں تھیں۔ جہاں۔ جہاں......اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ کتنی کوشش کرتی تھی وہ اس ایک خیال سے بچنے کی۔ بس اس ایک یاد سے چھپنے کی۔ مگر بقول شاعر ''جس کو بھولے وہ سدا یاد آیا'' کی طرح اسے بھی ہر بات کے بعد بھی اک خیال آتا تھا۔

''ضوفی! کیا ملا رونمائی میں!'' فرصت سے بیٹھ کر مہ جبیں اپنے تجسس کے دروازے وا کرنے لگی۔

''کچھ وعدے۔ کچھ کاغذات!'' شعوری کوشش کے باوجود بھی وہ لہجے میں در آنے والی تلخی کو روک نہ پائی تھی۔

''کیا مطلب؟'' اسے تعجب ہوا۔

''وہ محل عالم شاہ نے میرے نام کر دیا ہے!'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''میں نے تو اب تک تمہارا وہ محل ہی نہیں دیکھا۔'' وہ مایوسی سے بولی۔

''جب جی چاہے آ کر دیکھ لیں۔'' وہ ہنس دی۔

''کون سا دنیا کے دوسرے کونے پر ہے!''

''اور۔ وہ تمہارے شاہ صاحب کس مزاج کے ہیں؟ ویسے ہیں تو زبردست چیز محض دیکھ کر رعب حسن و دولت سے انسان حواس باختہ ہو جائے۔ تیرے حواس کس طرح قائم رہے ہوں گے۔''

وہ شرارت سے ہنس کر پوچھنے لگی، ضوفشاں نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''بتاؤ نا۔ اب کیا گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ گئی ہو منہ میں!'' مہ جبیں چڑ کر بولی۔

ضوفشاں نے اسے دیکھا پھر اسے خیال آیا کہ اس کا رویہ ان لوگوں کو شکوک میں مبتلا کر سکتا تھا۔ جب ایک دفعہ ان سب کی خوشیوں پر خود کو قربان کر ہی ڈالا تھا تو پھر یہ بیزاری کیسی۔ اب جو جیسے بھی تھی اسے نبھانا تھا۔

وہ ہولے ہولے سے اسے اپنے گھر اور عالم شاہ کے متعلق بتانے لگی۔ اس کی محبتوں کا، پل پل بدلتے موڈ کا، گھر میں میسر عیش و آرام کا۔ ہر شے کا ذکر اس طرح کرنے لگی، جیسے یہ سب کچھ پا کر وہ بہت خوش ہو۔

''آذر کا فون آیا تھا!'' دفعتاً اس نے بتایا۔ ضوفشاں نظریں چرا کر رہ گئی۔

''کیا کہہ رہا تھا!'' بظاہر بے نیازی سے پوچھا۔

''کہہ رہا تھا کہ تمہیں اس کی جانب سے شادی کی مبارکباد دوں اور تمہاری تصویر منگوائی ہے شادی کی!''

''اس سے کہیے گا۔ اب اسے میری تصویر کی نہیں۔ کسی اور تازہ تصویر کی ضرورت ہے جو صرف اس کے سرہانے رکھے فریم میں ہی نہیں اس کے دل اور زندگی کے فریم میں بھی فٹ ہو جائے اور اسے کہیے گا آپا۔ ماضی کی طرف دوڑنے والے ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں۔ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنے کے بجائے آگے دیکھے!''

دیوار پر نگاہ جمائے، دکھ کے ایک گہرے تاثر کے ساتھ وہ بولتی رہی۔

''ضوفی!'' مہ جبیں نے اسے پکارا۔

''جی!'' اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم واقعی خوش ہو نا؟'' وہ اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''ہاں آپا!'' وہ ہنس دی۔ ''کبھی رنگ محل آؤ تو دیکھو میں کتنی خوش ہوں کتنی خوش!''

دو دن اس طرح پر لگا کر اڑ گئے کہ اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ اماں ابا پچھلی باتوں کو بھلا کر خوش تھے۔ وہ بھی اس کی خوشیوں میں شامل ہو کر خود کو اپنی ذات سے وابستہ محرومیوں کو بھلا کر ہنستی رہی۔ مسلسل بولتی رہی۔ دو دن کے لیے وہی پہلے والی ضوفشاں بن گئی۔ اپنے ساتھ لائے ہوئے سجے بنے کپڑے بیگ میں بند کیے وہ اپنے پرانے کپڑے پہنتی رہی۔ اسے تو محض ان کپڑوں کو دیکھ کر ہی عالم شاہ کا خیال آنے لگتا تھا۔ پرانے کپڑوں سے آذر کی خوشبو اور اس کی یادیں وابستہ تھیں۔ وہ جان بوجھ کر تو ایسا نہیں سوچتی تھی۔ بس لاشعوری طور پر ہی یہ سارے کام کیے جاتی تھی۔

''ضوفی!'' آخری دن اماں نے اسے اپنے پاس بیٹھا کر سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''کچھ باتیں ایسی ہیں جو شادی سے پہلے میں تم سے نہیں کر سکی تھی۔ اب سن لو!''

''جی اماں! کہیں۔''

''بیٹی! تمہارا شوہر جیسا بھی ہے۔ اور جس انداز سے ہم سے پیش آیا، ہم تمہاری خوشی کی خاطر بھلا چکے ہیں۔ اب وہ بھی ہمارے لیے عاصم جیسا ہے۔ اب آؤ تو اسے بھی آنے کا کہنا۔''

''جی اماں!''

''اور سنو بیٹی! میں جانتی ہوں یہ سب کچھ تم سے کہنا فضول ہی ہے۔ کیونکہ تم خود ہی سمجھدار ہو پھر بھی۔ دھیان رکھنا کہ ساری عمر اپنے شوہر کو خوش رکھو، اس کا کہنا مانو، اس کے مکان کو اپنے وجود سے سجا کر گھر بنا دو بیٹی! شوہر ایک عورت کی سب سے قیمتی شے ہوتا ہے۔ اپنی ساری خوشیاں اس کے نام کر کے بھی عورت گھاٹے میں نہیں رہتی کیونکہ پھر وہ اپنی ہستی عورت کے نام لکھ دیتا ہے۔ تمہارا شوہر عادت کا اکھڑ ہے۔ سخت مزاج ہے۔ جوانی اور دولت کے نشے میں چور رہتا ہے۔ پھر بھی وہ تمہاری زندگی کا اثاثہ ہے، اسی کے سہارے اب تمہیں اپنی عمر بتانی ہے۔ اپنے مزاج سے اس کے مزاج کو بدل دو تو زندگی کی سب سے بڑی کامیابی سمجھنا۔ نہ بدل سکو تو کبھی اس کے مقابل کھڑی مت ہونا۔ جھک جانا، ہار مان لینا۔ وہ گھر اب تمہارا اول و آخر ہے، سب کچھ ہے۔''

''جی اماں!'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''کبھی میری تربیت پر دھبا نہ لگنے دینا!''

''اماں کیسی باتیں کر رہی ہیں۔'' اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''اپنا فرض پورا کر رہی ہوں بیٹی۔'' وہ اداسی سے مسکرائیں۔

مہ جبیں کو علم تھا، اسے اتوار کو واپس جانا ہے۔ وہ صبح سے آ گئی تھی۔

شام ہونے لگی تو نہا کر اس نے لباس تبدیل کر لیا۔ پنک کلر کا سادا سا سوٹ تھا۔ مہ جبیں نے اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی۔

''یہی کپڑے پہن کر جاؤ گی؟''

''جی۔ کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔ ''اچھے نہیں ہیں کیا؟''

''اچھے تو ہیں۔ کیوں نہیں ہیں اچھے۔ مگر بہت سادہ ہیں۔ تمہاری شادی کو محض ایک ہفتہ ہوا ہے اور اس طرح رہتی ہو جیسے برسوں پہلے کبھی شادی ہوئی ہو۔ اتنے اچھے اچھے کپڑے لائی ہو، ان کا کیا کرو گی؟''

''مجھے تو یہی پسند آئے سو پہن لیے!'' وہ مسکرا دی۔

''بیوقوف سدا کی ہو۔''

وہ اٹھ کر اس کا بیگ دیکھنے لگی۔

''کتنی خوبصورت ساڑھی ہے۔''

اس نے گہرے فیروزی رنگ کی ساڑھی نکال کر کہا۔ شاکنگ پنک اور گولڈن بنارسی بارڈ والی، بے حد حسین ساڑھی تھی۔ شاکنگ پنک بلاوز کی آستینوں پر گولڈن کام تھا۔

''بس یہی پہنو گی آج تم۔''

''آپا'' اس نے احتجاج کیا۔ ''مجھے تو یہ باندھنے کی پریکٹس بھی نہیں۔''

''پریکٹس باندھنے سے ہی ہو گی۔ جاؤ بدل کر آؤ!''

اس نے اصرار کر کے بالآخر اس کے کپڑے تبدیل کروا دیے۔ بالوں کی خوبصورت فرنچ چوٹی باندھ دی۔

''میک اپ تم خود اتنا اچھا کرتی ہو کہ مجھے خود کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی!'' وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

اسے دکھانے کے لیے اسے چہرے پر آدھا گھنٹہ ضائع کرنا پڑا۔ جس وقت وہ ہونٹوں پر گہرے شاکنگ پنک کلر کی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ باہر گاڑی کا ہارن بجا پھر کال بیل بج اٹھی۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ اُٹھ کر باہر کی سمت چل دی۔ ''یقیناً آپ کے شوہر نامدار نے ڈرائیور بھیجا ہو گا۔''

چند لمحوں میں واپس آ کر اس نے تصدیق بھی کر دی۔

''جاؤ۔ خدا اپنی حفظ و امان میں رکھے تمہیں بھی اور تمہارے شاہ صاحب کو بھی!'' وہ شرارت سے ہنسی۔

ضوفشاں نے ایک نگاہ آئینے پر ڈالی پھر اس کا دل ذرا تیزی سے دھڑکنے لگا۔ دو دن اسے عالم شاہ کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اور اب دوبارہ اس کے سامنے جانے کے تصور سے اس کی جان نکلنے لگی۔ اور وہ بھی اس تیاری کے ساتھ۔

''چلیں آپا! آپ کو گھر اتار دوں گی!''

''نہیں۔ بس عاصم آتے ہی ہوں گے!'' وہ مسکرائی۔

''تم جلدی کرو۔ وہ دیدہ دل فرش راہ کیے بیٹھے ہوں گے۔''

وہ دھیرے سے ہنس دی۔

اماں، ابا سے مل کر، ڈھیروں دعائیں لے کر وہ باہر نکل آئی۔ مستعد ڈرائیور نے جلدی سے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے پھر ہاتھ ہلایا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی تو وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ عالم شاہ کے بارے میں سوچنے

لگی۔ دو دن کتنے آرام وسکون سے گزرے تھے۔ ہر دوسرے لمحے اس کے آن دھمکنے کے خوف سے آزاد، اس کی قربت کے احساس سے بالاتر۔ اور اب پھر اس کی محبت پاش نگاہوں کا سامنا کرنا تھا۔

اک یہ بھی حادثہ ہے مری زندگی کے ساتھ

میں ہوں کسی کے ساتھ، مرا دل کسی کے ساتھ

گاڑی ''رنگ محل'' میں جار کی۔ ڈرائیور نے فوراً اتر کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے اس کی نگاہ اوپر گئی۔ ''رنگ محل'' کی جگہ ''روشنی ولا'' جلی حروف میں لکھا تھا۔

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''السلام علیکم بی بی جی!'' مکرم علی راستے میں ہی مل گیا۔

''وعلیکم السلام! تمہارے شاہ صاحب کہاں ہیں؟''

''جب سے آپ گئی ہیں وہ تو کمرے سے ہی نہیں نکلے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''کیا؟'' اسے جھٹکا لگا۔ ''اب وہ تک!''

''جی۔ صرف ایک وقت کا کھانا اندر گیا ہے۔''

''تو۔ تو۔ تم نے انہیں سمجھایا نہیں کہ۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''وہ دروازہ بند کیے بیٹھے ہوں تو کس کی ہمت ہو سکتی ہے اندر جانے کی!'' وہ ہولے سے بولا۔ ''اب آپ آگئی ہیں آپ سمجھائیں بی بی جی!''

وہ پریشانی سے سوچتی، سیڑھیاں چڑھتی اوپر آگئی۔ دروازے کا ہینڈل موڑ کر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ ان لاک تھا، کھلتا چلا گیا۔

اندر حسب توقع اندھیرا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کیں۔

وہ اسی جگہ بیٹھا تھا۔ جہاں وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی وہ اس کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ آنکھیں موندے وہ بے خبر سو رہا تھا۔ سفید لباس ملگجا اور شکن آلود تھا۔ سیاہ بکھرے بالوں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ اسے کوئی اور عالم شاہ لگا۔ ڈرائی کلین ہوئے مغرور سے عالم شاہ قطعاً مختلف! پاس رکھی ٹرے پر کپڑا دھرا تھا۔ اس نے دیکھا کھانا ویسے کا ویسا رکھا تھا۔ اس نے چھوا تک نہ تھا۔ ہاں البتہ قالین پر بکھرے سگریٹ کے ٹکڑوں میں گراں قدر اضافہ ہو چکا تھا۔ نجانے دو دن میں اس نے کتنا دھواں پھونکا تھا۔ حالت خراب میں بھی ہلکی سی سختی سے بھنچے لب سیاہ ہو رہے تھے۔ وہ ایسا بگڑا ہوا روٹھا ہوا بچہ لگ رہا تھا جو کوئی من پسند چیز نہ ملنے پر روتے روتے سو گیا ہو اور جس کے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان موجود ہوں۔

اچانک ہی اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے بالکل قریب۔ دو زانوں بیٹھی ضوفشاں بوکھلا گئی۔

''تم آگئیں!'' انتہائی مخمور، سرخ آنکھیں، بوجھل اور سوجی ہوئی تھیں۔

''جی!'' اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

''ہاں! میں نے صبح ڈرائیور سے کہا تھا تمہیں لانے کا۔''

''آپ...... آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے!'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''تم ہی تو ہو میری اس حالت کی ذمہ دار۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور جا کر پردے ہٹانے لگا۔

''میں!'' وہ حیرت سے منجمد ہو گئی۔

''ہاں۔ تم!'' وہ مڑا۔ ''تم نے ہی روکا تھا نا مجھے اس کو قتل کرنے سے۔ تم نے قسم دی تھی نا مجھے۔ وہ قسم نہیں ایک آگ تھی روشنی! جو میرا سینہ اب تک دہکا رہی ہے۔ مارنے دیا ہوتا مجھے اس کو۔ دس گولیاں اس کے سینے میں اتار دیتا تو اس گالی کا ازالہ ہو پاتا جو میرے کانوں نے سنی۔ ہزاروں

آدمیوں کے درمیان۔ تم نے تم نے کیوں روکا مجھے۔ کیوں!''

''اسے مار کر آپ خود کہاں جاتے۔'' وہ نرمی سے بولی۔ ''جانتے ہیں!''

''کیا ہوتا؟'' وہ تلخی سے ہنسا۔ ''پھانسی چڑھ جاتا بس!''

''بس؟'' اسے حیرانی ہوتی۔ آپ کے لیے یہ کچھ نہیں ہے؟''

''میرے لیے تو شاید پھر بھی بہت کچھ ہو۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بولا ''لیکن تمہارے لیے کیا اہمیت ہے اس بات کی؟ تمہیں تو خوشی ہی ملتی نا۔ آزادی مل جاتی۔ شاید کسی دوسرے شخص کا ساتھ مل جاتا!''

دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کی بات پر ضوفشاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ جتنا بے نیاز وہ خود کو ظاہر کرتا تھا، اتنا تھا نہیں۔

''اب میرے لیے کسی دوسرے شخص کی ساتھ کے کوئی اہمیت نہیں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی اس حالت کی ذمہ دار میں ہوں تو جو سزا چاہے سنا دیں۔ وہ دس گولیاں میرے سینے میں اتار دیں۔ لیکن بہر حال اتنا ضرور سوچیں کہ کسی دوسرے کی دی ہوئی ایک گالی کا ازالہ انسان اپنی زندگی داؤ پر لگا کر نہیں کیا کرتا۔''

''روشنی! روشنی! تم نہیں جانتیں۔ اندازہ ہی نہیں کر سکتی ہو اس کا کہ یہ ایک بات یہ واحد بات جو میں صرف سوچتا ہوں تو میرے جسم میں دوڑتا لہو زہر بن جاتا ہے۔ میرے مساموں سے دھواں نکلنے لگتا ہے۔ میرا وجود بھڑکتی آگ کا ایک گولہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات میں نے سنی، کسی اور کی زبان سے۔ یہ گندی گالی، یہ جلتا کوڑا مجھ پر برسا ہزاروں لوگوں کے سامنے اور میں خاموش رہا۔ کچھ بھی نہ کر سکا میں۔ کیا کبھی عالم شاہ اتنا بے حس ہوا تھا؟ کبھی بھی نہیں! کیا شے ہوتی ہے یہ محبت۔ بھڑکتے انسان کو پانی بنا دیتی ہے۔ ناکارہ کر دیتی ہے۔ توڑ مروڑ کر بے شناخت کر ڈالتی ہے۔ انسان کا اپنا وجود، پوری شخصیت، گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہا۔ یہ محبت میرے جیسے شخص کے بس کا روگ تو نہ تھی۔''

''وہ اُٹھ کر دیوار تک گیا اور سر ٹکا کر دیوار پر مکے برسانے لگا۔

وہ بھی اُٹھ کر اس تک پہنچی۔ چند لمحے تذبذب سے کھڑی لب کاٹتی رہی پھر اس کے مضبوط شانے کو تھام لیا۔

''آپ۔ بھول نہیں سکتے یہ بات؟''

''نہیں!'' وہ بھڑکا۔

''میں کہوں تب بھی نہیں؟''

''تمہاری خاطر ہی تو بھلانے کی کوشش رہا ہوں اسے۔ پچھلے کئی دنوں سے۔ تمہاری قسم روشنی اس رات اگر میں باتھ روم میں بند نہ ہوتا۔ یا دوسری صبح تمہیں تمہارے گھر نہ بھیج دیتا تو شاید تمہیں ہی مار دیتا۔''

وہ سہم کر تھوڑا پیچھے ہٹ گئی۔

''ہاں۔ اتنا ہی غصہ تھا مجھے تم پر کیوں بچائی تم نے اس کی زندگی۔ کیوں دی تھی اپنی قسم مجھے؟''

''آپ۔ آپ کیوں اتنی سی بات کو خود پر سوار کرتے ہیں۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

''اتنی سی بات؟'' اس نے دانت پیسے۔

''کاش کہ تم جان سکتیں۔ کتنا درد ہے عالم شاہ کے سینے میں۔ جانتی ہو ماں کا رشتہ کیا ہوتا ہے اپنی اولاد سے؟ یہ رشتہ میرے لیے ایک پھوڑا ہے، ایک ناسور ہے جو پکتا ہے مجھ میں، مجھے اندر سے گلائے جاتا ہے۔''

وہ آگے بڑھ آیا اور اسے بازوؤں میں تھام لیا۔

''سنو روشنی! سنو! مجھے عورت کی ذات پر اعتبار نہیں آتا۔ یہ سر سے پاؤں تک وفا ہے یا سراپے بے وفائی، میں سمجھ نہیں پاتا۔ لیکن اس کے

باوجود میں نے تمہیں چاہا۔ تمہاری خواہش کی تمہیں اپنایا۔ محض اس لیے کہ عورت سے متنفر ہونے کے باوجود میں عورت سے ہار گیا۔ محبت ہار ہی ہوتی ہے نا! کس قدر مجبور ہوں میں اس محبت کے ہاتھوں۔ اس کا اندازہ یوں کرو کہ میں جانتا تھا تمہارا دل کسی اور کے نام ہے۔ تمہاری آنکھوں میں مہکتے خوابوں کی خوشبو کسی اور کے لیے ہے۔ اور یہ جاننے کے باوجود میں تمہیں اپنے گھر لے آیا۔ بے وفائیوں اور ہرجائی پن کے تمام تر خوف کے باوجود! کیا متضاد واقعہ ہے۔ لیکن آج میں تم سے ایک درخواست کر رہا ہوں روشنی! زندگی میں کبھی بھی ماں کے رشتے سے کھوٹ نہ کرنا، اس ایک لفظ کی حرمت کو داغدار نہ کرنا۔ تمہارے ماتھے پر جو روشنی ہے تمہاری آنکھوں میں جو سچائی ہے یہ مجھ سے کہتی ہے کہ جب تم ماں بنو گی تو بہت محبت والی ماں ہو گی۔ اس حرمت اور تقدس کی پاسبان جو ایک ماں کا ہی خاصہ ہو سکتی ہے۔ بس میرے اس یقین کو کبھی بے یقین نہ کرنا۔''

وہ کھلی آنکھوں سے اسے تکتی رہ گئی۔

کیا بلا کا یہ بدگمان شخص تھا۔ اس سے والہانہ عشق کرتا تھا اور بے وفائی کی امید بھی رکھتا تھا۔

وہ تھوڑی دیر اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''زنجیروں میں جکڑ کر لائے ہیں تو لازماً یہی سمجھیں گے کہ میرے دل کے کسی کونے میں فرار کی آرزو بھی ہو گی۔ لیکن یاد رکھیں، عورت محبوب سے بے وفائی کر لے تو عورت ہی رہتی ہے، شوہر سے بے وفائی کرے تو گالی بن جاتی ہے۔ میں کبھی بھی خود کو گالی نہیں بناؤں گی۔ سمجھے آپ!''

بہت عرصے بعد اس کے لبوں پر مسکان آئی تھی۔

''برا لگا تمہیں؟ شاید مجھے اپنے اندیشوں کو یوں بے نقاب نہیں کرنا چاہیے تھا!''

''بہت اچھا کیا آپ نے یہ سب کہہ کر کم از کم مجھے اتنا علم تو ہو گیا کہ آپ مجھے جن محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اب انکے پیچھے بد گمانیوں کے عکس بھی موجود ہیں۔''

''چلو۔ وعدہ ہے عالم شاہ کا۔ آج کے بعد کبھی تمہارے متعلق معمولی سا بدگمان بھی ہو جاؤں تو موت آ جائے مجھے۔ تمہارے لبوں سے آج یہ چند لفظ سن کر برسوں سے دل کی سطح پر جما شک و شبہات کا غبار صاف ہو گیا ہے۔''

اس کا تھکا تھکا لہجہ صاف ہو کر پھر پہلے جیسا شگفتہ ہونے لگا۔

''ارے۔'' وہ اچانک چونکا تھا۔ ''تم تم نے یہ لباس پہنا ہے۔''

''کیوں؟'' وہ اسے دیکھنے لگی۔ ''پسند نہیں ہے آپ کو؟''

''بہت پسند ہے!'' وہ ہلکے سے ہنسا۔

''ساڑی ہمیشہ میرا پسندیدہ لباس رہی ہے۔ عورت بڑی باوقار، بڑی مکمل لگتی ہے۔ ذرا ادھر دروازے تک جاؤ اور چل کر پھر واپس مجھ تک آؤ میں تمہیں ہر زاویے سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اس کے لیے بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ پھر بھی وہ بنا کچھ کہے مڑ کر دروازے تک گئی اور پلٹ کر اس تک آ گئی۔

''شاندار!'' وہ ستائشی لہجے میں بولا۔ ''تم پر تو یہ لباس کچھ اور ہی دلکش لگتا ہے۔ اکثر پہنا کرو۔''

''آپ بھی بدل لیجیے کپڑے۔ نہا کر فریش ہو لیں۔'' وہ سر جھکا کر آہستہ سے بولی۔

''ہاں۔ ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تم حسینہ سے کھانا لگانے کا کہو۔ میں تب تک نہاتا ہوں۔ پھر کہیں باہر چلتے ہیں۔''

اس نے ہولے سے سر ہلایا اور مڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

کھلی کھڑکی سے پرے نیلے روشن آسمان کی وسعتوں کے نیچے پھیلی جھیل کے پانیوں میں بھی نیلے آسمان کا عکس تھا۔ ہر شے بڑی کھلی ہوئی چمکدار اور روشن لگ رہی تھی۔

ضوفشاں کا جی چاہا، دوڑتی ہوئی جائے اور پانی میں آگے تک جا نکلے۔

''جگہ پسند آئی؟''

''عالم شاہ، نوکر کو کھانے کا کہہ کر آیا تھا۔ اسے یوں محویت سے باہر تکتا پا کر اس نے پوچھا۔

''جی۔ بہت!'' وہ باہر دیکھتی رہی۔

''ابھی تو دوپہر ہے۔ سورج چمک رہا ہے۔ منظر واضح ہے کل صبح جلد اٹھ کر دیکھنا ہوگا۔ فطرت کے حسن پر حیران رہ جاؤ گی۔ پانی کے اوپر کہر ہوگی۔ جو آسمان تک پھیلتی معلوم ہوگی۔ سفید آبی پرندوں کے غول کے غول کناروں پر اور پانی کی سطح پر جمع ہوں گے۔ ہر شے اتنی مقدس، اتنی دلکش معلوم ہوگی کہ تمہارا دل ہمیشہ یہیں رہ جانے کو چاہے گا۔''

''آپ آتے رہتے ہیں یہاں؟'' اس نے کھڑکی کے آگے سے ہٹتے ہوئے پوچھا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ہاں۔ جب میرے دوست نے یہ ریسٹ ہاؤس بنوایا تھا تب اس کی دعوت پر ایک ہفتہ یہاں گزار کر گیا تھا۔ اس کے بعد بھی ایک دو مرتبہ آنا ہوا ہے لیکن۔''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اسے مسکرا کر دیکھا۔

''لیکن؟''

''لیکن اس مرتبہ تو ایسا لگتا ہے جیسے جنت میں آ نکلا ہوں۔ وجہ اس مصنوعی جھیل کا حسن نہیں۔ تمہارا حسن ہے۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا ''میں نے شادی سے پہلے بھی سوچ رکھا تھا کہ ہنی مون کے لیے تمہیں یہاں لے کر آؤں گا۔ میں نے تقریباً پوری دنیا ہی گھوم رکھی ہے لیکن یقین کرو، جتنا حسن، جتنا سکون میں یہاں پاتا ہوں۔ کہیں اور نہیں پاتا۔ دنیا بھر میں یہ جگہ میری پسندیدہ ترین جگہ ہے۔''

''جی۔ بہت خوبصورت جگہ ہے!'' اس نے سر ہلایا۔

''تم کہو تو یہ ریسٹ ہاؤس میں خرید لوں۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرا دی۔ ''جب چاہے آ تو جاتے ہیں۔ آپ یہاں!''

''ہاں۔ بالکل۔ نواب قاسم خان میرا جگری دوست ہے۔ زبانی طور پر تو اس نے مجھے ہی دے رکھا ہے ہی ریسٹ ہاؤس۔ لیکن میرا دل چاہتا ہے روشنی کہ میں دنیا کی ہر شے باضابطہ طور پر تمہارے نام لکھوا دوں۔''

وہ ہنس کر خاموش ہوگئی۔

''جو کچھ میں تمہارے لیے کرتا ہوں۔ کیا تمہیں اس سے خوشی نہیں ہوتی روشنی؟''

''اسے بڑی دیر تک دیکھ کر اس نے ایسے لہجے میں پوچھا جس کی تہ میں حسرتیں پوشیدہ تھیں۔

ضوفشاں نے خاموش نظریں اس پر جما دیں۔ ان آنکھوں میں سید عالم شاہ کے اندر تڑپتے مچلتے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کھڑا ہوگیا۔

''کھانا اب تک تیار نہیں ہوا۔ میں دیکھتا ہوں!''

''وہ شال کو بازوؤں کے گرد لپیٹتا باہر نکل گیا۔ ضوفشاں نے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

وہ یہاں آنے کے لیے ذہنی طور پر قطعاً تیار نہ تھی۔ محض عالم شاہ کی ضد سے مجبور ہوگئی تھی۔ اپنے اندر کو مار مار کر وہ ادھ موئی ہو جاتی تھی، تب کہیں جا کر عالم شاہ کی وارفتگیاں برداشت ہو پاتی تھیں۔ ''روشنی ولا'' میں تو ہزار کام ہوتے تھے جو اسے ضوفشاں سے دور رکھتے تھے۔ زمینوں کے

معاملات، وہاں سے مختلف کاموں سے آئے ہوئے لوگوں کے مسائل، نوکروں کی ہدایات کا سلسلہ، دوستوں کی آمدورفت۔ وہ بیشتر وقت ان تمام باتوں میں الجھا رہتا اور وہ قدرے سکون سے رہا کرتی۔ لیکن یہاں آنے سے قبل اسے علم تھا کہ اسے دن رات وہ قربت برداشت کرنی ہوگی، جس کے خیال سے ہی اس کے اندر بے چینیاں برپا ہو جاتی ہیں۔ پھر اس نے سوچا تھا، اسے تمام عمر اس تپتے صحرا میں اسی طرح چلتے جانا ہے، پھر گریز کیسا اور کیسا انکار، سر تسلیم خم کر کے وہ اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔

✿.....✿.....✿

اگلی صبح وہ فجر کی نماز پڑھ کر باہر چلی آئی۔ عالم شاہ نے بالکل درست کہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ مبہوت کھڑی قدرت کے صناعیوں اور رعنائیوں کو دیکھتی رہ گئی۔ تاحدِ نگاہ پھیلے شفاف پانیوں کو کہر کے بادلوں نے جھک کر جیسے اپنے بازوؤں میں لپیٹا ہوا تھا۔ پرندوں کے غول کے تھے۔ جو آسمان پر، پانی کی سطح پر، کناروں کی سطح پر، کناروں پر جمع تھے۔ اسے لگا وہ واقعی جنت کے کسی گوشے میں موجود ہے۔

چپلیں اتار کر اس نے شفاف پانی کے اندر جمے بڑے بڑے پتھروں پر قدم جمائے اور ذرا سا آگے جا کر بیٹھ گئی۔ سردیاں اپنے اختتام پر تھیں اور فی الوقت فضا میں تیرتی ٹھنڈک اسے بھلی لگ رہی تھی۔

''کیا حسین نظارہ ہے۔ کیا جنت نظیر جگہ ہے!''

اس نے گھٹنے سے ٹھوڑی ٹکا کر سوچا۔

''نجانے کیا راز ہے اس میں۔ انسان جس جگہ کو پسند کرے وہاں اپنی من چاہی شخصیت کی ہمراہی میں ہی آنا کیوں چاہتا ہے۔ عالم شاہ یہاں میرے ساتھ ہی آنا کیوں چاہتا تھا۔ اور اگر مجھے اختیار حاصل ہوتا تو میں۔ میں۔''

اس نے دل میں ایک چور دروازہ ہوتا محسوس کیا۔

''نہیں۔'' پھر اس نے سختی سے سر جھٹک دیا۔

''اب مجھے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ خدا کے واسطے آذر! مت در آیا کرو مجھ میں ان چور دروازوں سے۔ میں بھول جانا چاہتی ہوں تمہیں۔''

اس کے اندر سے ایک سسکی نکلی پھر اس نے ہتھیلیوں سے آنکھوں کے کنارے رگڑ دیے اور پانی پر نظریں جما دیں۔ جس جگہ وہ بیٹھی تھی وہاں سے پانی کی گہرائیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ اس نے انگلی پھیر کر پتھر کی چکنی سطح کو محسوس کیا اور خوف زدہ ہو گئی۔

''اگر میں کھڑی ہوئی اور میرا پاؤں پھسل گیا۔ تو!'' اس نے سوچا۔

ایسی صورت میں کوئی شے ایسی نہ تھی جسے وہ تھام سکتی۔ پلک جھپکتے میں اس کا وجود ٹھنڈے، سرد پانی کی گہرائیوں میں جا پہنچتا۔ وہ پانی جو باہر سے دیکھنے میں دلکش، چمکدار، خوب صورت، حیات آفریں تھا اور اندر سے سفاک، سرد مہر اور بے رحم تھا۔ اسے پل بھر میں یوں نگل جاتا کہ پھر نہ وہ رہتی نہ کسی آذر کا تصور، نہ کسی عالم شاہ کی رفاقت۔

''عالم۔'' خوف کے عالم میں بے اختیار اس نے پکارا تھا۔

''ہاں روشنی۔ کہو؟''

اس کے اندر جیسے نئی زندگی کا اعتماد دوڑ گیا۔ سر گھما کر اس نے دیکھا۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

''آپ!'' اس نے گہرا سانس آزاد کیا۔ ''آپ کب آئے؟''

''کافی دیر ہو گئی۔'' وہ مسکرایا۔ ''تم جھیل میں پھیلے پانی کو دیکھ رہی تھیں اور میں تمہاری پشت پر بکھرے خوب صورت بالوں کو۔ اس محویت میں کوئی مجھ سے پوچھتا کہ دن ہے یا رات، تو میں کہتا، رات! لیکن تم نے مجھے پکارا کیوں تھا؟''

''میں۔ میں ڈر گئی تھی۔ میں سوچ رہی تھی میں پھسل کر پانی میں گر نہ جاؤں!''

''عالم شاہ نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔ ضوفشاں نے اسے تھاما اور اٹھ کر اس تک آ گئی۔

''جب تک عالم شاہ زندہ ہے، موت اور تمہارے بیچ ایسی دیوار بنا رہے گا کہ نہ تم اس کی ہلکی سی پرچھائیں دیکھ پاؤ گی نہ وہ تمہاری۔'' وہ اسے قریب سے دیکھ کر مسکرایا۔

اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی مضبوط گرفت سے آزاد کرایا اور آگے بڑھ گئی۔

ذرا سا آگے جا کر اسنے مڑ کر دیکھا، وہ اسی جگہ کھڑا تھا۔ نظروں میں ایک عجیب سا احساس شکست لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

ضوفشاں کو اپنے رویے میں بسی بے پناہ سرد مہری اور لاتعلقی، کا احساس ہوا۔ لیکن وہ بھی کیا کرتی۔ دل کے ہاتھوں اگر وہ مجبور تھا تو وہ بھی دل سے ہی شکست کھائے ہوئے تھی۔

چپلیں دوبارہ پیروں میں ڈال کر وہ وہیں گھاس پر بیٹھ گئی۔ وہ پانیوں پر نگاہ جمائے ٹہلتا رہا۔ ضوفشاں نے اس کے لمبے چوڑے بااعتماد وجود کو غور سے دیکھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو جھیل اسے ہولناک اور مہیب لگی تھی اب اس کے چلے آنے سے کیسی سہی ہوئی اور معصوم لگتی تھی۔

وہ ٹہلتا ہوا آیا اور اس سے ذرا سے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

''سنو روشنی۔'' اچانک اس نے کہا۔ ''تم نے عمر ماروی کی داستان پڑھی ہے؟''

ضوفشاں نے اسے دیکھا اور ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''روشنی! کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ماروی کو عمر سے محبت ہو جائے؟''

بڑی زخمی مسکراہٹ ضوفشاں کے لبوں پر پھیل گئی۔ اس کی بات کا کوئی بھی جواب دینے کے بجائے وہ سر جھکا کر زمین کو انگوٹھے سے کھودنے لگی۔

''مجھے احساس ہے کہ میں نے تمہیں تمہاری خواہش اور رضا کے بغیر اپنایا ہے۔'' وہ سوچتا ہوا بولنے لگا۔ ''میں جانتا ہوں تمہیں کسی اور کے ساتھ کی خواہش تھی، تمہارا دل کسی اور کے لیے دھڑکتا تھا۔ لیکن مجھے یقین تھا اور ہے کہ جتنی محبت تمہیں اس سے تھی اور اسے تم سے۔ ان دونوں محبتوں کو جمع کر کے ترازو کے ایک پلڑے پر رکھا جاتا ہے اور دوسرے پر عالم شاہ کی محبت، جنون اور خواہش کی، تو تمہاری قسم روشنی میرا پلڑا بھاری ہوتا۔ میں میں نہیں رہ سکا یہ سب کچھ کیے بغیر، مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا کہ تمہیں اپنے دل پر کبھی بھی یہ اختیار نہ ہوگا کہ تم اسے میرے نام کر دو۔ تم نے کہا تھا کہ میرے حصے میں محض ایک خالی، کھوکھلا وجود ہی آ سکے گا اور جواباً میں نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اس خالی، کھوکھلے وجود کو بھی اپنی تمناؤں سے سینچ کر اس میں محبت کے گلزار کھلا دوں گا۔ لیکن۔ اب کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے روشنی کہ میں نے برسوں تپتے صحراؤں کی خاک چھان کر ایک اہرام دریافت تو کر لیا ہے لیکن اس خوب صورت تاج محل جیسے مقبرے کے اندر جانے کا راستہ مجھے نہیں ملتا۔ میں باہر کھڑا اس کی مرمریں دیواروں سے اپنا سر پھوڑ رہا ہوں، پاش پاش ہو رہا ہوں۔ لیکن کوئی ایک در، کوئی ایک کھڑکی، کوئی ایک روزن میرے نام کا نہیں ہے اور مجھے یہ بھی وہم ہے کہ کبھی میں کوشش کر کے اندر پہنچا بھی تو مجھے علم ہوگا کہ اس اہرام میں دفن خزانہ تو کوئی اور کب کا لے جا چکا۔ میرے حصے میں تو بس ایک سرد لاش رہ گئی ہے'' کئی آنسو ضوفشاں کی آنکھوں میں بھرے اور ٹپ ٹپ نیچے گھاس پر گرنے لگے۔

''میں، میں تمام تر جذبوں سمیت تم تک آتا ہوں تو تم برف کا ایک ایسا بت بن جاتی ہو جسے عشق کی پاگل آگ بھی نہیں پگھلا سکتی۔ تم اکیلی ہوتی ہو تو نجانے وہ کون سا خیال ہوتا ہے جو تمہارے لبوں پر مسکراہٹیں، تمہاری آنکھوں میں چمک اور تمہارے گالوں پر گلال بکھیر دیتا ہے۔ میں تم تک پہنچتا ہوں تو تمہاری مسکراہٹیں دم توڑ دیتی ہیں تمہارے گال سرسوں کا کھیت بن جاتے ہیں تمہاری شعر کہتی آنکھیں نوحے پڑھنے لگتی ہیں میرے لیے تمہارے لبوں پر خوشی سے بھری ایک مسکان تک نہیں آتی۔ عمر نے تو ماروی کو دولت سے جیتنا چاہا تھا۔ میں تو تمہیں جذبوں سے رام کرنا چاہتا ہوں۔ محبت اتنی بے اثر تو نہیں ہوتی روشنی اتنی بے اثر!''

وہ تھک کر آسمان کو دیکھنے لگا۔

ضوفشاں نے اسے دیکھا۔اس کا دل دکھنے لگا۔وہ خود زخم خوردہ تھی۔اس کی تکلیف پر تڑپ سی گئی۔

''آپ۔اگر اس ایک بات سے ہی خوش ہو سکتے ہیں۔تو میں کہہ دیتی ہوں۔'' اس نے رک رک کر کہا۔''میں کہہ سکتی ہوں کہ مجھے آپ سے۔''

''نہیں۔'' دفعتاً وہ درشتی سے بولا تھا۔

''نہیں۔'' پھر اس کے لہجے میں نرمی در آئی۔

''نہیں روشنی۔میں نے کہا تھا نا تم سے کہ یہ ایک بات میں تمہارے لبوں سے سننا چاہوں گا لیکن جذبوں کی بھرپور سچائیوں کے ساتھ۔ زبان اور دل کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ خواہ اس دن کے انتظار میں یوم حشر آپہنچے۔لیکن اس سے لمحہ بھر پہلے بھی جھوٹ بول کر مجھے سرنگوں نہ کرنا تمہارا جھوٹا اظہار مجھے میری ہی نظروں میں گرا دے گا۔ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا عالم شاہ۔'' وہ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی جانب چلتا چلا گیا۔

''کیسا بے حاصل انتظار ہے تمہارا عالم شاہ۔'' اس نے سرد آہ بھر کر سوچا۔''شاید تمہاری عمر بھی بیت جائے گی اور میری بھی!''

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

۲۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔

۳۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔

اسپتال سے عاصم بھائی کا فون آیا تھا۔ مہ جبیں نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا تھا لیکن اس کی اپنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ عاصم بھائی نے اسے فوراً پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ اماں، ابا اور پھوپھی اماں اور پھوپھا جان چاروں مل کر عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے، کسی بھی روز ان کی واپسی متوقع تھی لیکن مہ جبیں کی حالت اچانک خراب ہو جانے کے باعث اسے وقت سے پہلے ہی ہاسپٹل لے جانا پڑ گیا تھا۔

''عالم شاہ۔'' وہ فون رکھ کر تیزی سے اس تک پہنچی تھی۔ ''مجھے ہاسپٹل جانا ہے۔ جبیں آپا کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ لیکن ان کی اپنی حالت ٹھیک نہیں۔''

''اچھا۔'' وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ ''ضرور جاؤ!''

''آپ! نہیں چلیں گے؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

وہ حتی الامکان اس کے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں سے ملنے سے گریز کرتا تھا۔ اور خود تو کبھی اس کے میکے گیا ہی نہ تھا۔

''میں۔ میں آؤں گا بعد میں۔ تم پہلے چلی جاؤ۔''

''جی۔'' وہ سر جھکا کر باہر نکل آئی۔

وہ ہاسپٹل پہنچی تو عاصم بھائی کاریڈور میں ہی مل گئے۔

''جبیں آپا کیسی ہیں۔'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''شکر ہے خدا کا۔'' وہ ہولے سے مسکرائے۔

''خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آؤ تمہیں تمہارا بھانجا دکھاؤں۔''

گل گوتھنا سا بچہ اس نے بازوؤں میں بھرا تو اس کے لب خود بخود مسکرا اٹھے۔

''کتنا پیارا ہے۔ بالکل آپا پر گیا ہے۔''

وہ کھل کر ہنس دی۔

اگلے دن مہ جبیں کو بھی کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اس کی حالت ابھی بھی ایسی تھی کہ اسے ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ اسپتال میں ہی رہنا تھا۔ ضوفشاں رات کو اس کے پاس ہی ٹھہری تھی۔ دوسرے دن عاصم بھائی نے اسے سمجھا کر تھوڑی دیر کے لیے گھر بھیج دیا۔

''کیسی ہیں تمہاری آپا؟''

وہ کہیں جانے کے لیے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر پہلی بات یہی پوچھی۔

''اب ٹھیک ہیں۔ شکر اللہ کا!'' وہ مسکرا دی۔

''اور، تمہارا بھانجا؟'' اس نے چند لمحے رک کر پوچھا۔

''بالکل خیریت سے ہے اور بہت پیارا ہے۔ لیکن آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''زمینوں پر کچھ کام پڑ گیا ہے۔'' وہ مڑ کر بالوں میں برش کرنے لگا۔ ''چند دنوں کا کام ہے۔ اتوار تک لوٹ آؤں گا۔''

''اچھا۔'' وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''سنو، روشنی۔'' وہ اچانک مڑا تھا۔ ''اپنی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

''وہ سوچ میں پڑ گئی۔

پھر اس نے آہستہ سے بتایا۔ اس سوال کے پیچھے کون سا سوال تھا اس سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

''ڈیڑھ سال۔'' اس نے زیر لب دہرایا۔ ''روشنی کتنا اچھا ہوتا کہ ہماری بھی کوئی اولاد ہو جاتی کیا تمہیں خواہش نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے۔'' وہ ہولے سے بولی۔ ''بس جب خدا کی مرضی ہو!''

''جانتی ہو۔'' وہ اس کے قریب آ گیا اور اسے بازوؤں میں تھام لیا'' میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہماری ایک بیٹی ہو۔ بالکل تمہاری جیسی۔ اجلی، پیاری۔ ہم اپنی بیٹی کا نام سحر رکھیں گے۔ سحر! شاید اس کے چلے آنے سے اس خاموش، اداس رات کی سحر ہو جائے!''

وہ بہت دھیمے سروں میں بڑبڑا رہا تھا۔

''چلتی ہو میرے ساتھ؟'' پھر اچانک وہ اپنے انداز میں لوٹتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کہاں؟'' وہ اس کی خود کلامی میں گم تھی، اچانک چونک اٹھی۔

''زمینوں پر۔'' وہ مسکرایا'' اپنا گھر بھی ہے وہاں۔ انجوائے کرو گی!''

''نہیں۔ آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں ہاسپٹل میں ہی رہنا ہے ابھی اور دیکھ بھال کے لیے کوئی بھی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے اصرار نہیں کیا۔'' میں لوٹوں گا تو ملوں گا ان سے۔''

وہ اس کے ساتھ ساتھ باہر تک گئی تھی۔

✿.....✿.....✿

نجانے قبولیت کے کن لمحوں میں عالم شاہ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ دوسرے دن شام کو جب ڈاکٹر نے اسے اس کے اندر جنم لینے والی نئی زندگی کے متعلق بتایا تو وہ بڑی دیر تک یہی سوچتی رہ گئی۔

مہ جبیں بھی یہ خوش خبری سن کر نہال ہو گئی تھی۔

''اللہ کرے تمہارے ہاں چاند سی بیٹی ہو۔ پھر میں اسے تم سے اپنے حارث کے لیے مانگ لوں گی۔''

''نہیں آپا۔'' وہ ذرا سختی سے بولی۔'' ابھی ان باتوں کے لیے بہت وقت پڑا ہے۔ تقدیر کی بند کتاب کے اندر لکھے گئے فیصلوں کو پڑھنے پر جب ہم قدرت نہیں رکھتے تو پھر ہمیں چاہیے کہ اپنی خواہشات کو بھی قبل از وقت ظاہر نہ کریں کیا خبر وہ ان چھپے ہوئے آسمانی فیصلوں سے مطابقت رکھتی بھی ہوں یا نہیں۔'' مہ جبیں محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''اماں، ابا اور پھوپھی جان کے آنے میں دو دن رہ گئے ہیں۔'' پھر اس نے بات بدل دی۔

''تب تک آپ کو بھی ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ کتنا خوش ہوں گے وہ لوگ۔ بڑا سرپرائز ہو گا ان کے لیے!''

''ہاں۔'' مہ جبیں مسکرائی۔'' ایک نہیں دو، دو سرپرائز۔ تمہارے شوہر کو پتا چلا؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا'' شام کو شاید ان کا فون آئے تب بتاؤں گی۔ ایسے انہوں نے بھی آپ والی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ انہیں بھی بیٹی کی آرزو ہے!''

''ضوفی۔ تیری بیٹی تو بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو گی۔'' مہ جبیں کچھ سوچ کر مایوسی سے بولی۔'' ہم جیسے چھوٹے موٹے لوگ تو اس کی نظروں میں سمائیں گے ہی نہیں!''

''کیا ہے آپا!'' وہ ہنس دی'' کہہ تو رہی ہوں ابھی ان باتوں کے لیے وقت پڑا ہے۔''

''ہوں!'' اس نے سر ہلایا۔'' پھر بھی، اب انسان اس بات پر بھی تو قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے دل میں خواہشات کو جنم ہی نہ لینے دے!''

وہ خاموش ہو گئی۔

شام اتری تو اس نے فون کر کے ڈرائیور کو بلوا لیا۔ عالم شاہ نے شام کو فون کرتے رہنے کا کہا تھا لہٰذا وہ شام کو گھر پر ہی رہتی تھی، اور آج تو پہلی بار اس کا دل اس سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا۔

حسب وعدہ اس نے سات بجے فون کیا تھا۔

''اوہ جانِ عالم۔کیسی ہو؟'' نجانے کیوں وہ بڑی ترنگ میں تھا۔

''جی۔میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی ''آپ اتوار کو ہی آئیں گے۔''

''ظاہر ہے۔آنے سے قبل تمہیں بتایا تھا میں نے۔کیوں کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

''مسئلہ تو نہیں۔'' وہ رک رک کر بولی۔

''ہاں ایک اچھی خبر ہے۔''

''اچھا'' وہ ہنسا ''سناؤ!''

''آپ نے جانے سے قبل ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔اب اس خواہش کے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے۔'' وہ بے تابی سے بولا تھا ''تمہارا......مطلب ہے روشنی......وہ چاندی اجلی بیٹی کی خواہش۔''

''جی!'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اوہ۔اوہ گاڈ!'' اس کی آواز اور لہجے میں دنیا بھر کی خوشیاں سمٹ آئیں ''تم نے مجھے تب ہی کیوں نہ بتادیا۔''

''تب میں خود لاعلم تھی۔''

''تم خوش ہو روشنی!''

''جی!'' وہ ہولے سے ہنس دی۔

''میں بھی خوش ہوں۔بے انتہا خوش۔بے اندازہ!میں میں فوراً دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر میں ابھی آرہا ہوں۔''

''ابھی!'' وہ متعجب ہوئی ''لیکن آپ کے کام۔''

''میرے لیے فی الوقت دنیا کا ہر کام اس خوشی کے آگے ہیچ ہے جو میں تمہیں دیکھ کر، تم سے مل کر پاؤں گا۔میں آرہا ہوں۔''

''لیکن راستہ لمبا ہے اور رات سر پر آرہی ہے۔'' وہ پریشان ہوگئی۔

''بے فکر رہو جانِ عالم۔'' وہ ہنسا ''چھ گھنٹے کی مسافت محض تین گھنٹوں میں طے کر کے میں تمہارے سامنے ہوں گا۔''

''عالم شاہ،عالم سنیں۔''

وہ پکارتی رہ گئی لیکن وہ فون بند کر چکا تھا۔پریشان سی ہو کر وہ فون کے پاس سے ہٹ گئی۔اسے دوبارہ ہاسپٹل مہ جبیں کے پاس جانا تھا۔ رات کا کھانا وہ اس کے ساتھ ہی کھاتی لیکن اب عالم شاہ کی فوری آمد سے اسے متذبذب کر رہی تھی۔

اس کی کلائی پر بندی گھڑی کی چمکتی سوئیوں کو دیکھا۔پھر اس نے فیصلہ کر لیا۔دو ڈھائی گھنٹے وہ مہ جبیں کے پاس گزار کر اس کی آمد سے قبل لوٹ کر آسکتی تھی۔

''امید۔'' اس نے چائے لاتے نوکر کو مخاطب کیا ''ڈرائیور سے کہو،گاڑی نکالے۔میں آرہی ہوں۔''

اس کی واپسی دس بجے ہوئی تھی۔گھڑی دیکھتی،سیڑھیاں چڑھتی وہ اندر آگئی۔

ہال کے ایک کونے میں خیراں اونگھ رہی تھی۔

''خیراں!''

''جی بی بی!'' وہ ہڑبڑا کر اٹھی ''آگئیں میری بی بی صاحب کھانا لگادوں جی!''

''نہیں۔تمہارے شاہ صاحب نہیں پہنچے؟''

''جی؟'' وہ ہونق ہوئی ''وہ تو جی گئے ہیں نا زمینوں پر۔''

''افوہ۔'' وہ جھلا کر آگے بڑھ گئی۔

ظاہر ہے کہ اس کی اچانک آمد کا علم محض اس کو ہی تھا۔

اس کی نیند کی رواں لہروں میں دروازے پر دی گئی دستک حائل ہوئی تھی۔

اس کی نظر سامنے رکھے ٹائم پیس پر گئی پھر وہ ہڑ بڑا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بستر سے اتر کر وہ تیزی سے دروازے کی سمت بڑھ تھی۔

''بی بی جی!'' باہر مکرم کھڑا تھا۔

''مکرم!''

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کی صورت پر جیسے کوئی اندوہناک حادثہ تحریر تھا۔

مکرم علی۔ تمہارے شاہ صاحب!'' اس کے لب کانپے۔

''ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وہ مدہم آواز میں بولا تھا۔ ''آپ کپڑے بدل لیں۔ ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔''

دروازے کو تھامے تھامے وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

✿......✿......✿

ہاسپٹل کے برآمدے کے ایک گول ستون سے ٹیک لگائے وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ مکرم علی سر جھکائے اس سے ذرا فاصلے پر تھا۔

''شاہ صاحب نے جلد پہنچنے کے لیے۔ شارٹ کٹ کا انتخاب کیا تھا۔'' وہ اسے بتا رہا تھا۔

''وہ راستہ بے حد خطرناک ہے۔ جنگل اور اجاڑ علاقہ ہے۔ شاہ صاحب کی گاڑی ایک موڑ پر توازن کھو کر کھڈ میں جا گری۔ جو نوکیلے پتھروں سے بھرا تھا۔ شاہ صاحب کر کے بل ان پر گرے تھے۔ اسی لیے ان کی ریڑھ کی ہڈی پر چوٹیں آئی ہیں جو بہت خطرناک ہیں۔ ان کا بچنا زیادہ ممکن نہیں۔''

اس نے ڈاکٹر سے حاصل کردہ معلومات اسے فراہم کر کے ایک نگاہ اس کے ستے ہوئے چہرے، بکھرے بالوں اور خشک آنکھوں پر ڈالی اور مڑ گیا۔

پوری رات اس نے اسی طرح کھڑے کھڑے گزاری تھی۔ مکرم علی نے کئی بار اس سے گھر چلنے کی درخواست کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ لب جیسے سب کچھ کہنا اور کان کچھ بھی سننا بھول گئے تھے۔

''کتنی آزمائشیں اور کتنی آزمائشیں۔'' بس ایک تکرار تھی جو اندر جاری تھی، صبح ڈاکٹرز نے اس سے خود بات کی۔

''آپ کے شوہر کے بارے میں فی الوقت کچھ بھی کہنا ممکن نہیں۔'' وہ اسے بتا رہا تھے۔

''ففٹی ففٹی چانسز ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ بچ جائیں مگر اس طرح کی ساعری عمر کے لیے معذور ہو جائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالکل ٹھیک ہو جائیں فی الوقت وہ کوما کی حالت میں ہیں۔ کل ان کا آپریشن ہے۔ اس کے کامیاب ہونے کی صورت میں تین ماہ بعد دوسرا آپریشن ہوگا۔ خوبی قسمت سے وہ آپریشن کامیاب ہو گیا تو آپ کے شوہر انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ پہلے کی طرح!''

اس نے ایک نظر ڈاکٹرز کے سنجیدہ چہروں پر ڈالی۔ ان کی تسلیوں میں چھپے کھوکھلے پن کو محسوس کیا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

''بی بی جی!'' مکرم علی باہر موجود تھا۔ ''چلیے، میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔ آپ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ کل سے آپ نے بالکل آرام نہیں کیا۔''

''میں ٹھیک ہوں مکرم!'' اس نے سرد آہ بھری۔

''آپ یہاں رہ کر بھی شاہ جی کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ گھر میں چل کر تھوڑا آرام کر لیں۔ سائیں تو ٹھیک ہو کر مجھ سے ہی پوچھیں گے ناکہ میں نے آپ کا کتنا خیال رکھا۔''

ایک زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے مکرم علی کو دیکھا اور بوجھل قدموں سے اس کے آگے آگے چلنے لگی۔

❁......❁......❁

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا عالم شاہ کہ تم مرجاؤ!'' اس کے سوئے ہوئے ذہن میں کچھ آوازیں گونجیں۔

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اچانک ہی کوئی مہیب حادثہ تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لے۔ گاڑی تیزی سے چلاتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں دھند اتر آئے۔ تمہارا راستہ، اندھیروں میں ڈوب جائے۔ تم گہرے، اندھیرے کھڈروں میں جا گرو اور کوئی تمہاری لاش کو وہاں سے نہ نکالے۔ تمہاری لاش، لاش، لاش!''

ایک چیخ کے ساتھ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ عالم شاہ کا خون آلود وجود اب تک اس کی آنکھوں میں پردے پر ڈوب اور ابھر رہا تھا۔ گہرے گہرے سانس لے کر اس نے خود کو حواسوں میں لانے کی کوشش کی اور سرہانے رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر لبوں سے لگا لیا۔

مکرم علی نے اسے گھر لا کر بڑی منتیں کر کے خواب آور گولیاں کھلا کر سلا دیا تھا اور نجانے کب سے وہ نیند میں یہی ایک منظر بار بار دیکھ رہی تھی اور اب کبھی اپنے ہی کہے الفاظ نے جو شاید ایک طویل عرصے سے اس کے لاشعور میں محفوظ تھے، اس کے ذہن میں ہر طرف ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔

بڑی دیر تک وہ ساکت بیٹھی رہی۔

''وہ بددعائیں میں نے تمہیں دی تھیں یا اپنے نصیب کو!'' پھر ایک سسکی لے کر اس نے سوچا۔ ''اور کیا وہ بددعا قبول ہوگئی تھی؟ اگر قبول ہو گئی تھی تو پھر اتنی دیر کیسے ہوگئی۔ اتنی دیر۔''

خاموش، اداس، بیڈروم کی ہر ہر شے کو دیکھتے دیکھتے اچانک اس کے دل و دماغ پر وحشت سوار ہوگئی۔ اسے لگا، ایک ایک چیز بظاہر ساکت ہے لیکن اس خاموشی کے اندر کہیں نوحے بلند ہو رہے ہیں، چیخیں نکل رہی ہیں، ہر طرف طوفان برپا ہے۔

اس کا دم گھٹنے لگا۔ سانس کا راستہ بند ہونے لگا۔ خود کو گھسیٹتی ہوئی وہ بیڈروم سے باہر لائی تھی۔

''ڈرائیور۔'' وہ چیخی۔ ''گاڑی نکالو۔ فوراً۔''

''کہاں لے چلوں بی بی جی!''

اس کے پچھلی نشست پر بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے ادب سے پوچھا۔ ''پھوپھی اماں کے گھر!''

اس نے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ وہ قطعی طور پر اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ دل و دماغ وحشت سے چلا رہے تھے۔ اس کے قابو میں ہی نہ آ رہے تھے۔

گاڑی رکی۔ ڈرائیور نے اتر کر، لپک کر اس کی جانب کا دروازہ وا کیا۔ وہ نیچے اتری اور بغیر کچھ کہے سنے دروازہ دھکیل کر گھر میں داخل ہوگئی۔

صحن میں برآمدے میں اور پھر برآمدے سے ہر ہر کمرے میں وہ داخل ہو کر واپس نکلتی رہی۔ پورا گھر خالی پڑا تھا۔ اس کی وحشت میں اضافہ ہوگیا۔

''آپا!'' وہ چلائی۔ ''پھوپھی اماں!'' اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کوئی کاندھا ایسا میسر نہ تھا جس پر سر رکھ کر یہ آنسو بہاتی۔ وہ تنہا تھی بالکل تنہا اور درد کا لامتناہی صحرا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ حواسوں میں لوٹی تو آنسو ہتھیلیوں سے پونچھ کر اس نے ایک بار پھر پورے گھر میں نگاہ دوڑائی۔

یہ ٹھیک تھا کہ وہ خود ہی فراموش کر بیٹھی تھی کہ مہ جبیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی اور عاصم بھائی کو اس وقت اسی کے پاس ہونا تھا لیکن دروازہ کیوں کھلا تھا۔ باہر تالا کیوں نہیں تھا۔

وہ سخت حیرانی کے عالم میں کھڑی یہ سب کچھ سوچتی رہی۔تب کہیں دور سے آتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

بہت دنوں کی بات ہے،فضا کو یاد بھی نہیں

یہ بات آج کی نہیں!!!!

مغنی کی دردانگیز آواز اس کے دکھی دل کو چیرتی چلی گئی۔

اس نے غور کیا۔آواز اوپر سے آرہی تھی اور اوپر آذر کا کمرہ تھا۔

شباب پر بہار تھی فضا بھی خوشگوار تھی

نجانے کیوں مچل پڑا، میں اپنے گھر سے چل پڑا میں چل پڑا

کسی نے مجھ کو روک کر، بڑی ادا سے ٹوک کر کہا تھا لوٹ آئیے، میری قسم نہ جائیے

اس کے قدم دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔دروازہ ذرا سا وا تھا اور مدہم سروں میں بجتے کیسٹ پلیئر کی آواز باہر آرہی تھی۔

وہ وہیں کھڑی گہرے گہرے سانس لیتی رہی اور درد بھرے بولوں کو سنتی رہی۔اسے جیسے الہام ہو گیا تھا کہ اندر کون تھا

اور اک حسین شام کو، میں چل پڑا اسلام کو

گلی کا رنگ دیکھ کر، نئی ترنگ دیکھ کر

مجھے بڑی خوشی ہوئی، خوشی ہوئی

پرائے گھر سے جائیے، میری قسم نہ آئیے

وہی حسین شام ہے، بہار جس کا نام ہے

چلا ہوں گھر کو چھوڑ کر، نجانے جاؤں گا کدھر

کوئی نہیں جو ٹوک کر، کوئی نہیں جو روک کر

کہے کہ لوٹ آئیے، مری قسم نہ جائیے، مری قسم نہ جائیے

اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔اس نے دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہو گئی۔اندر بالکل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔صرف ایک کونے میں بجتے کیسٹ پلیئر کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

''کون؟''

''ایک مانوس، مہربان آواز برسوں بعد اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

پھر لائٹ جل گئی۔

کتنے عرصے بعد وہ ایک دوسرے کے مقابل تھے۔اسے یاد نہ تھا اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے بیچ میں کئی صدیوں کے صحرا اور سمندر حائل رہے تھے۔

دونوں آمنے سامنے کھڑے ایک ٹک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

''اجالا''

بالآخر وہ حواسوں میں لوٹ آیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

اس نے جیسے انتہائی کرب کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔یہ نرم آواز، سماعتوں پر سکون وطمانیت کی پھوار برساتا یہ لہجہ، ایک عجب کسک تھی جو رگ رگ میں سرایت کر گئی۔

آذر نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ رائل بلیو بلیک ساڑھی میں اس کا مرمریں وجود کسی بت کی طرح ساکن تھا۔ مٹھیاں سختی سے بھینچے وہ ماضی کی ان راہوں میں دوڑ رہی تھی جن پر یادوں کے گلاب بکھرے ہوئے تھے۔ پھول تو یقیناً خوبصورت تھے لیکن کانٹوں کے ساتھ تھے اور وہ کانٹے اس کی سوچوں کے پاؤں لہولہان کیے دے رہے تھے۔ وہ ایک لذت آمیز تکلیف میں مبتلا اس کے سامنے حالت مراقبہ میں تھی۔ اس کے لب دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔ بکھرے ہوئے سیاہ بالوں اور ڈھلکے ہوئے پلو کے ساتھ اسے وہ کوئی جوگن لگنے لگی جس نے برسوں جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھانی ہو اور پھر اچانک اپنے من مندر کے دیوتا کو سامنے پا کر ایک بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو۔

''اجالا۔'' وہ اس کے قریب پہنچا۔ ''آنکھیں کھولو۔''

ضوفشاں نے ایک جھرجھری لی اور ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔

وہ دشمن جاں کس قدر قریب کھڑا تھا۔ اس کے نقوش کو دیوانگی کے عالم میں تکتا ہوا جیسے ابھی اسے دونوں شانوں سے تھام لیتا۔

ضوفشاں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ آنکھوں کو سختی سے بند کیا، پھر کھولا۔ کون تھا وہ؟

اس کے دماغ میں روشنی کے جھماکے سے ہونے لگے۔

''عالم۔ عالم شاہ!'' وہ بے آواز بڑبڑائی۔ ''ہاں۔ آنکھیں تو اسی کی ہیں۔ ان سے جھانکتے جذبے تو اسی کے ہیں۔ نہیں۔ نہیں! آذر، آذر کیا یہ تم ہو!''

''ہاں جالا۔ میں ہوں آذر۔ تمہارا آذر!'' وہ جذبات کے امڈتے سیلاب میں ہر بات فراموش کر رہا تھا۔

''میرے آذر!'' وہ خواب کے عالم میں بولی۔

''ہاں تمہارا۔ صرف تمہارا۔'' وہ بے بسی سے اس کے کاندھے تھام کر بولا۔

اس کا چہرہ، اس کا لب ولہجہ، اس کی آواز اسے فریب میں مبتلا کر سکتے تھے لیکن اس کے شانے محض ایک انسان کے ہاتھوں کا لمس پہچانتے تھے۔ وہ یکدم مکمل طور پر حواسوں میں آ گئی۔

آذر۔'' اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے ہٹا دیے۔

اس نے بے یقینی اور دکھ کے گہرے تاثر کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر اداسی سے مسکرا دیا۔

''بہت پریشان لگتی ہو۔''

''تم کب لوٹے؟'' اس نے سوال نظر انداز کر کے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

''آج ہی لوٹا ہوں۔ ایگریمنٹ کی مدت ختم ہو گئی تھی۔ ابھی عاصم بھائی مجھے یہاں چھوڑ کر ہاسپٹل گئے ہیں۔ امی وغیرہ بھی کل تک آ جائیں گے لیکن تم کھڑی کیوں ہو۔ بیٹھو۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹ کر پیچھے کیے اور پلو ٹھیک کر کے بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

''کس کے ساتھ آئی ہو تم؟'' وہ ذرا فاصلے پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''میں؟'' وہ چونک کر دوبارہ کھڑی ہو گئی۔

اسے یاد آیا کہ وہ کس طرح سے بھاگ کر یہاں آئی تھی اور وہ کون سی سوچ تھی جو اس کے تعاقب میں تھی۔ اسے یاد آیا کہ وہ ماضی میں نہیں حال میں موجود تھی۔ حال، جو بے رحم اور سفاک تھا۔

''میں چلتی ہوں۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

''اجالا۔ ٹھہرو!'' اسے اس کے عجیب رویے حیران کیے دے رہے تھے۔ یوں بھی وہ اس پر بیتنے والی صورت حال اور اس کی دماغی کیفیت سے آگاہ نہ تھا۔

''کہاں جا رہی ہو اس طرح۔ کس کے ساتھ جاؤ گی اور تم یہاں کیوں آئی تھیں؟''

''آذر''اس کی آواز بھرا گئی۔''عالم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔ میں نیند کی گولیاں کھا کر سوئی تھی۔ کسی خواب سے ڈر کر جاگی تو بنا سوچے سمجھے یہاں چلی آئی۔ مجھے اب جانے دو۔''

''تمہارے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''وہ حیران سے بولا''چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہیں۔ شکریہ۔''اس نے آنسو پونچھے۔''تم یہیں ٹھہرو۔ آپا بھی کل آجائیں گی۔ انہیں باقی لوگوں کو بتا دینا۔ میں چلتی ہوں۔''

''اجالا۔''اس نے پکارا۔

مگر وہ رکے بغیر چلی گئی۔ سیڑھیاں اتر کر صحن پار کیا اور دروازہ کھول کر گلی میں آگئی۔ ڈرائیور بونٹ سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر جلدی سے سیدھا ہوا اور پھرتی سے اس کے لیے دروازہ وا کیا۔

''ڈرائیور۔ ہاسپٹل چلو!''

اس نے اندر بیٹھ کر بے دم سی ہوتے ہوئے پشت سے ٹیک لگا لی۔

بڑی دیر تک وہ اسی طرح نڈھال سی بیٹھی رہی۔ گاڑی لمبی چکنی سیاہ سڑک پر دوڑتی چلی جا رہی تھی اور اس کا دماغ ایک نقطے پر ساکن تھا۔

''آذر۔ آذر۔ آذر۔''

ایک نام تھا جو بدن کی کھوکھلی عمارت میں گونجتا چلا جا رہا تھا۔ جس طرح سے کوئی آواز کسی مقبرے کے گنبد در گنبد سلسلے میں دیواروں سے تادیر سر پٹختی رہے۔

''کیوں چلے آئے ہو تم؟ کیوں؟''

دونوں ہاتھوں سے چہرا ڈھانپ کر اس نے ایک سسکی لی۔

''اس ذہن، اس جسم کے اندر برپا یہ شور کتنی مشکلوں سے تھما تھا۔ یہ زندگی کس عذاب سے گزرنے کے بعد پھر ایک محور پر رواں ہوئی تھی۔ کتنے طوفانوں کے بعد یہ سمندر پرسکون ہوا تھا۔ تم نے پتھر پھینک دیا۔ کیوں چلے آئے ہو آذر۔ کیوں؟''

''جی بی بی جی۔''ڈرائیور چونک کر مڑا تھا۔''کچھ کہا آپ نے؟''

''نہیں۔''اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔''تم گاڑی چلاؤ۔''

اسپتال کے احاطے میں گاڑی رکی۔ وہ اتر کر تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''بی بی صاحبہ۔''مکرم علی اسے کاریڈور میں مل گیا۔

''کہاں تھیں آپ۔ میں دوبارہ گھر فون کر چکا ہوں۔''

''تمہارے صاف صاحب کو ہوش آیا۔''اس نے بہتے آنسو صاف کیے۔

''جی ہاں۔ انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے ان سے مل سکتی ہیں۔ کل صبح دس بجے ان کا آپریشن ہے۔''

مکرم علی دروازے کے باہر ہی رک گیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ اس شخص کو اس حالت خراب میں دیکھنا کیا اذیت ناک عمل تھا۔ اس کو لگا اس کا دل اس کے منہ کے راستے باہر نکلنا چاہتا ہے۔ منہ پر سختی سے ہاتھ جما کر وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

''آپ ان کی مسز ہیں ناں۔''ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے اس پر نگاہ جمائی۔''یہ فی الوقت ہوش میں ہیں۔ آپ مل سکتی ہیں۔......''

گھسٹتے ہوئے قدموں سے وہ بیڈ تک پہنچی۔ اس کا چہرہ پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا۔

''عا......عا......عا۔''ضوفشاں نے اسے پکارنے کی کوشش کی پھر اس کے اندر دبی تمام چیخیں، تمام آہیں آزاد ہو گئیں۔

بیڈ کے سرہانے کو تھام کر وہ زور زور سے رونے لگی۔

''بی بی صاحبہ۔ بی بی صاحبہ ہمت پکڑیں جی۔'' دروازہ کھول کر تیزی سے مکرم علی اندر داخل ہوا۔

''دیکھئے پلیز یوں شور مت کریں۔'' ڈاکٹر الگ پریشان ہو گیا تھا۔

''مکرم۔ مکرم مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں انہیں۔ اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ میں انہیں اس طرح نہیں دیکھنا چاہتی۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ میں مر جاؤں گی مکرم علی۔ خدا کے واسطے مجھے گھر لے چلو۔''

وہ ہوش سے بیگانی ہو رہی تھی۔

مکرم علی اسے باہر لے آیا

✿.....✿.....✿

اسپتال کے۔ آراستہ و پیراستہ ویٹنگ روم میں وہ سب جمع تھے۔ اماں کے کاندھے سے سر ٹکائے وہ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمائے بیٹھی تھی۔

مہ جبیں سامنے والے صوفے پر بیٹھی حارث کو سنبھال رہی تھی۔ پھوپھی اماں کی انگلیاں تسبیح کے دانوں پر رواں تھی۔

دس بجے اسے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا اور اس وقت دیوار میں ٹنگی نفیس وال کلاک تین بجا رہی تھی۔

''جبیں بیٹی۔ اس کو کچھ کھلاؤ۔ اس طرح کب تک بھوکی بیٹھی رہے گی۔'' پھوپھی اماں نے اس کو مجسم بیٹھا دیکھ کر پریشانی سے کہا۔

''میں کچھ نہیں کھاؤں گی پھوپھی اماں۔'' سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے ہولے سے کہا۔

''اس وقت میں کچھ کھا ہی نہیں سکتی۔''

''آخر یہ آپریشن کب ختم ہو گا۔'' اماں بے کل ہو کر گویا ہوئیں۔ ''کوئی خیر خبر ہی سنا جائیں۔''

''ہمت رکھو۔'' ابا نے ان کے کاندھے پر تھپکی دی۔ ''خدا سب ٹھیک کرے گا۔''

ایک طویل وقفہ تھا جس کے دوران اس نے اذیتوں اور بے قراریوں کی گھڑیاں ایک ایک کر کے پوری کی تھیں۔ بالآخر ایک وارڈ بوائے اندر آیا۔

''مسز عالم۔ آپ ڈاکٹر یونس سے ان کے کمرے میں مل سکتی ہیں۔''

''ارے بیٹا۔ آپریشن ہو گیا۔'' اماں گھبرا کر کھڑی ہوئی تھیں۔

''جی ہاں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔''

''اے خدا! تیرا شکر ہے۔'' سب کے لبوں سے یہی الفاظ نکلے تھے۔

''چلو بیٹا۔'' ابا نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ ''ڈاکٹر سے مل آئیں۔''

گہرے سانسوں پر قابو پاتی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''مسز عالم۔ آپ کے شوہر کا پہلا آپریشن کامیاب ہوا ہے۔'' سرجن یونس نے مسکرا کر اسے نوید سنائی۔ ''آپ کو مبارک ہو۔ انہیں نئی زندگی ملی ہے۔''

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' وہ ہولے سے مسکرائی۔

''دوسرا آپریشن کچھ عرصے بعد ہو گا۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکے گا کہ مسٹر عالم مکمل طور پر صحت یاب ہوتے ہیں یا۔ میرا مطلب ہے کچھ پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔''

''ضوفشاں نے بے جان نظروں سے ڈاکٹر کی سمت دیکھا۔

''دیکھیے یہ بات آپ کو ڈسٹرب ضرور کر دے گی لیکن اس کا جاننا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔''ڈاکٹر نے پہلو بدلا۔''آپ کے شوہر اس آپریشن کی ناکامی کی صورت میں ہمیشہ کے لیے اپاہج ہو جائیں گے۔ان کا نچلا دھڑ مفلوج ہو جائے گا۔وہ کبھی چل نہیں پائیں گے۔''

اس کا تیزی سے سیاہ پڑتا چہرا دیکھ کر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔دونوں ہاتھوں سے چہرا ڈھانپ کر ضوفشاں نے میز سے سر ٹکا دیا تھا۔ڈاکٹر کی آواز اور سید عالم شاہ کا چہرا اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

''بیٹا۔حوصلہ رکھو۔''ابا نے افسردگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''کہاں سے لاؤں اتنا حوصلہ ابا جی۔''سر اٹھا کر اس نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کسی دکان پر ملتا ہوتو اتنا خرید لوں کہ زندگی بھر کے مصائب اور دکھوں کو آواز دے کر ایک ساتھ بلا لوں۔ایک ساتھ سامنا کر ڈالوں سب کا۔لیکن حوصلہ کہیں ملتا بھی تو نہیں ناں ابا جی۔''

''بیٹا! خدا کسی انسان کو کبھی اس کے حوصلہ سے زیادہ نہیں آزماتا۔خدا پر بھروسہ رکھو چندا۔''

''کل تک وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ بات کر سکیں۔''ڈاکٹر نے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ ان سے مل سکیں گے۔جب تک ان کے زخم وغیرہ پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتے وہ یہاں ایڈمٹ رہیں گے پھر آپ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔''

''اگلا آپریشن کب ہوگا ڈاکٹر۔کب تک میں اس کرب کی سولی پر لٹکی رہوں گی؟ یقین کریں ڈاکٹر وہ ایسا شخص ہے کہ اس بے بسی کی حالت میں اسے دیکھنا اور اسے تسلی دینا مجھے کرب کی آخری سرحد پر کھڑا رکھے گا۔''

''مجھے احساس ہے۔''اس نے سر ہلایا۔''بہر حال تقریباً دو ماہ کا عرصہ درکار ہوگا۔پوری طرح سے اس آپریشن کے اثرات زائل ہو جانے کے بعد۔''

اس نے گہرا سانس لیا اور ابا کے ساتھ اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

✿.....✿.....✿

''روشنی!''اس کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ بڑی بے بسی سے اسے تک رہا تھا۔

''جی کہیے۔''

پٹیوں سے جکڑے اس کے ماتھے کو اس نے دھیرے سے چھوا۔

''کیا۔کیا۔کیا میں ٹھیک ہوں پاؤں گا روشنی!''

''اس کے لہجے میں ایک عجیب بے یقینی، ایک خوف کا تاثر تھا۔

''انشاءاللہ ضرور۔''وہ ہولے سے مسکرائی۔

''پریشان کیوں ہوتے ہیں۔''

''دیکھو، دیکھو میں اس طرح سے رہ نہیں سکتا۔روشنی! یہ بستر روئی سے نہیں آگ سے بنتا ہے۔یہ جو اسپتال کا بستر ہوتا ہے ناں یہ نظر نہ آنے والے شعلوں سے لپٹا ہوا ہوتا ہے۔میرے لیے قبر اس سے زیادہ مناسب جگہ ہے۔

''خدا نہ کرے۔''وہ پریشان ہو گئی۔''اس طرح مت کہیں......کبھی کبھی لبوں سے نکلی باتیں بھی۔''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ ایک تکلیف دہ احساس میں گھر گئی تھی۔

''ہاں۔'' وہ کراہا۔'' شاید کبھی میرے لیے کسی نے یہ سب کہا ہو۔ ہو سکتا ہے ناں روشنی!''

''عالم پلیز!'' وہ رو دینے کو ہوگئی۔'' مت کریں ایسی باتیں۔''

''مجھے یہاں سے لے چلو!'' اس نے مٹھیاں بھینچیں۔'' میں یہاں نہیں رہ سکتا۔''

''بس کچھ ہی دنوں میں ہم گھر چلیں گے۔'' ضوفشاں نے اسے تسلی دی۔

''کیسے چلیں گے؟ میں چل کہاں سکتا ہوں۔ ڈاکٹرز کو بلاؤ روشنی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں اب کبھی چل بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں اصل صورت حال جاننا چاہتا ہوں۔ کوئی مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ ع مجھے بتاؤ روشنی مجھے بتاؤ! عالم شاہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ وہ سب کچھ سن نہیں پائے گا۔ مجھے کہو کہ میں اپاہج ہوگیا ہوں۔ بتاؤ کہ میں بقیہ عمر۔ یونہی شعلوں کے بستر پر گزاروں گا۔ کہہ ڈالو کہ وہ عالم شاہ جو ہزاروں بادلوں کے پیروں تلے روندتا غرور سے سر اٹھائے چلتا تھا اب زمین پر قدم جمانے کے قابل بھی نہیں رہا۔ کہو کچھ تو کہو روشنی!''

اس نے بے بسی سے گردن تکیے پر دائیں بائیں گھمائی۔

''عالم! عالم! خدا کے لیے ایسی باتیں مت کریں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرا تھاما۔'' یقین کریں آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ پہلے کی طرح چلیں گے۔ آپ کا دوسرا آپریشن ضرور کامیاب ہوگا۔''

''اور اگر نہ ہوا تو؟'' وہ ایک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظریں چرانا بھی ممکن نہ رہا۔

''تو۔ تو۔ بھلا آپ منفی پہلو پر کیوں سوچ رہے ہیں!''

''تمہاری اماں بتا رہی تھیں کہ تمہارا کزن واپس آگیا ہے۔'' اچانک وہ بولا۔

اب کی بار اس نے حقیقتاً نظریں چرائی تھیں۔

''ہاں۔ اس کے اگریمنٹ کی مدت ختم ہوگئی ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہنا چاہا تھا لیکن لہجے میں ہزاروں چور بولنے لگے تھے۔

''اچھا'' وہ دھیرے سے ہنسا۔'' اب کس کس اگریمنٹ کی کتنی مدت باقی ہے؟''

''آپ آرام کریں عالم!'' وہ رسانیت سے بولی۔'' زیادہ سوچا مت کریں۔''

''میرے پاس سوائے سوچنے کے اور رہا کیا ہے روشنی۔ سوچوں بھی نہیں تو کیا کروں؟''

''تو پھر اچھی اچھی باتیں سوچا کریں۔''

''اچھائی اور برائی کی پہچان کبھی میرے لیے واضح ہو نہیں پائی روشنی۔'' وہ دل شکستگی سے بولا تھا۔'' فرق کیسے جان پاؤں کہ کون سی سوچ اچھی ہے اور کون سی بری۔''

''جن باتوں کو سوچنے سے خوشی حاصل ہو، اطمینان اور سکون محسوس کریں وہ باتیں سوچا کریں۔''

''اچھا'' اس نے نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔'' یوں کہو کہ تمہیں سوچا کروں۔ ہاں۔ اچھا طریقہ ہے۔''

ضوفشاں مسکرا دی۔ اس کے لبوں پر بھی غیر واضح مبہم سی مسکراہٹ اتری تھی۔

✿......✿......✿

چند دن بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ جس وقت مکرم علی اسے وہیل چیئر سے بستر پر منتقل کر رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

لمبی چوڑی جسامت، وہ زمین پر مضبوطی سے قدم رکھتا، تندرست و توانا وجود کتنا بے بس اور کتنا مجبور تھا۔

ضوفشاں کو یہ سب کچھ دیکھنا اور محسوس کرنا مشکل لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی تیز دھار چاقو سے ایک ایک کر کے اس کے دل کی رگیں

کاٹ رہا ہو اور خون ابل ابل کر حلق تک آتا ہو۔ اسے ابکائیاں روکنا محال ہو جاتیں۔۔

پھر بھی اسے یہ سب کچھ دیکھنا تھا، محسوس کرنا تھا اور صبر کرنا تھا۔

''روشنی۔''

وہ اسے سہارا دے کر اونچا کر رہی تھی جب اس نے پکارا تھا۔

''جی کہیے۔''

اس نے تکیے اس کے پیچھے لگائے۔

''جانتی ہو۔ پچھلے کئی دنوں سے میرے اندر جو ابال اٹھ رہے تھے وہ اب بیٹھنے لگے ہیں۔ دنیا کو تہس نہس کر ڈالنے کی خواہش دم توڑ گئی ہے ایک سکون سا پھیل گیا ہے یا خاموشی کہہ لو۔ ہاں ایک خاموشی، ایک سناٹا اتر آیا ہے میرے اندر جو مجھ سے کہتا ہے کہ اب مجھے ہمیشہ یونہی رہنا ہے۔ یونہی جینا ہے اب ساری زندگی مکرم علی مجھے وہیل چیئر سے بستر اور بستر سے وہیل چیئر پر منتقل کرتا رہے گا اور تم مجھے سہارا دے کر یونہی بٹھاتی رہو گی۔ تم! روشنی۔ ساری عمر کرو گی یہ سب کچھ؟''

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں۔ آپ کے لیے مکرم علی سے بھی کم قابل اعتبار ہوں۔''

وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

''ناراض مت ہو۔ مجھ سے ناراض مت ہوا کرو روشنی۔ جو کچھ میں کہہ جایا کروں اس کی گہرائیوں میں مت اترا کرو۔ کم از کم اب نہیں۔ اب تو میں صرف بولتا ہوں۔ سوچے سمجھے بغیر۔ جانے بغیر کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی گہرائی میں کون سے معنی پوشیدہ ہیں۔''

''چلیں اب بس کریں۔''

اس نے ٹرالی نزدیک کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کھانے کے لیے وقت بھی اتنی باتیں کرتے ہیں کہ ایک دو لقمے سے زیادہ نہیں کھا پاتے۔''

''جتنی باتیں آپ کرتے ہیں اس کے لیے اچھی خاصی توانائی درکار ہوتی ہے۔ دو ماہ بعد جب ٹھیک ہو کر آپ پھر کم بولا کریں گے تو مجھے تو وحشت ہوا کرے گی۔ اتنی باتوں کی عادت مت ڈالیں مجھے!''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''تسلی دینے کا اچھا انداز ہے۔''

''آج میں خود کھانا کھلاؤں گی آپ کو۔'' اس نے پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے کہا۔

''ورنہ چند لقمے بے دلی سے کھا کر چھوڑ دیں گے!''

''چلو ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''اب جب تک تمہارے ہاتھ نہیں تھکیں گے۔ میں کھاتا ہی رہوں گا۔''

ضوفشاں نے نوالہ بنا کر اس کی سمت بڑھایا۔

''بی بی جی!'' دروازہ بجا کر خیراں نے باہر سے پکارا تھا۔ ''کوئی آذر صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں جی!''

''ضوفشاں کا ہاتھ یکدم نیچے گر گیا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں اور پھر اس نے نگاہیں چرا لیں۔ عالم شاہ نے آنکھیں موند کر تکیے سے سر ٹکا لیا۔

''جاؤ روشنی۔ مل لو!'' مدھم آواز میں وہ بولا تھا۔

''آپ کھانا کھالیں تو۔''

''تم جاؤ۔ کھانا میں کھالوں گا۔''

جب وہ قطعی لہجے میں کوئی بات کہہ دیتا پھر اس کے بعد اس کے لیے کچھ بھی کہنا ممکن نہ ہوتا تھا۔

وہ اٹھی، ساڑی کا پلو ٹھیک کیا اور کمرے سے نکل آئی۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر ضوفشاں اندر داخل ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو آذر!''

اسے بیٹھنے کا کہتے ہوئے وہ خود بھی اس کے مقابل رکھی ہاتھی دانت کے کام سے مزین کرسی پر ٹک گئی۔

''اب کیسے ہیں عالم صاحب!'' وہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''شکر ہے خدا کا۔ پہلے سے بہتر ہیں۔''

آذر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ سیاہ ساڑی میں ملبوس، بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے وہ بنا کسی تاثر کے بیٹھی اپنے ناخنوں کو گھور رہی تھی۔

اس کے اس انداز سے وہ بخوبی واقف تھا۔ اپنے اندر کی کیفیات کو مقابل سے چھپانے کے لیے وہ اسی طرح سر جھکا کر اپنے ناخنوں کو تکا کرتی تھی۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ ان کے بیچ آیا تھا۔ وہ نظریں جھکائے بیٹھی رہی تھی اور وہ اس کے چہرے کے پیچھے چھپے خیالات کو کھوجنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

''تمہارا گھر بہت خوبصورت ہے۔'' بڑی دیر بعد وہ بولا۔

''ہاں، عالم نے یہ گھر اپنے لیے بنوایا تھا بڑی محبتوں سے، پھر میرے نام کر دیا۔''

''بڑی محبتوں سے؟'' اس نے عجب کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

ضوفشاں نے خاموش نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں!'' پھر اس نے صاف لہجے میں کہا۔

''تمہیں کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی تھی۔'' اس کا لہجہ بدستور تھا۔ ''گھر نام ہو جانے یا محبتیں؟''

''میں اس سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی!''

''بہت سی باتوں کے جواب دینا تم پر فرض ہیں اجالا'' وہ مسکرایا۔ ''مگر نہ وہ میں نے پہلے پوچھی تھیں نہ اب پوچھوں گا۔''

''اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟'' اس نے پہلو بدل کر بات بھی بدلی۔

''کوئی بزنس کروں گا۔ کوئی ایسا بزنس جس میں پیسہ زیادہ ہو۔ نجانے کیوں تمہارا یہ عالیشان محل دیکھ کر بہت با اثر، بہت امیر بننے کی خواہش دل میں جاگی ہے۔''

پھر وہ ہنسا اور دوبارہ کہنے لگا۔

''ہاں مگر اتنا ضرور کہ ساری عمر لگا کر بھی شاید ایسا محل بنا کر پھر بھی کسی کے نام نہ کر سکوں گا۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تمہارا فیصلہ کس قدر درست تھا۔ اجالائیں تو دنیا میں بے شمار ہوں گی۔ ہاں ممتاز محل کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔'' اس نے بے چینی سے لب کاٹے۔

''معاف کرنا شاید تلخ ہو رہا ہوں لیکن کبھی کبھی دل میں ایسے طوفان اٹھتے ہیں کہ جو کچھ تہہ میں ہوتا ہے وہ سطح پر چلا آتا ہے۔''

ضوفشاں نے اسے دیکھا پھر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔ آنکھیں یکایک پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ آذر اس کے آنسو دیکھے۔

''دولت تو انسان کو بڑی خوشیاں دیتی ہے پھر یہ کیا بھید ہے کہ تم ہر ملاقات پر آنکھوں کے آنسو مجھ سے چھپاتی ہو۔''

''ہاں۔ دولت انسان کو خوشیاں دیتی ہے اور میں خوش ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسا۔ ''خوشی کا اعلان اس محل میں شاید محض الفاظ سے ہی ہوتا ہے۔ اندرونی جذبات اور بیرونی کیفیات کو اس ضمن میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کرتے!''

''کیا ہوا ہے میری کیفیات کو۔'' وہ بری طرح سے چڑ گئی۔

''جب چھوڑ کر گیا تھا تو ایک ہنستا ہوا، چہکتا ہوا گیت تھیں، مترنم اور دلکش اور اب۔ اب ایک پرسوز غزل لگتی ہو۔ کرب کی انتہائی کیفیت میں لکھی گئی کوئی غزل اداس اور بے کل۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خدا کے لیے آذر۔ میری پریشانیوں میں مزید اضافہ مت کرو۔''

''میں نے ہمیشہ تمہاری خوشیوں کی آرزو کی ہے۔'' وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ ''چاہتا تھا کہ تم سے نہ ملوں تاکہ مزید خوش رہو لیکن ایک عجیب جذبے سے مغلوب ہو کر چلا آیا ہوں۔ شاید یہ بات میری انا پر ایک کاری ضرب تھی۔ برداشت نہیں کر پایا۔''

''وہ کون سی بات؟'' اس نے حیرت زدہ ہو کر اسے دیکھا۔

''اپنی ایک چیز تم میرے کمرے میں بھول گئی تھیں۔'' اس نے میز پر رکھے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہی لوٹانے آیا ہوں۔ کہنا یہ تھا کہ اب ان جھوٹی تسلیوں کی مجھے ضرورت نہیں۔ چلتا ہوں۔''

دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال کر وہ دروازے کی سمت بڑھا پھر رک کر اس کی سمت دیکھا۔

''بڑی خواہش تھی اس شخص کو دیکھنے کی جس کے آگے چاند اور سورج بھی ماند پڑ جاتے ہیں جو بات کرے تو زمانے کی گردشیں تھم جاتی ہیں اور خاموش ہو تو اس کی آنکھیں بات کرنے لگتی ہیں۔ جو چلے تو ہر ہر شے سہم کر اسے دیکھتی ہے۔ بڑی خواہش تھی اس شاہجہان کو دیکھنے کی لیکن فی الوقت نہیں، پھر کبھی سہی۔ خدا حافظ۔'' وہ مڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

بڑی دیر تک وہ کھڑی اس کے الفاظ پر غور کرتی رہی پھر اس کی توجہ میز پر رکھے پیکٹ نے اپنی جانب مبذول کرالی۔

اس نے جھک کر پیکٹ اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ اندر ایک مرجھایا، ٹوٹا، بکھرا ہوا گجرا رکھا تھا۔

''اب مجھے ان جھوٹی تسلیوں کی ضرورت نہیں۔'' اس کے کانوں میں اس کے الفاظ گونجے۔

ایک شدید درد کی لہر اس کے کاندھوں سے اٹھ کر پورے جسم میں پھیل گئی۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان اس نے گجرے کو بھینچ کر چور چور کر دیا اور ان بکھری خشک پتیوں پر چلتی باہر نکل گئی۔

✿......✿......✿

میں کیا لکھوں کہ جو میرا تمہارا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زباں میں کہیں بھی درج نہیں لکھا گیا ہے بہت لطف وصل و درد فراق مگر یہ
کیفیت اپنی رقم نہیں ہے کہیں
یہ اپنا عشق ہم آغوش جس میں ہجر و وصال یہ اپنا درد کہ ہے کب سے ہمدم مہ و سال اس
عشق خاص کو ہر ایک سے چھپائے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ گلے لگائے ہوئے

''واہ۔ بہت خوب!'' وہ مسکرا اٹھا تھا۔ ''کیا خوبصورت نظم ہے اور تمہاری آواز اور تمہارے لب و لہجے نے مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔''

''اور سنیں گے؟'' اس نے ''نسخہ ہائے وفا'' بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''فی الحال اس خوبصورت تاثر کو قائم رہنے دو جو اس نظم کو سن کر قائم ہوا ہے۔''

''بہت پسند ہے یہ کتاب آپ کو؟'' اس نے اس کی جانب رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

اکثر وہ اسے یہی کتاب پڑھتے ہوئے پاتی تھی اور آج اس نے ضد کر کے ضوفشاں کو پاس بٹھا کر کوئی خوبصورت سی نظم سنانے کی فرمائش کرتے ہوئے یہ کتاب اسے تھمائی تھی۔

''ہاں بہت۔'' عالم شاہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ ''اب تم کہو گی کہ پسند ہے تو خود کیوں نہیں پڑھ لیتے۔ ہیں ناں؟''

ضوفشاں نے اسے غور سے دیکھا۔ بیماری کے اس عرصے نے اسے قطعاً بدل ڈالا تھا۔ اس کے لہجے میں ہمیشہ رچی بسی سختی اور تحکم نجانے کہاں چلا گیا تھا اور ایک عجیب حلاوت اور شیرینی اتر آئی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے الفاظ بھی اس کے اپنے نہیں لگتے تھے۔

''نہیں تو۔'' وہ مسکرائی۔ ''میں بھلا کیوں کہوں گی۔''

''ہوسکتا ہے سوچتی ہو اور کہتی نہ ہو۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔ ''پر میں بھی کیا کروں روشنی یکلخت میری زندگی سے چوبیس سال اس طرح خارج ہو گئے کہ مجھے خود حیرت ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ متعجب ہوئی۔

''چوبیس برس قبل میں پانچ سال کا تھا۔'' وہ مسکرایا۔ ''بڑا نازک سا، بڑا احساس سا بچہ تھا۔ ہر بات کو، ہر واقعے کو بڑی گہرائی میں جا کر محسوس کیا کرتا تھا۔

''اچھا'' وہ ہنسی۔ ''لیکن اچانک آپ پانچ برس کے بچے بن کیسے گئے؟''

''ہاں روشنی۔'' وہ یکدم بے تحاشا اداس نظر آنے لگا۔ ''میں وہی بچہ بن گیا ہوں۔ نازک اور حساس۔ جو گرم تپتی دوپہروں میں یا سرد خون منجمد کر دینے والی شاموں میں ایک بڑی طویل و عریض حویلی کے دالانوں میں تنہا پھرا کرتا تھا۔ اونچے لمبے گول ستونوں سے ٹیک لگائے نجانے کس کا منتظر رہتا تھا۔ شاید اس ماں کا جو اپنے پیچھے ہر دروازہ ہمیشہ کے لیے مقفل کر گئی تھی یا شاید اس باپ کا جسے اپنی بے تحاشا مصروفیات میں اسے اکیلے تنہا بچے کا خیال بامشکل آیا کرتا تھا۔ میں انتظار کرتا رہتا تھا، پھر میری کوئی ملازمہ مجھے حویلی کے کسی گوشے سے سوتا ہوا اٹھا کر لے جاتی اور مجھے عالیشان کمرے کے آرام دہ بستر پر لٹا دیتی تھی۔ میں دوبارہ وہی بچہ بن گیا ہوں۔ روشنی، فرق اتنا ہے کہ آج میں کسی کا منتظر نہیں۔ تم میرے قریب ہو، میرے پاس ہو اور میرا دل چاہتا ہے کہ تم ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہا کرو۔ مجھ سے باتیں کرتی رہو۔ میں جو کہوں اسے سنتی رہو۔ میں جانتا ہوں کہ کبھی کبھی تم بیزار ہو جاتی ہو۔ میری فرمائشیں پوری کر کر کے تھک جاتی ہو۔ الجھنے لگتی ہو لیکن میں کیا کروں روشنی۔ یہ دل بھی عجیب شے ہے۔''

وہ تکیے پر سر ٹیک کر آنکھیں موندتے ہوئے ہنس دیا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میں بیزار ہو جاتی ہوں۔ تھک جاتی ہوں یا الجھنے لگتی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ آنکھیں بند کیے کیے بولا۔

''تم انسان ہو اور ہر انسان یکسانیت سے گھبرا جاتا ہے۔ اپاہج میں ہوا ہوں روشنی۔ تم صحت مند ہو۔ یکسانیت میری مجبوری تو ہے لیکن تمہاری نہیں۔ تم ہر وہ کام کر سکتی ہو جو کرنے کو تمہارا دل چاہیے۔ ایسے میں جب میری وجہ سے تم بھی یہ کام روز روز دہراتی ہو گی تو یقیناً بیزار ہوتی ہو گی۔ اس میں بھلا کسی کے کہنے یا نہ کہنے کا کیا سوال۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے مگر فون کی بیل نے اس کے خیالات کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔

''میرا کوئی دوست مجھ سے ملنا چاہے تو منع کر دینا۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''کون ضوفی۔'' دوسری جانب سے مہ جبیں تھی۔ ''کیسی ہو؟''

''السلام وعلیکم آپا۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟''

''وعلیکم السلام۔ شکر ہے خدا کا۔ اور عالم کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

''جی پہلے سے بہتر ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ضوفی۔ دراصل میں نے اس لیے فون کیا تھا کہ کل ہم لوگ حارث کا عقیقہ کر رہے ہیں۔ تم تھوڑی دیر کو آ جاؤ گی۔''

''آپا۔'' وہ متذبذب ہو گئی۔ ''عالم اکیلے رہ جائیں گے۔''

''ہاں، میں جانتی ہوں۔'' ہولے سے بولی۔

''میں فون کرتے ہوئے بھی ہچکچا رہی تھی لیکن اماں نے کہا کہ اچھا ہے تھوڑی دیر کے لیے تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ کب سے گھر میں ہی مقید ہو کر رہ گئی ہو۔ تم پوچھ لو نا عالم سے۔''

''جی۔'' وہ ہچکچا رہی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے کہیں آنے جانے پر اس نے کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی لیکن اب معاملہ دوسرا تھا۔ سید عالم شاہ کو علم تھا کہ اب وہاں آذر بھی موجود ہے۔ ایسے میں وہ اسے جانے کی اجازت دیتا یا نہیں وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

''اچھا آپا! میں پوچھ لوں گی۔'' بالآخر وہ بولی۔ ''پھر دیکھوں گی۔''

''جی بہتر۔''

اس نے ریسیور رکھ کر مڑ کر دیکھا۔ وہ ہاتھ آنکھوں پر رکھے لیٹا تھا۔

اس نے ہاتھوں میں رکھی کتاب سائیڈ میز پر رکھی اور اٹھ کر پردے برابر کرنے لگی۔

''کہیں جانا ہے روشنی؟'' پیچھے سے اس نے پکارا تھا۔

''اس کے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ اسی طرح سے لیٹا ہوا تھا۔

''کل حارث کا عقیقہ ہے۔ آپا کہہ رہی تھیں تھوڑی دیر کے لیے آ جانا۔''

''جانا چاہتی ہو؟''

''میرا کچھ ایسا خاص ارادہ نہیں ہے لیکن وہ اصرار کر رہی تھیں۔''

''ہوں۔ چلی جانا۔'' وہ جیسے بڑبڑایا۔

ضوفشاں کا جی چاہا اس کی آنکھوں پر دھرا اس کا ہاتھ اٹھائے اور ان آنکھوں میں جھانک کر دیکھے وہاں کن جذبات کا ڈیرا ہے۔ کون سے جذبات کی پرچھائیاں ہیں۔ کن احساسات کے عکس ہیں۔

بڑی دیر تک وہ اس کے کچھ اور کہنے کی منتظر رہی لیکن وہ اپنے خیالات کی عمیق گہرائیوں میں جا پہنچا تھا جہاں اسے واپس لانا کبھی بھی اس کے لیے آسان نہ رہا تھا۔

✿.....✿.....✿

ہلکے گلابی رنگ کی خوبصورت ساڑی نے اس کے مرمریں جسم سے لپٹ کر اس کے وجود کو بہت باوقار اور دلکش تاثر بخش دیا تھا۔ بلاؤز کی آستینوں پر سفید موتیوں کا کام تھا۔ سچے موتیوں کا نازک ہار اس کی گردن کی خوبصورتیوں کو واضح کر رہا تھا۔ بالوں میں گجرا سجاتے ہوئے اس کی نگاہ آئینے میں نظر آتے عالم شاہ کی نگاہ سے ٹکرائی۔ وہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ عجب سے احساسات کا شکار ہوگئی۔ آج اس نے یہ سارا اہتمام آذر کے لیے کیا تھا۔ محض اس کو دکھانے کے لیے۔ یہ جتانے کے لیے کہ وہ خوش تھی اور اپنے فیصلے سے مطمئن بھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کسی بیوہ کا سا سا روپ لیے اس کے سامنے جائے اور اس کے ان اندیشوں کو تقویت بخشے کہ وہ ناخوش ہے۔ سوز سے بھری غزل ہے۔ اپنے فیصلوں سے غیر مطمئن ہے مگر اب وہ سوچ رہی تھی کہ عالم شاہ کے ذہن میں اس وقت کون سی سوچ تھی۔ وہ اس کے چہرے پر کون سی تحریر تلاش کر رہا تھا۔ اس کی اس تیاری سے اس نے کیا نتیجہ اخذ کیا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' سادہ سے لہجے کی تہہ میں کئی اضطراب پوشیدہ تھے۔

''بڑے دنوں بعد تمہیں اس طرح بنا سنورا دیکھا ہے۔'' اس کا اپنا لہجہ بالکل سادا تھا۔ ''اچھی لگ رہی ہو۔''

''مجھے کیا خبر تھی کہ میں صرف بن سنور کر ہی اچھی لگتی ہوں آپ کو۔'' وہ ہنسی۔ ''پتا ہوتا تو ہر وقت ایسے ہی رہتی۔ اچھا ہوا آپ نے بتا دیا!''

پھر ایسا کرو کہ جاؤ ہی مت۔'' وہ بھی مسکرا دیا۔

''کیا پتا کہ صرف فی الوقت ہی اچھی لگ رہی ہو۔ بعد میں بن سنور کر بھی اچھی نہ لگو۔'' وہ ہنس دی۔

''اچھا۔ آپ کہتے ہیں تو نہیں جاتی۔''

''نہیں۔'' وہ سنجیدہ ہوگیا۔ ''میں تو محض مذاق کر رہا ہوں۔ تم جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔''

وہ کلائی پر رسٹ واچ باندھنے لگی۔

''کب تک لوٹو گی؟''

ضوفشاں نے محسوس کیا وہ بے کل تھا۔ اندر سے کہیں بہت بے چین تھا۔

''جلدی لوٹوں گی انشاء اللہ۔ آپ کے کھانے کا کہہ جاؤں گی خیراں سے۔''

''نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''تم آؤ گی تو پھر کھانا کھاؤں گا میں۔''

ضوفشاں نے ایک نظر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ اب آپ تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جائیں۔ میں یہ تکیے نکال دوں؟''

''ہاں۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔ ''تھک گیا ہوں بیٹھے بیٹھے۔''

''ضوفشاں اس کو سہارا دے کر لٹانے لگی۔

''سنو روشنی۔'' اس نے اچانک اس کے ہاتھ تھام لیے۔ ''میں ٹھیک ہو جاؤں گا ناں۔''

''انشاء اللہ ضرور۔'' وہ ہولے سے مسکرائی۔

''اور۔ اور نہ ہوا تو؟ ہمیشہ کے لیے اس طرح رہ جاؤں تو؟ بولو؟''

''بری۔ بہت بری بات ہے۔''

''میری بات کا جواب دو۔'' اس نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں ہمیشہ کے لیے ایسا رہ گیا تو؟''

''تو بھی ساری عمر میں آپ کے ساتھ گزاروں گی اسی طرح۔'' اس نے عالم شاہ کی سیاہ بھنورا، خوبصورت آنکھوں میں جھانک کر مضبوط لہجے میں کہا۔

''زبردستی۔''

''نہیں۔اپنی رضا سے۔''

''رضا۔'' وہ بڑبڑایا۔''رضا اور خوشی میں کتنا فرق ہوتا ہے۔کیا ہوتا ہے؟''

وہ محض خود سے بولا تھا۔اس سے کچھ پوچھنا نہ تھا جس کا وہ جواب دیتی۔اس کی ایسی خود کلامیوں سے وہ ہمیشہ الجھ کر رہ جاتی تھی۔

''جاؤ روشنی۔'' اسے سوچ میں گم پا کر وہ بولا۔

''تمہیں دیر ہو رہی ہے۔''

''وہ کھڑی ہوئی اور ہولے ہولے چلتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

✿.....✿.....✿

اس کے وہاں چلے آنے سے وہ سب ہی خوش ہو گئے تھے۔سب کے چہرے مسکرا اٹھے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے عالم کی؟''

باری باری ہر کسی نے یہی پوچھا تھا۔سب سے ملتی سب کو جواب دیتی وہ اچانک ہی تھمی تھی۔

حارث کو گود میں لیے، پیار کرتا ہوا وہ بڑا لاتعلق سا بیٹھا تھا۔ہولے ہولے اس سے نجانے کیا باتیں کر رہا تھا۔

''کیسے ہو آذر۔'' وہ خود جان کر اس تک آئی۔

''شکر ہے خدا کا۔'' اس نے نگاہ اٹھائے بغیر کہا۔

''تم کیسی ہو۔''

پھر وہ جھک کر حارث کو اس کی گود سے لینے لگی۔اس کا گجرا آذر کی نظروں کے سامنے ہلنے لگا۔اس کی خوشبو اس کے گرد بکھرنے لگی۔سختی سے دانت پر دانت جما کر اس نے رخ موڑ لیا۔

حارث کو لیتے لیتے ضوفشاں کو اچانک اس کی کیفیت کا علم ہو گیا۔لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔مہ جبیں سے باتیں کرنے لگی۔بڑی دیر بعد اس نے رخ موڑا تو اس کی نگاہ آذر پر پڑی۔وہ اپنی سابقہ کیفیت سے تا حال باہر نہ آ سکا تھا۔اسی طرح کسی خواب کی حالت میں تھا۔کسی غیر مرئی نقطہ کو نگاہوں کی زد میں لیے وہ ماضی میں تھا۔حال میں یا مستقبل میں۔وہ کوئی اندازہ قائم نہ کر سکی۔

''ضوفی۔'' کھانے کے بعد مہ جبیں نے اس سے کہا۔

''مجھے ایک بات کہنی ہے تم سے۔نجانے تمہیں کیسی لگے۔''

''کہیں آپا۔دماغ اس قدر تھکا ہوا رہتا ہے کہ کسی بات کو مکمل طور پر سمجھ ہی نہیں پاتا اچھا یا برا کیا محسوس کرے گا۔''

''ضوفی! آذر کو دیکھا تم نے۔کیسا ہو گیا ہے؟''

''کیسا؟'' اس نے نظریں جھکا لیں اور حارث کے ہاتھوں سے کھیلنے لگی۔

''بالکل بدل گیا۔لگتا ہی نہیں یہ وہی پہلے والا آذر ہے۔جو ہر وقت ہنستا تھا اور ہنساتا تھا چٹکلے چھوڑتا رہتا تھا۔نجانے کن خیالوں میں گم رہتا ہے۔شاید اب تک اپنا ماضی فراموش نہیں کر پایا ہے۔یہ جدہ میں تھا پھوپھی اماں اس کی منتیں کیا کرتی تھیں کہ واپس آ جائے۔شادی کر کے گھر بسا لے۔گولی مار۔ایگریمنٹ کو۔لیکن جب سے یہ لوٹا ہے ہر کوئی اداس اور پریشان ہو گیا ہے۔اسے کب کسی نے اس طرح دیکھا تھا۔ٹوٹا ہوا، بکھرا ہوا اپنے خیال میں گم۔ہم سب نے شادی کے لیے اصرار کیا مگر یہ کسی طرح نہیں مانتا۔کہتا ہے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔''

وہ خاموش ہوئی تو ضوفشاں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی نظروں میں سوال تھا کہ مہ جبیں اس سے کیا چاہتی ہے۔''

''میں چاہتی ہوں ضوفی! کہ تم اس سے بات کرو۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''میں! میں کیا بات کروں!''

''یہی۔ سمجھاؤ اسے ماضی کو ماضی سمجھے اور حال کو حال۔ میں جانتی ہوں وہ کبھی تمہارا کہا نہیں ٹالتا۔ تم اسے سمجھاؤ گی تو شاید وہ مان جائے۔ اسے کہو کہ سب اس کی طرف سے فکر مند ہیں۔ پریشان ہیں۔ پھوپھی اماں چاہتی ہیں کہ جلد از جلد اس کی شادی کر دی جائے۔ انہوں نے لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔'' ضوفشاں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اچھا۔ کون ہے؟''

''پھوپھا کے دور پرے کے کوئی بھائی ہیں۔ ان کی بیٹی ہے نغمانہ۔ اچھی خوبصورت لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی، سلیقہ مند، رکھ رکھاؤ میں بھی اچھی ہے۔''

''آپ خود کیوں نہیں بات کرتیں؟''

''میں نے بات کی تھی۔ تصویر بھی دکھائی لڑکی کی لیکن اس نے ایک نگاہ تک نہیں ڈالی۔ کہنے لگا جبیں باجی نظر کے سامنے کوئی تصویر ہو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ جو ایک تصویر دل کے فریم میں لگی ہے، نکالے نہیں نکلتی۔ دھندلاتی نہیں۔ ماند ہی نہیں پڑتی۔ میں کوئی اور تصویر دیکھوں بھی تو کیا فرق پڑتا ہے۔

خوشی اور دکھ کی انتہائی متضاد کیفیات سے انسان ایک ساتھ بھی دوچار ہو سکتا ہے۔ ضوفشاں کو اندازہ ہوا۔

''میں چاہتی ہوں۔ تم اسے سمجھاؤ۔ اس سے ضد کرو کہ مان لے سب کی بات۔ ضد چھوڑ دے۔ ایک بار شادی ہو جائے تو سب بھول جائے گا۔''

شادی اور برین واشنگ کا آپس میں کیا تعلق ہے، ضوفشاں بڑی دیر تک سوچتی رہی لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ شاید اس لیے کہ وہ خود بھی شادی شدہ تھی۔

''کیا سوچنے لگی ہو؟''

''جی۔ کچھ نہیں۔'' وہ چونک اٹھی۔

''پھر۔ کرو گی بات؟''

''جی۔ کروں گی۔ لیکن وہ ہے کہاں؟''

''اوپر۔ اپنے کمرے میں تم بھی وہاں چلی جاؤ۔ وہاں آرام سے بات ہو سکتی ہے۔''

''نہیں آپا! اس طرح اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ہچکچائی۔ ''اماں ابا سب یہیں ہیں۔''

''پھوپھی اماں نے خود مجھ سے کہا تھا۔ تم سے یہ بات کہنے کے لیے اور اماں بھی وہیں تھیں وہ جانتی ہیں کہ تمہیں اس سے کیا بات کرنی ہے۔''

ناچارہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ حارث کو اسے تھما کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ ہلکے ہلکے قدم بڑھاتی، ذہن میں جملوں کو ترتیب دیتی وہ بالآخر اس کے کمرے کے دروازے تک جا پہنچی۔

دروازے پر پڑا پردہ اس نے ذرا سا سرکا کر اندر جھانکا۔ وہ میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کیے نجانے وہ کس سوچ میں تھا۔ اس کا جی چاہا جا کر اس کی بند آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھے اس کے منہ سے کس کا نام نکلتا ہے۔

اسی لمحے وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''اندر آ جاؤ اجالا!'' اس نے دروازے کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔

وہ ایک لمحے کو حیران رہ گئی۔

''تمہیں کس طرح پتا چلا کہ میں باہر کھڑی ہوں۔'' وہ حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی وہ ہولے سے ہنسا۔ ایسی ہنسی جس میں طنز کی آمیزش تھی۔

''جو پرفیوم تم نے لگا رکھا۔ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ میں اس کی محض ایک بوند میلوں کے علاقے کو مہکا سکتی ہے اور میں تو تمہیں اس گجرے کی خوشبو سے پہچان سکتا ہوں جو تھوڑی دیر پہلے تمہارے بالوں میں لگا ہوا تھا۔''

''اب مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کرو آذر!'' وہ کچھ خفگی سے بولی۔

''میں کوشش کرتا ہوں کہ تم سے بات ہی نہ کروں لیکن تم سامنے آتی ہو تو نہ دل پر قابو رہتا ہے نہ زبان پر۔ اسی لیے میں یہاں اکیلا بیٹھا تمہارے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔''

''اس کیلے پن کو دور کیوں نہیں کرتے؟'' اس نے میز سے ٹک کر بات کا آغاز کیا۔

''کس طرح؟'' وہ میز کی سطح پر شہادت کی انگلی اس کچھ لکھ رہا تھا۔

ضوفشاں نے محسوس کیا وہ اس کی جانب دیکھنے سے بھی گریز کر رہا تھا۔

''شادی کرلو۔''

''شادی کر لینے سے اکیلا پن دور ہو جاتا ہے؟''

''شاید یقیناً''

''تنہائی اور اکیلے پن کا احساس کبھی کبھی انسان کے اندر رچ بس جاتا ہے ضوفشاں بیگم۔''

وہ اٹھ کر کھڑکی تک گیا اور پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگا۔ ''لیکن تم شاید اس فرق کو سمجھ نہ سکو۔''

''میں ہر بات سمجھ سکتی ہوں۔'' وہ رسانیت سے بولی۔ ''اور اسی لیے تمہیں بھی سمجھا رہی ہوں۔ ایک انسان دوسرے انسان کی تنہائی اور اکیلے پن کو ختم کر سکتا ہے۔ خواہ یہ اکیلا پن انسان کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ انسانی جذبات، حساب کا کوئی فارمولا نہیں ہوتے جو ہر بار ایک جواب لوٹائیں۔''

وہ مڑا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ تم یہ کہہ سکتی ہو۔ ہر چند کہ تمہارے جذبات مجھے حساب کا فارمولا ہی لگتے ہیں جو رقم بدلنے پر بھی اس سے وہم برتاؤ کرتے ہیں جو پہلے رکھی گئی رقم سے کیا تھا۔ بڑی مشینی سوچ ہے!''

وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

''کیوں؟ کوئی جواب نہیں دیا۔'' وہ ہنسا ''ہاں ٹھیک ہی تو ہے۔ بہت سے سوال ایسے ہیں جن کے جواب دینا تم ضروری خیال نہیں کرتیں!''

''آذر!'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

اس نے سختی سے آنکھیں بند کر کے پھر کھولیں۔

''مت پکارو مجھے اس طرح کہ اپنا نام بھی مجھے جھوٹا لگنے لگے۔ دنیا کی ہر سچائی کی طرح اور کیوں چلی آئی ہو یہاں اجالا۔ تم کیا چاہتی ہو۔ میں پاگل ہو جاؤں۔ دیواروں سے سر پھوڑوں؟ میں تمہاری طرف بڑھتا ہوں تو تم پلٹ کر بھاگنے لگتی ہو۔ مایوس ہو کر لوٹتا ہوں تو میرے پیچھے آتی ہو۔ تم کیا چاہتی ہو۔ کیا؟''

''میں چاہتی ہوں کہ تم شادی کرلو۔ گھر بساؤ، خوش رہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تمہاری وجہ سے کتنے لوگ پریشان ہیں۔ پھوپھی اماں، پھوپھا، ابا، جبیں آپا۔ تم کو اس طرح دیکھ کر اندر ہی اندر سلگتے ہیں وہ۔ گھلنے لگتے ہیں۔ سب تمہیں بے تحاشا چاہتے ہیں آذر اور جنہیں چاہا جائے انہیں

ٹوٹتا ہوا، بکھرتا ہوا نہیں دیکھا جا سکتا۔''

''جب ایک بات مجھے خوشی نہیں دے سکتی تو کیوں کروں میں وہ کام۔'' وہ جھلایا۔

''دوسروں کی خوشی کی خاطر ہی سہی۔''

''دوسروں کی خوشی'' وہ زچ ہوا۔ ''میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ میری اپنی بھی خواہشات ہیں کیا ساری زندگی دوسروں کی خوشیوں کے لیے ہی بسر کروں گا میں، یا اپنی مرضی سے بھی اپنی زندگی کا کوئی حصہ گزار پاؤں گا۔ جواب دو!''

''لیکن اس طرح بھی تم خوش تو نہیں ہو!'' وہ عاجز سی ہو کر کرسی پر ٹک گئی۔

''سکون سے ہوں۔ جی رہا ہوں۔ مجھے ایسے ہی رہنے دو۔'' وہ بھی تھک کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

بڑی دیر تک دونوں اپنے اپنے خیالات میں ڈوبے، خاموش بیٹھے رہے۔

''پھر نہیں مانو گے میری بات؟'' آخر سر اٹھا کر اس نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔

کتنی باتیں منواؤ گی اجالا!'' اس نے سر اٹھایا۔

''کوئی فیصلہ تو مجھے بھی کر لینے دو۔''

''یہ میں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں آذر۔ یقین کرو میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا۔ ہمیشہ تمہاری خوشیوں کے لیے دعا کی ہے۔''

''پتا نہیں تمہاری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''شاید میرا اپنا اعمال نامہ یہ بہت سیاہ ہے۔''

اس کے اندر دھواں سا پھیل گیا۔ آنکھیں پھر لبالب بھر گئیں۔

''اب رو رہی ہو؟'' وہ ہنس دیا۔ ''عجیب لڑکی ہو۔ دکھ بھی دیتی ہوں، روتی بھی خود ہو اور شکایت بھی کرتی ہو! کیا چاہتی ہو یار کزن تم؟''

وہ خاموش بیٹھی اپنے ہاتھوں کو گھورتی رہی۔

''تم ساڑی پہن کر اچھی لگتی ہو۔'' کچھ دیر بعد وہ بات بدل کر بولا تھا۔

''ہاں۔ عالم کو بہت پسند ہے یہ لباس!'' اس نے سر اٹھایا۔

''اس کی ضد پر پہنتی ہو؟''

''انہوں نے کبھی مجھ سے کسی کام کے لیے ضد نہیں کی۔ بس کبھی کبھار اپنی پسند کا اظہار کر دیتے ہیں۔''

''اور تم اس پسند کا خیال رکھتی ہو۔'' وہ ہنسا۔ ''اچھی بیوی ہو۔ آج تم یہیں رکو گی؟''

''اس نے چونک کر سر اٹھایا اور کھڑکی سے باہر سیاہ آسمان کو دیکھا پھر گھبرا کر اپنی رسٹ واچ دیکھی۔

''اوہ۔ خدایا! گیارہ بج گئے۔'' نجانے کیوں اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ''بہت دیر ہو گئی۔ میں چلتی ہوں۔''

وہ مڑ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

باہر گلی میں ڈرائیور نجانے کب سے اس کا منتظر تھا۔

''تم نے ہارن کیوں نہیں دبایا؟'' وہ اس پر ہی برس پڑی تھی۔

''بی بی جی۔ آپ ہمیشہ خود ہی آ جاتی ہیں۔'' وہ بوکھلا گیا۔

وہ خود پر غصہ ہوتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی عالم نے اس کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا ہو گا اور نجانے کن اندیشوں کا شکار ہو۔

تمام راستہ وہ ایک بے چینی کا شکار رہی۔ خود سے لڑتی رہی۔ خود پر برستی رہی۔

''مجھے خود ہی خیال ہونا چاہیے تھا۔ آخر میں کیسے بھول گئی۔ کیسے۔''

''سیڑھیاں تیزی سے پار کر کے وہ ہال میں داخل ہوئی۔ خیراں اس کی منتظر تھی۔

''خیراں۔صاحب نے کھانا کھایا ہے؟''

''شاہ صاحب تو جی بس آپ کے ساتھ ہی کھانا کھاتے ہیں۔میں نے پوچھا بھی تو انہوں نے بھی بری طرح ڈانٹ دیا!''اس نے منہ بسورا۔

''اچھا۔تم فوراً کھانا گرم کر کے لے آؤ۔فٹافٹ۔''اس نے ساڑھے گیارہ بجاتی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور تیزی سے آگے بڑھی۔وہ کمرہ میں داخل ہوئی تو اندر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر ساری لائٹیں آن کر دیں پھر چونک اٹھی۔

وہ وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔اس کی جانب پشت کیے شیشے کی دیوار کے پار تاریکیوں کو گھور رہا تھا۔

''عالم۔اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہیں؟''وہ اس تک پہنچی۔

سید عالم شاہ نے تھکی ہوئی مرجھائی نگاہ اس پر ڈالی۔

''بعض اوقات پتا نہیں چلتا کہ انسان اندھیرے میں ہے یا اجالے میں۔بڑی تکلیف دہ کیفیت ہوتی ہے یہ۔کبھی تم پر گزری ہے روشنی؟''

''آ۔۔۔ذرا۔۔۔آپ۔''اس کے لبوں سے کیا نکل گیا تھا۔

لب بھینچ کر وہ چند لمحے کے لیے سناٹے میں رہ گئی

سید عالم شاہ نے بڑی دیر تک اس کی جھکی ہوئی ،لرزتی ہوئی پلکوں کو دیکھا پھر تھک کر اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

''بی بی صاحب!کھانا آگیا ہے جی!''

دستک دے کر ٹرالی کھینچتی خیراں اندر آئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔تم جاؤ!''

وہ اٹھ کر ٹرالی تک آئی اور اسے اس تک لے آئی۔

''چاول نکالوں؟''

''جو تمہارا دل چاہے!''وہ سست روی سے بولا تھا۔

''آپ۔آپ خفا ہیں مجھ سے؟''

''نہیں۔''وہ دھیرے سے بولا۔''اب اکثر میں خود سے خفا رہتا ہوں۔''

''عالم۔آپ کو میرا یقین نہیں ہے؟''

سید عالم شاہ نے اس کی جانب دیکھا۔

''مثلاً کس بات کا یقین؟''

''مثلاً یہ کہ میں آپ سے مخلص ہوں۔''

''ہاں۔''وہ ہنسا۔''یقین ہے مجھے۔تم دنیا کے کسی شخص سے غیر مخلص نہیں ہو سکتیں۔سو مجھ سے بھی نہیں ہو۔''

''عالم۔عالم۔آپ مجھ سے اس طرح سے بات مت کیا کریں۔''

''پلیٹ رکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔وہ کیا کرتی۔کس کس کو مناتی۔کس کس کو سمجھاتی۔اسے لگا کہ وہ ایک اونچے بلند سیاہ پہاڑ کی چوٹی پر تنہا کھڑی ہے۔

''عالم!میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

آنسوؤں کے شفاف قطرے اس کے گالوں پر پھسلنے لگے۔

''روشنی۔'' اس کے جیسے دل پر چوٹ لگی تھی۔

''روشنی۔'' روؤ مت۔ پلیز۔''

اس نے بے تابی سے اس کے آنسو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لیے۔

''دیکھو میں خفا نہیں ہوں تم سے۔''

''خود سے کیوں ہیں؟'' وہ جھلائی۔

''اچھا۔ خود سے بھی نہیں ہوں۔ بس تم روؤ مت روشنی۔''

اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

وہ ہمیشہ کی طرح اپنی آنکھوں میں ساری محبتیں تمام تر وارفتگیاں لیے اسے دیوانہ وار دیکھ رہا تھا۔

اس کا دل ہلکا پھلکا ہو گیا۔

''چلیں کھانا کھائیں۔'' وہ اسے کھانا کھلانے لگی۔

✿......✿......✿

بڑی تھکی ہاری وہ لوٹی تھی۔ سارے دن کی شاپنگ نے اس کا جوڑ جوڑ دکھا دیا تھا اور کچھ اس کا شاپنگ کا موڈ بھی نہ تھا۔ لیکن بہت سی چیزیں تھیں جن کی اسے ضرورت تھی۔ پچھلے کافی دنوں سے وہ اس قدر مصروف رہی تھی کہ باوجود کوشش کے بازار جانے کا وقت نکال ہی نہ پاتی تھی۔ لیکن صبح جب مہ جبیں نے فون کر کے شاپنگ کو جانے کے لیے استفسار کیا تو وہ فوراً مان گئی۔ سو پورا دن لگا کر اب تھک ہار کر لوٹی تھی۔

''امید۔'' سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے ملازم سے کہا۔ ''گاڑی میں جتنا بھی سامان ہے وہ اوپر پہنچا جانا۔''

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ عالم شاہ پائی آرام کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

''بہت تھک گئی ہوں میں۔'' اس نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر دوبارہ کتاب کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''آپ تب سے یہ کتاب پڑھ رہے ہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے کتاب بند کر کے واپس ایک میں رکھ دی۔ ''بیچ کے عرصے میں کچھ اور پڑھتا رہا تھا۔''

''کیا؟'' اس نے بال کھول کر ان میں انگلیاں چلائیں۔

''تمہارے ابا آئے تھے۔'' وہ عام سے لہجے میں بتانے لگا۔

''اچھا!'' وہ چونک اٹھی۔ ''کتنی دیر بیٹھے؟ میرا انتظار بھی نہیں کیا انہوں نے؟''

''بس تھوڑی دیر کے۔ مجھ سے ملنے آئے تھے اور۔''

''اور؟'' اسے محسوس ہوا کہ وہ کچھ تناؤ کا شکار تھا۔

''اور۔ تمہاری کچھ چیزیں ملی تھیں انہیں۔ وہ دینے آئے تھے۔''

''میری چیزیں؟'' اسے حیرت ہوئی۔ ''میری کون سی چیزیں رہ گئی ہیں وہاں بھلا؟''

اس نے ذرا سا ترچھا ہو کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا شیشم کی لکڑی سے بنا چھوٹا سا خوبصورت منقش باکس اٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

اس کی نظر باکس پر پڑی پھر کچھ دیر کو وہ ساکت رہ گئی۔ یہ باکس اسی کا تھا۔ ابا نے کئی سال پہلے اسے سوات سے لا کر دیا تھا۔ اس میں وہ اپنی نئے سال کی ڈائری اور اپنے ضروری کاغذات رکھا کرتی تھی اور ان چیزوں کے علاوہ اس میں آذر کے خطوط بھی تھے اور وہ اپنی ڈائری کی جلد میں

رکھ دیا کرتی تھی۔

''بیچ کے عرصے میں، میں کچھ اور اور پڑھتا رہا تھا۔''

اسے چند لمحے قبل ادا کیا گیا جملہ یاد آیا۔

''لو۔ پکڑو۔''

اسکی حالت مراقبہ سے واپسی کا کچھ دیر منتظر رہ کر وہ خود ہی بولا۔ اسنے چونک کر پہلے اسے پھر باکس کو دیکھا اور آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

''تمہارا تعلیمی ریکارڈ اچھا ہے۔'' اس نے واپس اپنی کتاب ریک سے نکال لی تھی اور اب اس کے صفحے بے وجہ الٹ رہا تھا۔

اس نے باکس کھولا اور اس میں رکھی چیزیں نکالنے لگی۔ اس کے سرٹیفکیٹ تھے، ایک نوٹ بک تھی۔ اس کی تین سال پرانی ڈائری تھی جو اسے آذر نے نیا سال شروع ہونے پر لا کر دی تھی۔

اس نے ڈائری کی جلد پر ہاتھ پھیرا۔ وہ ابھری ہوئی تھی۔ پھر اس نے چور نظروں سے سید عالم شاہ کو بے نیاز بیٹھا دیکھا۔

''معاف کرنا روشنی۔'' وہ اچانک بولا تھا۔ ''میں دخل در ذاتیات کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی تجسس کا زیادہ شکار ہوتا ہوں۔ لیکن وہ سب کچھ پڑھنے بغیر نہ رہ سکا۔ آئی ایم سوری۔ اس ڈائری میں تمہاری کچھ تحریر ہے اور اس کی جلد ی میں کبھی لکھے گئے تمہارے کزن کے خطوط۔ میں پڑھے بغیر نہ رہ سکا۔''

اس کے لبوں سے ایک گہرا سانس آزاد ہوا۔ وہ دوبارہ ساری چیزیں اس میں واپس رکھنے لگی۔ تمام چیزیں رکھ کر اس نے وہ باکس الماری کے اوپری خانے میں رکھ دیا۔

''روشنی۔ مکرم علی کو بلاؤ۔ میں لیٹنا چاہتا ہوں۔'' اس کا لہجہ تھکن سے چور تھا۔ ضوفشاں نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا پھر بیڈ کے سائیڈ میں لگا بٹن پش کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ تکیوں کے سہارے بستر پر نیم دراز کچھ سوچ رہا تھا۔

''روشنی۔'' بڑی دیر بعد اس نے پکارا تھا۔ ''آؤ کچھ دیر میرے پاس بیٹھو۔''

وہ جا کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''تھکی ہوئی لگتی ہو۔''

''جی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ضرورت تھی آج ہی پوری خریداری کرنے کی۔ کل پھر چلی جاتیں۔''

وہ شاید کچھ کہنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہا تھا۔

''بس میں نے سوچا، روز روز کہاں فرصت ملتی ہے!'' وہ اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔ ''میں نے کہا تھا ناں کہ میں ایک جوان انسان سے اچانک ہی ایک بچے میں تبدیل ہو گیا ہوں۔ اور بچے کہاں فرصت دیتے ہیں۔ میری وجہ سے کتنی مصروف رہتی ہو تم۔''

''مجھے خوشی ہوتی ہے آپ کے ساتھ مصروف رہ کر۔''

عالم شاہ نے غور سے اس کی جھکتی پلکوں کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

''روشنی! تم بہت اچھی ہو۔ بحیثیت ایک انسان کے جتنی اچھائیاں کسی میں ہونی چاہئیں تم میں ہیں۔ خصوصاً تمہاری یہ بات مجھے پسند ہے کہ تم کسی کا دل نہیں توڑ سکتیں۔''

وہ دھیرے سے ہنس دی

''کتنے دل توڑے ہیں میں نے عالم شاہ۔'' اس نے سوچا۔ ''لیکن وہ حساب کتاب تو آپ کب کا بھول چکے ہیں۔''

''روشنی۔''

''جی!'' اس نے پلکیں اٹھائیں۔ ''جو کہنا چاہتے ہیں کہہ کیوں نہیں دیتے؟''

''تم برا بھی تو مان جاتی ہو۔'' وہ کسی بچے کی سی معصومیت سے بولا تھا۔

''نہیں۔'' وہ ہنس دی۔ ''جو کہنا چاہیں کہیں میں برا نہیں مانوں گی۔''

''ایک بات پوچھوں پھر؟''

''ضرور۔'' وہ مسکرائی۔

''تمہارا کزن۔ ابھی بھی چاہتا ہے تمہیں؟''

ایک گہرا سانس اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

''بولو۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ہو سکتا ہے ہاں۔ ہو سکتا ہے نہیں۔''

''تمہی پوچھنے سے قبل تم سے اجازت لی تھی کہ کہیں تم جھوٹ نہ بولو۔ لیکن پھر بھی تم نے جھوٹ بول رہی ہو۔'' وہ ہنسا۔ ''میں بتاؤں روشنی۔ وہ اب تک تمہیں چاہتا ہے۔ اسے اب بھی تمہارے قرب کی خواہش ہوگی۔''

''عالم'' وہ زچ ہوئی۔ ''اگر آپ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''روشنی۔ تم۔'' وہ رک رک کر بولا۔ ''تم۔ تم بھی چاہتی ہو اسے اب تک۔''

''کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ بری طرح الجھ گئی۔

''عالم! آپ نے کبھی مجھ سے ایسی باتیں نہیں کیں۔ آپ میرے ماضی کو جانتے ہیں۔ ہر بات سے واقف ہیں۔ آپ نے مجھے اپنی خواہش، اپنی رضا سے اپنایا تھا پھر یہ استفسار کیوں؟ یہ شک کیسا؟''

''نہیں روشنی نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں شک نہیں کر رہا ہوں میں اتنا بدگمان نہیں ہوں۔ میرا یقین کرو۔ میں نے زبان دی تھی تمہیں کہ کبھی تمہاری جانب سے معمولی سا بدگمان بھی نہ ہوں گا۔''

''میں۔ میں رشک وحسد کی اس کیفیت سے گزر رہا ہوں جسے تم سمجھ نہیں پاؤ گی روشنی!'' وہ بے بسی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔ ''میں تمہیں کھو دینے کے وہم میں مبتلا نہیں ہوں۔ میں تمہیں پا نہ سکنے کے غم سے چور ہوں۔ مجھے احساس ہو رہا ہے اب اکثر ہوتا رہتا ہے کہ میں تمہیں پا کر بھی نہ پا سکا اور اس نے تمہیں کھو کر بھی نہیں کھویا۔ مجھے اس شخص پر رشک آتا ہے۔ کوئی مجھے اختیار دے تو میں اس شخص سے اپنا وجود بدل ڈالوں جس پر آج بھی تمہاری نگاہ اٹھتے ہوئے محبتوں سے بھر جاتی ہوگی۔ آہ۔ کہیں پڑھا تھا روشنی کہ محبت بڑی خطرناک شے ہوتی ہے۔ یہ زندگی میں پائی جانے والی خوشیوں کی قاتل ہوتی ہے۔

اس کا کاٹا سوتے میں مسکراتا اور جاگتے میں روتا ہے۔ میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ مصنف کیا کہنا چاہتا ہے۔ بھلا محبت خوشیوں کی قاتل کیسے ہو سکتی ہے۔ محبت تو خوشی کا دوسرا نام ہے لیکن آج ان چند سطروں کا مطلب مجھ پر اسی طرح واضح ہے جس طرح مصنف پر وہ سطریں تحریر کرتے ہوئے ہوگا۔ اس کا کاٹا سوتے میں مسکراتا اور جاگتے میں روتا ہے۔''

وہ کسی بت کی مانند ساکت تھی۔ اس کا دل بے شمار دکھوں سے بوجھل تھا اور آنکھیں خالی تھیں۔

''روشنی۔ کوئی میری ساری زندگی کے تجربوں کا نچوڑ مانگے تو میں کہوں گا کہ کبھی کسی عورت کو اس کی رضا کے بغیر مت اپنانا اور اپنا لو تو کبھی اس سے محبت کی خواہش مت کرنا۔ میں نے عورت کو ہمیشہ بہت کمزور سمجھا تھا۔ موم کی گڑیا کی طرح لیکن ایک عمر برتنے کے بعد میں نے یہ جانا ہے عورت موم ہے یا پتھر۔ اس کا فیصلہ وہ خود کرتی ہے۔ کسی دوسرے شخص کو اسے موم یا پتھر کا خطاب دینے کا حق نہیں ہوتا۔ وہ خود چاہے تو موم بن کر

محبوب کے اشاروں کی سمت مڑتی رہتی ہے اور پتھر بننے کا فیصلہ کر لے تو کوئی شخص بھکاری بن کر بھی اس کی ایک نگاہ التفات نہیں پا سکتا۔ اپنی ہستی تمہاری نام لکھ کر بھی میرا دل ایک کشکول کی طرح خالی ہے روشنی۔ یہ وہ کشکول ہے جو ہمدردی، مروت اور جبر کے تحت دیے گئے تمام سکے نیچے گرا دیتا ہے۔ جیسے کسی اندھے فقیر کو خود بخود خبر ہو جائے کہ اسے دیا جانے والا سکہ کھوٹا ہے۔ یہ کشکول محض محبت سے بنا سکہ مانگتا ہے روشنی۔ سو اب تک خالی ہے۔"

وہ جانتی تھی کہ ان تمام باتوں کے جواب میں کہنے کے لیے اس کے پاس ایک حرف بھی نہیں سو وہ خاموش بیٹھی رہی۔

سید عالم شاہ نے اس پر نگاہ ڈال کر ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اس سانس میں ہزار صدیوں کی تشنگی تھی۔

✿.....✿.....✿

کئی دنوں بعد وہ آج خاصے خوشگوار موڈ میں تھا۔ صبح سے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ مذاق کر رہا تھا۔ ضوفشاں نے سکون کا گہرا سانس لیا تھا۔

تھوڑی دیر قبل ڈاکٹر اس کا چیک اپ کر کے گیا تھا اور اس سے امید افزا باتیں کی تھیں۔ سو اس کا موڈ مزید خوشگوار تھا۔

"روشنی۔" وہ اسے دوائی کھلا کر مڑی تو اس نے پیچھے سے اس کی ساڑی کا پلو تھام لیا۔

"جی۔" وہ مڑ کر مسکرائی۔

"پتا ہے، آج میرا کہاں جانے کا دل چاہ رہا ہے۔"

"آپ بتائیں!" وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"نہیں۔ تم بوجھو۔"

اس نے چند لمحے سوچا۔ اس کا پسندیدہ مقام وہی مصنوعی جھیل تھی جہاں وہ اسے شادی کے بعد دو تین مرتبہ لے جا چکا تھا۔

"جھیل پر؟"

"نہیں۔" وہ ہنسا۔ "میں جانتا تھا تم یہی کہو گی۔ میرا دل آج اپنی آبائی حویلی پر جانے کا چاہ رہا ہے۔ تمہارے ساتھ۔ تمہیں میں کبھی وہاں لے کر نہیں گیا۔"

"آپ ٹھیک ہو جائیں پھر چلیں گے۔"

"میرا دل ان برآمدوں، کمروں اور طویل راہداریوں میں چہل قدمی کرنے کو چاہ رہا ہے تمہارے ساتھ، میں تمہیں ہر جگہ دکھاؤں گا جہاں بیٹھ......کر میں نجانے کیا کچھ سوچا کرتا تھا۔"

وہ اسے سوچ میں گم ہوتا دیکھ کر مسکرا دی۔

"شاہ صاحب۔" باہر سے ملازم نے دروازہ بجایا۔

"آپ سے کوئی آذر صاحب ملنے آئے ہیں۔"

"سید عالم شاہ نے اس کی حیران ہوتی آنکھوں میں جھانکا۔ ضوفشاں نے دیکھا، اس کے چہرے پر چمکتی وہ الوہی خوشی یکدم غائب ہو گئی تھی۔

"مجھ سے نہیں۔ وہ تم سے ملنے آیا ہو گا روشنی۔ جاؤ مل لو۔"

"عالم! وہ میرا کزن بھی ہے۔ آپ سے ملنے آ سکتا ہے۔" اس نے رسانیت سے کہا۔

"کزن بھی۔" وہ بڑبڑایا پھر عجب طریقے سے مسکرا دیا۔ "اچھا اگر مجھ سے ملنے آیا ہو تو لے آنا اسے یہاں۔ ورنہ وہیں سے رخصت

کر دینا۔''

وہ الجھن میں مبتلا اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ آذر کی آمد نے اسے ذہنی طور پر پریشان کر دیا تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ اسے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر آنے سے منع کر دے گی۔

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو وہ دیوار کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ دیوار پر پینٹ کی ہوئی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

اسکے قدموں کی آہٹ پا کر وہ مڑا اور مسکرا دیا۔

اس کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ مڑا اور مسکرا دیا۔

''کیسی ہو اجالا۔''

''ٹھیک ہوں۔ بیٹھو۔''

''شکریہ۔'' وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ ''میرا یہاں چلے آنا تمہیں پریشان کر دیتا ہوگا۔''

''ہاں!'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''میں جانتا ہوں لیکن پچھلے کچھ دنوں سے مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے اس تمام عرصے میں تمہارے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں رکھا۔ نجانے کیوں میں تمہیں دکھ دے رہا تھا۔ لاشعوری طور پر۔ مجھے معاف کر دو اجالا۔''

''میں نے ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''معاف کرنے کا یا نہ کرنے کا کیا جواز۔ میرا نہیں خیال کہ تم نے کوئی ایسی بات کی۔''

''میں اتنا خود غرض ہو گیا تھا اجالا کہ تمہارے شوہر کو دیکھنے اور اس کا حال دریافت کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔'' وہ تاسف کے سمندر میں غرق تھا۔ ''میں عالم صاحب سے ملنے ہی آیا ہوں۔''

''اچھا!'' وہ خاموش ہو گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سید عالم شاہ اس سے مل کر کیسا محسوس کرے گا۔ اس کے جذبات اور اس کا رویہ کس طرح کا ہوگا۔ وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

''میں ان سے تمہارے کزن کی حیثیت سے ملنا چاہتا ہوں اجالا۔'' اسے سوچ میں غرض دیکھ کر وہ بے حد تاسف سے بولا تھا۔ ''لیکن اگر تم کچھ اور سوچ رہی ہو تو پھر میں چلتا ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں نہیں۔'' وہ بھی گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ ''ایسی کوئی بات نہیں۔ تم ان سے ضرور ملو مجھے خوشی ہوگی۔''

اس کو اپنی ہمراہی میں لیے وہ اپنے کمرے تک چلی آئی۔

''عالم۔''

وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ اس کی آواز پر چونک اٹھا۔

''یہ آذر ہیں۔''

''السلام علیکم۔'' وہ خوش دلی سے آگے بڑھا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

سید عالم شاہ نے بڑی دیر اس کے چہرے کو دیکھا پھر تھکے تھکے انداز میں اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

''بیٹھو'' اس نے صوفے کی سمت اشارا کیا۔ ''روشنی ذرا مجھے سہارا دینا۔''

آذر اس سے ہاتھ ملا کر صوفے پر جا بیٹھا۔ ضوفشاں اسے تکیوں کے سہارے بیٹھنے میں مدد دینے لگی۔

''آپ ضوفی کو روشنی کہتے ہیں۔'' وہ اس سے مخاطب تھا۔

''ہاں۔ یہ میری زندگی کے اندھیروں میں روشنی بن کر اتری تھی۔ میرے لیے یہ روشنی ہی ہے۔''

''بڑے خوش قسمت ہیں آپ!''

سید عالم شاہ نے غور سے اسے دیکھا۔

''بعض لوگوں کو اپنی قسمت کے چمکتے کاغذ کا علم ہی نہیں ہوتا۔ وہ محض لفظوں کو پڑھتے ہیں۔ تم انہی لوگوں میں سے ایک ہو۔''

''جی؟'' وہ متعجب ہوا۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''میری باتوں سے مطلب کم ہی نکلتا ہے۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔ ''لفظوں کے پیچھے مت بھاگا کرو یار!''

آذر نے پہلے ضوفشاں کو پھر سید عالم شاہ کو دیکھا۔ اس کو شاید عالم شاہ کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

''بڑے فلسفی ٹائپ بندے لگتے ہیں آپ!'' وہ ہنسا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں فلسفی کسے کہتے ہیں۔ اتنا جانتا ہوں کہ حالات انسان کو اپنی مرضی کے مطابق سوچ بخش دیتے ہیں۔ جیسا میں اب سوچتا ہوں کچھ عرصے قبل اس طرح سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔''

کچھ دیر کے لیے تینوں خاموش بیٹھے رہے پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔''

''روشنی! ان کو نیچے تک چھوڑ کر آؤ۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولا تھا۔

''جی بہتر۔'' وہ اس کے پیچھے پیچھے باہر نکلی۔

''اس تکلف کی ضرورت نہیں۔'' آذر نے اسے روک دیا۔ ''میں چلا جاؤں گا خدا حافظ۔''

اسے سیڑھیاں اترتے وہ دیکھتی رہی پھر مڑ کر اندر آ گئی۔

وہ خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

''آذر۔ آپ سے ہی ملنے آیا تھا۔'' اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

''اچھا لڑکا ہے۔'' اس نے محض اتنا ہی کہا۔

وہ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھی پھر کھانے کی ہدایات دینے کے لیے نیچے آ گئی۔ سید عالم شاہ کے لیے اکثر وہ اپنے ہاتھ سے سوپ تیار کرتی تھی۔ کچھ دیر سوچ کر وہ کچن میں چلی آئی۔ بہت عرصے بعد اس کا کھانے پکانے کا دل چاہنے لگا۔ ورنہ عالم شاہ اسے کسی کام کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

''بی بی صاحب۔ فون ہے آپ کا۔'' حسینہ اندر آئی تھی۔

''کس کا ہے؟'' اس نے پیاز کاٹتے ہوئے آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے۔

''کوئی آذر صاحب ہیں۔''

''یا اللہ۔ یہ آذر کو کیا ہو گیا ہے۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

''پیاز رکھ کر وہ باہر آ گئی۔

''ہیلو۔'' اس نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو اجالا۔'' اس کی آواز حیرت انگیز طور پر بدلی ہوئی تھی۔ وہ بے تحاشا جوش کے تحت بول رہا تھا۔

''اجالا! آج۔ آج اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے مجھ پر۔ تم نے یہ قربانی میری خاطر دی ہے ناں۔ میں سمجھ گیا ہوں اجالا میں سمجھ گیا ہوں۔''

''کون سی قربانی؟'' اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ''کیا کیا ہے...... میں نے تمہاری خاطر؟''

''اجالا تم عظیم ہو۔ فخر ہے مجھے اپنی محبت پر۔'' اس کی آواز بھیگ گئی۔

''آذر۔ خدا کے لیے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔''

''اجالا۔ آج جس وقت میں تمہارے اس محل سے نکلا وہاں ایک جیپ آ کر رکی جانتی ہو اس میں کون تھا۔ تمہارے گریٹ عالم شاہ کے وہ کتے جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ مجھے حبس بے جا میں رکھا تھا۔ مجھے مارا پیٹا تھا۔ اجالا۔ خدا کی قسم آج ایک ایک بات میری آنکھوں کے سامنے واضح ہو گئی ہے۔ میرا اغوا ہونا پھر ان لوگوں کو بغیر کسی لالچ کے مجھے چھوڑ دینا۔ میری قسم کھاؤ اجالا! کہ مجھے تمہارے شوہر نے اغوا کروایا تھا۔ کھاؤ قسم کہ تم نے اس سے اپنی مرضی اور خوشی سے شادی کی تھی۔ کھاؤ قسم اجالا کہ تم خوش ہو۔ تمہار پلکیں کسی انجانے دکھ سے بھیگی ہوئی نہیں رہتیں۔ بولو۔ جواب دو۔''

''آذر۔ آذر۔'' اس کا سانس پھولنے لگا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔''

''مت جھوٹ بولو اجالا۔ مجھ سے مت جھوٹ بولو۔ جھوٹ بول بول کر تم نے کتنی زندگیاں خراب کیں۔ اپنی زندگی۔ میری زندگی۔ ہم سے منسوب لوگوں کی زندگیاں۔ بتاؤ کیوں اتنے دکھ اٹھائے تم نے اور کیوں اتنے عذابوں سے گزرے ہم سب! کیوں جھوٹ بولا تھا تم نے ہم سب سے؟ ایک بار کچھ بتایا تو ہوتا۔''

وہ گہرے دکھ کے احساس کے ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

''مجھے بھی حیرت تھی کہ تم۔ تم اجالا کیسے بدل سکتی ہو۔ مجھے تو تمہارے لبوں سے نکلا اقرار کا ایک ایک حرف یاد تھا۔ میرے دل کی جھیل پر تمہاری محبتوں کے کنول تو بڑی تازگی اور خوبصورتی سے کھلے ہوئے تھے۔ میری قربتیں تمہاری سانس کی ضمانت تھیں۔ تمہاری خوشیاں تھیں۔ تم اس طرح کیسے اپنے لفظوں سے منکر ہو سکتی تھیں۔ اب میری سمجھ میں آیا ہے۔ تم بدلی نہیں تھیں، تمہیں بدلا گیا تھا۔ زور بازو سے، طاقت و جبر سے۔ میری زندگی کے بدلے تم سے تمہارا وجود طلب کیا گیا تھا اور تم نے انکار نہیں کیا۔ کہو اجالا ایسا ہی ہوا تھا ناں۔ کہو اجالا۔ جو جو بالکل سچ اور کھرا ہے وہ کہو۔ تمہیں میری قسم۔ اگر تمہارے دل میں میرے لیے رتی برابر بھی محبت ہے تو سچ کہو۔ تمہیں میری قسم ہے۔''

''آذر۔'' وہ دکھ سے بولی۔ ''اگر یہ سب سچ بھی ہے تو اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''فرق پڑتا ہے اجالا۔ فرق پڑتا ہے۔ صرف یہ کہو کہ جو کچھ میں نے کہا وہ سچ ہے۔''

''اچھا۔ پھر!'' وہ تھک کر بولی۔ ''مانا میں نے پھر؟''

''اف۔ اف خدایا!'' وہ شاک کی حالت میں تھا۔ ''سید عالم شاہ۔ تم نے کیا چھینا ہے مجھ سے۔ تم نے کیا چھین لیا ہے مجھ سے۔ میری زندگی کی ساری خوشیاں، تمام مسرتیں، میری ہنسی، میرا سکون، میری نیند، میرا آرام، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔''

''آذر! خدا کے لیے مت کرو ایسی باتیں!'' کچھ تھا جو دل پر چوٹ بن کر پڑا تھا۔

''اجالا۔ میں تمہیں اس طرح اپنی زندگی خراب کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اب تم وہ کرو گی جو ہر کسی کو اس کی مسرتیں لوٹا دے۔''

''تم چاہتے کیا ہو؟'' اس نے تھک کر پوچھا۔

''اجالا۔ میں تمہیں ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ تم اپنی زندگی ایک اپاہج، ذہنی مریض کے ساتھ سسک سسک کر گزارو۔ وہ شخص یقیناً پاگل ہے۔ جو اتنی زندگیاں برباد کر دے، وہ ذی ہوش نہیں ہو سکتا۔''

''آذر! خدا کے لیے۔'' اس نے بولنا چاہا۔

''اجالا۔ میرا یقین کرو۔ میں تمہیں ہر وہ خوشی لوٹاؤں گا جو تم سے چھین لی گئی۔ ہم اپنی زندگی کی نئی ابتدا کریں گے۔ ہم اس پاگل، اپاہج شخص کی پہنچ سے بہت دور چلے جائیں گے۔ ایک بار ہاں کہہ دو صرف ایک بار ہاں کہہ دو۔''

وہ خاموش کھڑی اپنے دل کی دھڑکنیں گنتی رہی۔ ابھی ابھی ایرپیس پر ایک گہرے سانس کی آواز ابھیر تھی۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی وہ سانس آذر کا نہیں تھا۔ وہ گہرا بوجھل سانس کس شخص کا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ ریسیور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر وہ بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی۔

''اجالا۔ اجالا۔ اجالا۔''

ایرپیس سے آذر کی آواز نکل کر اس کے اردگرد پھیل رہی تھی۔

لرزتے، کانپتے وجود کے ساتھ وہ کمرے میں آئی تھی۔ وہ تکیوں کے سہارے بستر پر نیم دراز تھا۔ بہت دیر تک ضوفشاں اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ چہرا کسی کتاب کی سادہ جلدی کی طرح تھا۔ کوئی حرف کوئی لفظ ایسا تحریر نہ تھا جس سے وہ کچھ معنی اخذ کر پاتی وہ کیا سوچ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں کن کن خیالوں کا عکس تھا۔ اسے قطعاً علم نہ ہو سکا۔

''کیا انہوں نے وہ باتیں سن لی ہیں؟''

''دزدیدہ نظروں سے اس نے عالم شاہ کے برابر رکھے کارڈلیس کو دیکھا۔

''عالم شاہ۔'' بالآخر اس نے قریب آکر اسے مخاطب کیا۔

اس نے گہرا سانس آزاد کرتے ہوئے نگاہوں کا زاویہ بدلا اور اس کے چہرے پر نظر جما دی۔

''کھانا لاؤں؟'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''نہیں۔'' وہ زیرِ لب بولا۔

''سوپ پی لیں، میں نے خود بنایا ہے آپ کے لیے۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''ابھی نہیں۔'' اس نے سر پیچھے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' اس نے آنکھیں بند کیے کیے پوچھا ''وہ کون سی سوچ ہے جس کے بارے میں تم جاننا چاہتی ہو؟''

اس کے چہرے کی طرح اس کا لہجہ بھی بالکل سپاٹ تھا کوئی ایسا تاثر نہ تھا جس سے وہ اس کے موڈ کا اندازہ لگا پاتی۔

''میں آپ کی ہر سوچ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور ایک ٹک اسے دیکھنے لگا۔

''روشنی۔''

''جی کہیے۔''

''ادھر دیکھو میری طرف...... میری آنکھوں میں۔''

اس سے نظریں ملانے میں ضوفشاں کو ہمیشہ جھجک محسوس ہوا کرتی تھی تاہم اس کے کہنے پر وہ اس کی جانب دیکھنے لگی۔ چند لمحے گزر گئے وہ اسی طرح اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں ایسے؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''سنا ہے آنکھوں میں جتنے بادل ہوتے ہیں وہ دل کے سمندر کے پانیوں سے بنتے ہیں، میں ان بادلوں کا رنگ دیکھ رہا ہوں۔''

''پھر؟ کیا رنگ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔'' اس نے آزردگی سے نظروں کا زاویہ بدلا ''پڑھنے والی نظریں بھی تو غیر جانبدار ہونی چاہئیں ناں، یہ دل تو ہمیشہ اپنی ہی

کہتا ہے۔"

"جو کچھ دل کہتا ہے اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ؟"

"وہ چند حرف جو کسی لمحہ غیر موجود میں ہیں جو نہ کبھی کہے گئے نہ سنے گئے۔ یہ دل ان الفاظ پر یقین کرنا چاہتا ہے روشنی میں کیسے مان لوں اس کی بات۔"

اس کے لہجے میں دکھوں کا سمندر موجزن تھا ان آنسوؤں کی نمی تھی جن کا اس کی آنکھوں میں آنا تو شاید ناممکن تھا۔ ہاں وہ اس کے اندر کہیں گر رہے تھے۔

"اس حادثے نے آپ کو کیا بنا دیا ہے عالم۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ ایسے تو کبھی نہ تھے، کبھی آپ نے ایسی باتیں نہیں کی ں، آپ کو تو اپنی ذات پر، اپنی محبتوں پر ایمان کی حد تک یقین تھا، یہ یقین آج متزلزل کیوں ہے عالم۔"

"یہ جو حادثے ہوتے ہیں ناں روشنی یہ بڑے رہنما ہوتے ہیں۔ انسان کے شعور کو آ گہی کی اس منزل تک لے جاتے ہیں جہاں عام حالات میں جانا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ انسان اپنے آپ کو یوں سرنگوں پاتا ہے کہ اس کی ذات کا تمام غرور، ساری اکڑ خاک ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں لیکن جو کچھ اس بیماری کے درمیان مجھ پر منکشف ہوا ہے اسے تاعمر فراموش نہ کر سکوں گا۔"

"یہ سب کچھ آپ کے لیے تکلیف دہ ہے۔"

"ہاں، بے حد تکلیف دہ، خامیوں کا احساس ہونا خوشگوار کیسے ہوسکتا ہے روشنی؟"

"لیکن ایک خوشی اس بات کی بھی تو ہوتی ہے کہ ان خامیوں کا احساس ہونا، خامیوں سے نجات پا لینے کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔"

"خامیوں سے نجات۔" وہ تلخی سے ہنسا۔ "کب ملتی ہے روشنی؟ ہاں، زندگی سے نجات ممکن ہے، اس کے غموں اور دکھوں سے نجات ممکن ہے۔"

"خدا جانے کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔" وہ زچ ہو گئی۔ "میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔ وہ اُٹھنے لگی لیکن اس کا ہاتھ عالم شاہ کے ہاتھ کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکا۔

"مت جاؤ روشنی میرے پاس بیٹھی رہو۔" اس کے انداز میں منت تھی۔ "میں نہیں چاہتا تم میرے پاس سے جاؤ تمہیں دیکھتے رہنا چاہتا ہوں، تمہیں محسوس کرتے رہنا چاہتا ہوں تاعمر۔"

ضوفشاں نے چونک کر اسے دیکھا، اس جملے کے پیچھے کون سے معنی پوشیدہ تھے۔ اس نے درحقیقت کیا پوچھا تھا اسے کس وہم نے پریشان کر رکھا تھا، وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں روشنی۔" اس نے بے چین ہو کر پوچھا "مجھے چھوڑ کر چلی تو نہ جاؤ گی۔"

"کہاں جا سکتی ہوں میں آپ کو چھوڑ کر آپ ہی بتائیں؟" وہ ذرا خفگی سے پوچھنے لگی۔

"ناراض ہو گئیں؟" وہ کسی بچے کی طرح بولا "ناراض مت ہو روشنی اچھا چلو، وہ سوپ لے آؤ جو تم نے میرے لیے بنایا ہے۔"

"میں خیراں سے کہہ کر منگوا لیتی ہوں۔" وہ ہنسی۔

"آپ میرا ہاتھ چھوڑیں گے تو جاؤں گی ناں۔"

✿......✿......✿

"روشنی۔" کتاب پڑھتے پڑھتے اس نے اچانک پکارا تھا۔

"جی؟" اس نے اچانک کر سر اٹھایا۔ وہ ننگ میں مصروف تھی۔

''ایک بات تو بتاؤ۔'' اس نے کتاب بند کر کے سائیڈ میں رکھ دی۔

''پوچھیے؟'' اس کے ہاتھ پھر سلائیوں کو چلانے لگے۔

''کہتے ہیں عورت اپنی پہلی محبت کو تاعمر نہیں بھولتی۔ کیا درست ہے؟''

اس کے ہاتھ تھم گئے، عالم شاہ کی دماغی رو اب مسلسل ایک سمت میں بہا کرتی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ایک بات پہلے آپ مجھے بتائیں عالم، آپ نے زندگی میں سب سے پہلی محبت کس سے کی؟''

''تم سے۔'' وہ کھل کر مسکرایا ''پہلی محبت، ہاں آخری محبت کسی اور سے کروں گا۔''

ضوفشاں کی آنکھوں میں بے یقینی کی پرچھائیں نمودار ہوئی۔

''کیا؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''میں نے کہا پہلی محبت تم سے کی ہے البتہ آخری محبت کسی اور سے کروں گا۔''

''کس سے۔'' وہ حد درجہ متعجب تھی۔

''وہ جو تمہارا دوسرا روپ ہوگی اس سے، اپنی بیٹی سے۔'' وہ ہنس دیا۔

وہ چند لمحے بیٹھی رہی، پھر خود بھی ہنس دی۔

''آپ کو کیا خبر کہ وہ بیٹی ہی ہوگی۔ بیٹا بھی تو ہو سکتا ہے ناں۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا ''وہ بیٹی ہی ہوگی یقین ہے جیسی، چاند مجھے اجلی، معصوم تمہارا دوسرا روپ، شاید میں اسے اتنا چاہوں گا، جتنا میں تمہیں بھی نہیں چاہا، لیکن تم کیا پوچھ رہی تھیں؟''

''میں پوچھ رہی تھی کہ فرض کیجیے، میں اور آپ جدا ہو جائیں۔''

''روشنی۔''

''فرض کیجیے ناں۔'' وہ بولتی گئی۔ ''یا ایسا ہو کہ آپ کسی اور سے شادی کر لیں، کئی سال گزر جائیں تو کیا آپ بھول جائیں گے مجھے؟''

''نہیں۔'' وہ خفا سا تھا اس کی بات پر۔

''کبھی بھی نہیں؟''

''آخری سانس تک نہیں۔''

''پھر؟ یہ پہلی اور آخری محبت کا طعنہ عورت کے حصے میں کیوں آتا ہے؟ اور میں پوچھتی ہوں یہ فلسفہ کون جھاڑتا ہے کہ فلاں شے، فلاں جذبہ عورت سے مشروط اور فلاں مرد انسانی جذبات اور احساسات تو جنس کی تخصیص کے بغیر ایک سے ہوتے ہیں، عالم کانٹا چبھے تو تکلیف دونوں کو ہوتی ہے۔ آرام پا کر دونوں خوش ہوتے ہیں پھر یہ کیا بات ہے کہ فلاں بات عورت نہیں بھولتی، فلاں کام مرد نہیں کرتا، منہ بنا کر، ہاتھ ہلا کر اس نے تقریر جھاڑی۔

وہ بے اختیار زور سے ہنسا تھا اور پھر کافی دیر تک ہنستا رہا۔ ضوفشاں نے اپنی ازدواجی زندگی کے دوران اسے بہت کم ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ عموماً وہ محض مسکراتا یا ہولے سے ہنس دیتا تھا۔ اس طرح بے اختیار ہنستے ہوئے وہ اسے بہت الگ، بہت اچھا لگا وہ نگاہ جمائے اسے دیکھتی رہی۔

''اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے بھلا؟'' پھر وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

''پتا ہے روشنی! آج پہلی بار تم مجھے بیوی لگی ہو سرتاپا ''بیوی'' چڑ کر جھلا کر جس طرح تم نے مسلسل بولتے ہوئے اپنی بات مکمل کی ہے، وہ محض ایک بیوی کا ہی خاصہ ہو سکتا ہے، کتنی اچھی لگی ہو مجھے تم، تم شاید تصور بھی نہ کر سکو۔''

وہ مسکرا دی، سر جھکا کر دوبارہ سلائیاں چلانے لگی۔

''سنو، مکرم علی کو بلاؤ، میں ادھر تمہارے پاس بیٹھنا چاہتا ہوں۔''
ضوفشاں نے بٹن پش کر دیا۔ چند لمحوں میں ہی مکرم علی حاضر تھا۔
''مکرم علی۔'' وہ اسے تکیوں کے سہارے بٹھا رہا تھا جب عالم شاہ نے اسے پکارا۔
''حاضر سائیں حکم۔''
''تم اپنی پسند سے شادی کی ہے ناں؟''
وہ مسکرا دیا سر جھکائے کھڑا رہا۔
''بولو ناں مکرم۔''
''جی سائیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا ''آپ نے دیکھا ہے ناں بیگماں کو۔''
''اچھا یہ بتاؤ اب کبھی تمہیں اپنی بیوی میں اپنی محبوبہ کی جھلک نظر آتی ہے۔'' مکرم علی ہنسا۔
''نہیں شاہ جی اب تو بالکل بدل گئی ہے۔''
''پتا ہے مکرم علی، مجھے اپنی محبوبہ میں بس کبھی کبھی بیوی کی جھلک نظر آتی ہے۔'' اس کا لہجہ شگفتہ اور شرارتی تھا۔
مکرم علی مسکراتا رہا۔ ضوفشاں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''بس مکرم علی شکریہ۔'' پھر وہ بولی ''اب تم جاؤ۔''
''جی بی بی صاحبہ۔'' وہ مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔
''دل کی باتیں کرنے کے لیے مکرم علی ہی دستیاب ہوا آپ کو؟'' وہ کچھ خفگی سے بولی ''کیا سوچتا ہوگا وہ۔''
''مکرم علی۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''تم مکرم علی کے سوچنے کی بات کر رہی ہو، ارے جان عالم بڑی بھولی ہو تم، مکرم علی محض ایک جسم کا نام ہے۔ دماغ تو اس کے پاس ہے ہی نہیں، وہ سوچ ہی کیسے سکتا ہے۔''
''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' وہ چڑی۔
''ٹھیک کہہ رہا ہوں کبھی آزما لینا مکرم علی کو ایک روبوٹ ہے جسے محض اتنا علم ہے کہ اسے میرے اشاروں پر چلنا ہے، میں کہوں مکرم علی ہنسو تو وہ لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر ہنسنے لگے گا۔ اگلے ہی لمحے میں اسے رونے کا حکم دوں تو وہ مگرمچھ کے سے موٹے موٹے آنسو بہانے لگے گا۔''
اسے ہنسی آ گئی۔
''کہاں سے مل گیا یہ روبوٹ آپ کو؟''
''تقدیر سے۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا ''یہ جو میری اس ہتھیلی پر سیدھی، گہری قسمت کی لکیر بڑی شان سے دوڑتی نظر آتی ہے ناں، روشنی اس کے محض دو مقام ایسے ہیں جن کی بنا پر میں خود کو خوش قسمت خیال کرتا ہوں، ایک وہ جہاں تمہارا نام لکھا ہے اور دوسرا مقام جہاں سے مجھے مکرم علی ملا وہ خود کو محض میرا ایک ادنیٰ غلام خیال کرتا ہے لیکن میں اسے اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ سمجھتا ہوں۔''
''کب سے ساتھ ہے یہ آپ کے؟''
''بچپن سے۔'' وہ مسکرایا ''عمر میں یہ مجھ سے دو سال بڑا ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا مکرم علی کو اپنی ہمراہی میں پایا ہے دراصل یہ جو ہمارے ملازمین ہیں ناں یہ سب ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیشہ سے ان کا خاندان ہمارے خاندان کا تابع چلا آ رہا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا، یہاں کا ہر ملازم ایک دوسرے سے تعلق رکھتا ہے۔ رشتے دار ہیں یہ سب آپس میں، ہمارے ہاں باہر کے کسی شخص کو نوکر نہیں رکھا جاتا، یہاں جتنے ملازم ہیں سب ہمارے آبائی گاؤں سے یہاں آئے ہیں جب میں پیدا ہوا تھا ناں تو بابا سائیں نے مکرم علی کو میرا خاص ملازم بنایا تھا۔ ہر چند کہ وہ خود اس وقت محض دو سال کا تھا۔ ہم ساتھ ساتھ بڑھتے گئے۔ مجھے تو بابا سائیں کے فیصلے کا کوئی خاص احساس نہ ہوا لیکن مکرم علی کے ذہن میں یہ بات

نجانے کس نے کس طرح بٹھادی کہ اب وہ میرے بنا رہ ہی نہیں سکتا۔ میری تمام آیائیں تو مفت کی روٹیاں کھاتی تھیں۔ مجھے تو درحقیقت مکرم نے پالا ہے، وہ کسی بزرگ کی طرح شفیق، دوست کی طرح غمگسار اور کسی ادنیٰ غلام کی طرح میرا تابع ہے کیا ایسا شخص فی زمانہ دستیاب ہونا قسمت کی مہربانی نہیں۔''

وہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی مسکرادی۔

''بڑی محبت ہے آپ کو مکرم علی سے، اتنی تعریفیں تو شاید آپ نے کبھی میری نہ کی ہوں گی۔''

''تمہاری کیا تعریف کروں روشنی۔'' وہ بڑے میٹھے لہجے میں بولا تھا۔ ''تمہارے جلتے حسن کے آگے تو لفظوں کے چراغ مدھم پڑ جاتے ہیں۔''

وہ دوبارہ سلائیوں کی جانب متوجہ ہوگئی مگر ڈیزائن بھول گئی، سر جھٹک کر مسکرائی پھر ہنس دی۔

''آج تو تم بڑی خوش لگتی ہو۔'' وہ اس کے بالکل قریب بیٹھا بڑی محبتوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آج، آپ بھی تو خوش لگتے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''تو میں یہ سمجھوں کہ میری خوشی تمہاری خوشی ہے؟''

اس کے لہجے میں آرزوؤں کے دیئے جھلملائے۔

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر فون کی بیل بج اٹھی تھی۔

اس نے سائیڈ میں رکھے فون پر ہاتھ رکھا مگر اس سے قبل ریسیور اٹھاتی اس کے ہاتھ پر عالم شاہ کا مضبوط ہاتھ آ گیا۔

''تم رہنے دو، میں اٹھاتا ہوں۔''

اس نے اپنا ہاتھ ہٹالیا۔

''ہیلو...... عالم شاہ بول رہا ہوں۔'' وہ ریسیور کان سے لگا کر بولا۔

ضوفشاں بے ارادہ اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا، اس کی آنکھوں میں جگمگاتی لو مدھم ہوگئی تھی۔

کچھ کہے بنا خاموشی سے اس نے ریسیور اسے تھما دیا۔

''ہیلو۔'' وہ سمجھ گئی تھی دوسری جانب کون تھا۔

''اجالا، میں آذر ہوں۔''

''ہاں معلوم ہے مجھے، کہو۔'' اس نے لہجے کو حتی الامکان بے تاثر اور پرسکون رکھا۔

''اجالا اس دن بغیر کچھ کہے تم نے فون بند کیوں کیا تھا میرے سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔''

''اس لیے کہ۔'' وہ لمحہ بھر کو رکی ''اس لیے کہ ان باتوں کا کوئی جواب ہو بھی نہیں سکتا تھا۔''

''اجالا، کیوں برباد کر رہی ہو یہ زندگی، کیا سات جنموں پر یقین رکھتی ہو کہ اگر ایک برباد ہو بھی گیا تو کیا اگلا جنم خوبصورت بنالیں گے۔ اجالا، یہ زندگی ایک بار ملتی ہے اسے ضائع مت کرو۔''

وہ پریشان ہوگئی آذر کو علم نہ تھا کہ وہ اس وقت عالم شاہ کے پہلو سے لگی بیٹھی ہے۔ اس کے اس قدر قریب تھی کہ اس کی سانسوں کو اپنے وجود سے ٹکراتا محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں یہ بھی ممکن تھا کہ آذر کی آواز وہ بھی سن رہا ہو۔

''آذر۔'' اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کہے۔

''ہاں، کہو! آج برسوں بعد تمہارے شیریں لبوں سے یہ نام واقعی اپنا لگا ہے۔''

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا وہ بے نیازی سے اس کے بنائے سوئیٹر کے ڈیزائن کو دیکھ رہا تھا۔

''آذر میرا خیال ہے کہ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے بات بنانی چاہی۔

''نہیں اجالا! ابھی دیر نہیں ہوئی تم بس اتنا کہو کہ تم مجھے چاہتی ہو، تمہیں میرے قرب کی خواہش ہے اور تم اس پاگل خانے سے رہائی چاہتی ہو، بس تم ایک بار صرف ہاں کہو۔'' عالم شاہ نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام لیا اور اس کی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو گھمانے لگا اس کے اپنے ہاتھوں میں ایک خفیف سی لرزش تھی۔ ایک اضطراب تھا جسے وہ محسوس کر سکتی تھی۔

''آذر...... مجھے کچھ کام ہے پھر بات کریں گے۔''

''میں آجاؤں؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ بے طرح گھبرا گئی ''میں خود آؤں گی۔''

''یکلخت عالم شاہ نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ یا شاید خود بخود چھوٹ گیا تھا۔

''کب آؤ گی اجالا۔'' ادھر وہ بہت بے تاب تھا ''مجھے وقت بتاؤ۔''

''کل، میں کل آؤں گی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں انتظار کروں گا دل و جان کی تمام تر شدتوں سے۔''

''خدا حافظ۔''

اس نے آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔ عالم شاہ کے بے جان ہاتھوں سے اونی سلائیاں اور اون کا گولہ نکلا اور ایک عجب اضطراب کے عالم میں پھندے گننے لگی۔ نجانے سوئیٹر واقعی غلط بن گیا تھا یا اس ذہنی الجھن کے عالم میں اسے لگا۔ اس نے سلائیاں نکالیں اور سوئیٹر ادھیڑنے لگی۔

''روشنی۔''

''جی......؟'' وہ چونکی۔

''انسانی زندگی اور اس اون کے گولے میں کتنا فرق ہوتا ہے ناں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حد درجہ متعجب ہوئی۔

''دیکھوناں، اسے بن کر ایک شکل دو، پھر ادھیڑ دو، نئے سرے سے بن لو کسی نئے نمونے کے مطابق وہ پسند نہ آئے تو پھر ادھیڑ لو، لیکن انسان کی زندگی کا تانا بانا ایک بار جس طرح بن گیا سو بن گیا پھر بار بار بدلا تو نہیں جا سکتا ناں۔''

''جی!'' اس نے گہرا سانس لیا ''درست کہتے ہیں آپ۔''

''پھر بعض لوگ اپنی زندگی کو نئی نئی شکلیں کیوں دینے کے درپے ہیں؟''

''مطمئن نہیں ہوتے ناں زندگی کی شکل سے اس لیے۔''

''تم اپنی زندگی سے مطمئن ہو روشنی؟''

ضوفشاں نے اس کی جلتی بجھتی آنکھوں میں دیکھا اور مسکرا دی۔ پھر وہ اٹھی اور جا کر پردے برابر کرنے لگی۔

✿......✿......✿

آتشی گلابی بارڈر کی گہری زرد ساڑھی باندھ کر اس نے بالوں کا جوڑا بنایا اور لبوں پر گہری سی لپ اسٹک جمانے لگی۔

''کہیں جا رہی ہو۔'' وہ نسخہ ہائے وفا کے صفحات پلٹ رہا تھا۔

''جی ہاں، ذرا آپا کی طرف جا رہی ہوں۔'' وہ پرفیوم اسپرے کر رہی تھی۔

خود کو انتہائی بے نیاز ظاہر کرتے ہوئے اندر سے بالکل چور ہو رہی تھی۔

''میں خیراں سے آپ کے کھانے اور دوائی کا کہہ کر جاؤں گی۔ جب وہ آئے تو پلیز اسے ڈانٹ کا بھگا دینے کے بجائے کھانا کھا لیجئے گا، اور دوائی بھی۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے جیسے بے خیالی میں سر ہلایا۔

ضوفشاں نے آئینے میں اس کے عکس کو غور سے دیکھا ایک ورق وہ دائیں پلٹتا تھا، اگلے کئی صفحات بائیں طرف الٹ دیتا۔ کسی لفظ پر اس کی نگاہ جم ہی نہیں پا رہی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ بے نیاز صرف وہ ہی نہیں بن رہی تھی۔

''عالم۔''

''ہاں، کہو۔''

''میں جلد آ جاؤں گی۔'' وہ نرم لہجے میں بولی۔

عالم شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں نے کچھ کہا تو نہیں تم جتنی دیر رکنا چاہو رک جانا۔''

اچانک ہی اس کا من شرارتی ہوا۔

''سوچ لیں کیا کہہ رہے ہیں۔''

اس نے ایک سنجیدہ نگاہ اس پر کی اور واپس کتاب پڑھنے لگا۔

''اف خدا کچھ اور نہ سمجھیں۔'' دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''خدا حافظ عالم۔'' باہر نکلتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''اللہ حافظ۔'' وہ بڑبڑایا۔

اس کے چلے جانے کے بعد اس نے تا دیر دروازے کو دیکھا پھر لب بھینچ کر کتاب کو تکیے پر کھینچ مارا۔

✿.....✿.....✿

''ہیلو کزن۔'' وہ چائے پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر شگفتگی سے مسکرایا۔

''آذر یہ کیا پاگل پن ہے۔'' وہ تھکے ہارے انداز میں بیٹھی تھی۔

''عشق، عشق، عشق۔'' وہ ہنسا ''ویسے یار بڑی زیادتی نہیں ہوئی ہمارے ساتھ؟''

''آذر'' وہ چند لمحے اسے گھورتی رہی ''میں قطعاً سنجیدہ ہوں۔''

''میں تمہیں مذاق کرتا نظر آتا ہوں۔'' اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کپ ایک طرف رکھ دیا۔

''اجالا زندگی نے اس قدر خطرناک مذاق کیا ہے میرے ساتھ کہ مجھے تو ہنستے ہوئے بھی خوف آتا ہے اور سچ پوچھو تو مجھ سے زیادہ بہادر تو تم ہو کتنی آسانی سے سہہ گئیں سب کچھ، کسی کو بھنک بھی نہ پڑنے دی۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو پاگل ہو جاتا چیخنے چلانے لگتا۔''

''بہر حال۔'' اس نے بات کاٹی تھی ''جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا، زندگی کو اون مت سمجھو کچھ غلط ہوا بھی ہے تو بس ہو گیا۔ اسے ادھیڑ کر نئے سرے سے بننے کی کوشش رکھنا حماقت ہے۔''

''جو کچھ نئے سرے سے شروع کیا جا سکتا ہے اسے آزمانے میں حرج بھی کیا ہے۔''

''پاگل مت بنو۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟ یہ بے لطف بے کیف زندگی کیا یونہی گزارتے چلے جائیں، یہ زندہ لاشے گھسیٹتے پھریں، اجالا خوشیو کے جگنو ابھی ہماری پہنچ سے دور نہیں، اپنی خالی بند مٹھی کو کھولو اوران کی طرف ہاتھ بڑھاؤ کیا خبر ہم انہیں قید ہی کر لیں۔''

''آذر، کیا یہ سب کچھ آسان سمجھتے ہو؟'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

''نہیں، بہت مشکل مگر ناممکن ہرگز نہیں۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ زور دے کر بولی تھی ''قطعاً ناممکن، کوئی کھیل اس وقت کھیلنے والے راضی ہوں، میں اس کھیل میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دے پاؤں گی۔''

''میں کوئی کھیل تو نہیں کھیل رہا اجالا۔'' وہ دکھ سے بولا۔ ''کھیل تو کھیلا تھا تمہارے سید عالم شاہ صاحب نے ایسا کھیل جو فیئر بھی نہیں تھا جس کے فیصلے غیر منصفانہ تھے اور ایسے غیر منصفانہ کہ ان کی سزا آج تک جاری ہے۔ میں کہاں کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہوں میں تو محض انصاف چاہتا ہوں اجالا۔''

''جب...... ایک بار کسی کو غلط فیصلے کی سولی پر چڑھا دیا جائے تو پھر اس کی لاش کو اتار کر اس میں نئی روح نہیں پھونکی جاسکتی آذر جو نہیں ہوسکتا اس کی تمنا نہ کرو۔''

اس کا لہجہ قطعی تھا۔ وہ اسے بے بسی سے تکتا رہ گیا۔

''ہاں، وہ اس روز والی بات ادھوری ہی رہ گئی تھی۔'' اچانک ضوفشاں کو خیال آیا ''آپا بتا رہی تھیں کہ پھوپھی اماں نے تمہاری ہونے والی دلہن کا انتخاب کر لیا ہے۔''

''میری ہونے والی دلہن کا انتخاب، میں نے اور امی نے مل کر کیا تھا۔'' اسے غور سے دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا ''لیکن ہوا یوں کہ وہ جس راستے پر چل دی وہ کہیں اور جاتا تھا اسے مجھ سے، میری تمناؤں سے بہت دور لے گیا لیکن کسی کے دور جانے سے یہ بے چاری تمنائیں مر تو نہیں جاتیں ناں، میں آج بھی اس کا ہی منتظر ہوں، شاید اسے صحیح راستہ سجھائی دے جائے'' پھر وہ اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آذر'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''خدا تمہیں صحیح راستہ سجھائے۔''

وہ واپس لوٹی تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کا دماغ الجھا ہوا تھا۔

''خیراں، تمہارے شاہ صاحب نے کھانا کھایا تھا'' اس نے اوپر کمرے میں جانے کے بجائے کچن میں جا کر رات کے کھانے کی تیاری کرتی خیراں سے پوچھا۔

''جی بی بی صاحبہ! تھوڑا بہت کھا لیا تھا۔'' اس نے عقلمند بنتے ہوئے سر ہلایا ''ویسے آپ گھر پر نہ ہوں تو وہ دل سے نہیں کھاتے یونہی ایک دو نوالے لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے کسی گہری سوچ میں سر ہلایا۔ پھر چونک اٹھی ''اور دوائی کھائی تھی انہوں نے؟''

وہ مڑ کر کچن سے نکل آئی۔ منتشر دماغی سے سیڑھیاں عبور کر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''عالم۔'' اندر داخل ہو کر اس نے اسے پکارا۔

آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹا تھا۔ ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔

''سو گئے تھے؟'' وہ قریب آتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں۔'' اس نے گہرا سانس بھرا ''کر رہا تھا غم جہاں کا حساب۔''

''کل یونس صاحب آئیں گے آپ کا چیک اپ کرنے، یاد ہے ناں آپ کو'' اس نے جان بوجھ کر اس کی بات کو نظر انداز کر دیا۔

''تمہیں یاد ہے، بس کافی ہے میں یاد رکھ کر کیا کروں گا۔''

''کیوں، آپ کا جی نہیں چاہتا، جلد ٹھیک ہو جانے کو۔''

''جی کے چاہنے کی کیا بات کرتی ہو جان عالم۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''یہ جی تو خدا جانے کیا کیا چاہتا ہے لیکن ہر خواہش کہاں پوری ہوتی ہے ہم تو وہ سیاہ نصیب ہیں کہ..... خیر جانے دو میں سوچ رہا تھا روشنی یہ جو بدنصیبی ہوتی ہے ناں ایک گول چکر کی طرح ہوتی ہے ایک جگہ سے شروع ہو تو پھر رکتی نہیں، ایک دائرے میں گھومتی ہی چلی جاتی ہے۔ پتا ہے میرے بابا سائیں جو تھے ناں، ان کی ٹانگیں ایک ایکسیڈنٹ میں ضائع ہوئی تھیں۔ پھر بقیہ ساری عمر انہوں نے یونہی بستر پر گزار دی۔''

''خدا نہ کرے جو آپ کے ساتھ ایسا ہو۔'' وہ ناراض ہوئی ''کیوں ایسی باتیں کر کے میرا خون خشک کرتے ہیں آپ۔''

''شاید میں اذیت پسند ہوں۔'' وہ اداس لہجے میں بولا ''لیکن یقین کرو روشنی تمہیں تو میں ذرا سی تکلیف پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کوشش کرتا ہوں کہ ان زہریلی سوچوں کے ڈسنے سے جو اذیت ہوتی ہے اسے خود تک محدود رکھوں لیکن دماغ کا بدن سے عجب رشتہ ہوتا ہے، پلک جھپکتے میں یہ زہر سارے بدن کی نس نس میں رس جاتا ہے، پھر بھلا زبان کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور زبان زہریلی ہو جائے تو الفاظ میٹھے کیسے نکلیں؟ میری مجبوری کو سمجھو روشنی، اور خفا مت ہوا کرو۔''

''یا خدا!'' وہ پریشان ہوئی ''عالم کبھی تو ان بے کار، جان جلانے والی سوچوں کے حلقے سے باہر نکل کر کچھ اور بھی سوچا کریں۔ اچھا چلیں، آج مجھے بتائیں وہ کون سے وہم ہیں جو اس قدر پریشان کر ڈالتے ہیں آپ کو۔''

''وہم نہیں، روشنی! حقیقتیں۔'' وہ مسکرایا ''کچھ حقیقتیں یوں روشن ہو گئی ہیں مجھ پر کہ میں بہت اندر تک خوفزدہ ہو گیا ہوں جزا اور سزا کا جو تصور ہے ناں وہ میرے دماغ کے پردے پر واضح ہو گیا ہے۔ کسی کو خوشی دو تو جواب میں خوشی، دکھ دو تو جواب میں دکھ، گلاب کا پودا لگاؤ تو گلاب، ببول بوؤ تو کانٹے جھاڑ، یہ حقیقتیں کتنی دل افروز ہوں گی ان کے لیے جو خوشیاں دیتے ہیں گلاب بوتے ہیں، لیکن میں میں ڈر گیا ہوں، بے چین رہتا ہوں، روشنی! میں نے شاید ہی زندگی میں کسی کو خوشی دی ہو، شاید ہی مسکراہٹیں بانٹی ہوں لیکن تم'' وہ لحہ بھر کو رکا ''خدا جانتا ہے کہ میں تم کو کس قدر چاہتا ہوں زمانے بھر کی خوشیاں ڈھیر کر دینا چاہتا ہوں تمہارے قدموں میں اور تم میرے ساتھ ہو تو میں سزا بھی بھگت لینے کو تیار ہوں، اپنے اعمالوں کی، اپنے گناہوں کی، لیکن کیا تم میرا ساتھ دو گی روشنی؟''

''کتنی بار پوچھیں گے یہ سوال؟ کب تسلی ہو گی آپ کی۔''

''سنو روشنی۔'' اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔

''ایک بات ذہن میں رکھنا کبھی مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کر لو تو مجھے بتا کر کرنا جب مجھے تنہا چھوڑ کر جاؤ تو دن کے اجالے میں جانا۔ رات کے اندھیروں میں نہیں، دیکھو ناں، جدائیوں میں آخر کچھ وقار ہونا چاہیے۔''

''عالم۔'' وہ ایک سناٹے میں رہ گئی۔

اس نے تکیے پر دائیں بائیں سر مارا اور ایک اذیت کے عالم میں آنکھیں موند لیں جیسے کرب کی سولی پر معلق ہو۔

''وہ تھوڑی دیر تک اس کا چہرا دیکھتی رہی پھر اٹھی اور شیشے کا دروازہ کھول کر ٹیرس پر آ گئی۔ ماربل کے ٹھنڈے فرش پر چند لمحے ننگے پاؤں کھڑی غائب دماغی کی کیفیت میں سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نیچے اترتے گول زینے کی سڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ ریلنگ سے سر ٹکائے وہ الفاظ کے اس ہجوم میں کھونے لگی۔ جو اس کے ذہن میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''میں نے ہمیشہ تمہاری خوشیوں کی آرزو کی ہے اجالا۔'' ایک آواز ''چاہتا تھا کہ تم سے نہ ملوں تا کہ تم مزید خوش رہو۔''

''خدا جانتا ہے کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں زمانے بھر کی خوشیاں ڈھیر کر دینا چاہتا ہوں تمہارے قدموں میں۔ پھر ایک اور آواز پہلی آواز سے ٹکرا گئی۔

''میری خواہشوں کا تو ہمیشہ ایک ہی نام ہے تمہاری ہنسی تمہارا اطمینان، تمہاری خوشی۔''

''میرا جی چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر شے باضابطہ طور پر تمہارے نام لکھ دوں، جو کچھ میں تمہارے لیے کرتا ہوں کیا تمہیں اس سے خوشی نہیں ہوتی روشنی؟''

''اب تم وہ کرو گی جو ہر کسی کو اس کی مسرتیں لوٹا دے۔ میرا یقین کرو اجالا، میں تمہیں وہ ساری خوشیاں لوٹاؤں گا جو ہم سے چھین لی گئیں۔''

''تو میں یہ سمجھوں کہ میری خوشی، تمہاری خوشی ہے؟''

''اجالا! خوشیوں کے جگنو ابھی ہماری پہنچ سے دور نہیں، اپنی خالی، بند مٹھی کو کھولو اوران کی طرف ہاتھ بڑھاؤ کیا خبر ہم انہیں قید کر ہی لیں۔''

''انسانی زندگی کا تانا بانا ایک بار جس طرح بن گیا سو بن گیا اسے بار بار بدلا تو نہیں جا سکتا ناں۔''

''جو کچھ نئے سرے سے شروع کیا جا سکتا ہو اسے آزمانے میں حرج بھی نہیں ہے؟''

''مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی روشنی؟ دیکھو ناں جدائیوں میں بھی آخر کچھ وقار ہونا چاہیے مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی روشنی؟''

''نہیں۔'' کافی بلند آواز میں اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بڑی دیر تک وہ دماغ میں جگنوؤں کی طرح سے جلتے بجھتے الفاظ کی بازگشت کے تھمنے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر بالآخر سارے لفظ خاموش ہو گئے۔ اب وہ تھی اور نیچے دور تک پھیلے ہوئے لان کا سناٹا۔

اس نے سر اٹھا کر سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھا پھر اٹھی اور آہستہ روی سے چلتی کمرے میں آ گئی۔

''عالم کھانا منگواؤں؟'' آہستگی سے اس نے پوچھا۔

دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آنے پر اس نے مڑ کر دیکھا وہ لیٹے لیٹے سو گیا تھا دونوں ہاتھ سینے پر رکھے، گہری سانس نیند میں تھا وہ بنا آہٹ کیے اس تک آئی اور اسے غور سے دیکھنے لگی اسے احساس ہوا کہ وہ کس قدر گھل کر رہ گیا تھا خم دار پلکوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑے تھے۔ لبوں کی سیاہیاں واضح ہو گئی تھیں۔

''یہ محبت میرے جیسے انسان کے بس کا روگ تو نہ تھی۔''

کبھی اس کے کہے ہوئے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔

وہ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کی فراخ پیشانی پر بکھرے سیاہ بالوں کو ہولے سے سنوار کر پیچھے کیا۔

''مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی روشنی۔''

اس کی غرور سے اٹھی ستواں ناک کو دیکھتے ہوئے اس کا التجائیہ لہجہ اسے یاد آیا ایک مدھم، خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔ وہ ہولے سے جھکی اور اپنے لب اس کے کانوں کے قریب لے آئی۔

''نہیں۔'' اس نے ہولے سے سرگوشی کی اور مسکرا دی۔

وہ بدستور گہری نیند میں تھا۔

❁.....❁.....❁

گنگناتے ہوئے اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور چاندی کی کنگھی گیلے بالوں میں پھیرنے لگی۔ ذرا سا رخ موڑ کر اس نے دیکھا۔ وہ آرام دہ کرسی پر دراز پردے ہٹائے، نیچے نظر آتے لان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے سے ہٹ کر دیوار میں بنے کیبنٹ تک آئی اور کیسٹیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد مغنی کی خوبصورت آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی۔

آج یوں موج در موج غم تھم گیا اس طرح غمزدوں کو قرار آ گیا
جیسے خوشبوئے زلف بہار آ گئی جیسے پیغام دیدار یاد آ گیا

عالم شاہ نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے کسی سوچ میں گم مسکراتے دیکھا اور چند لمحے دیکھتا رہا۔ وہ دوبارہ آئینے کے سامنے آ گئی اور بال سنوارنے لگی۔ اس کے اپنے لب بھی کمرے میں پھیلتی آواز کے ساتھ ہل رہے تھے۔

جس کی دید و طلب وہم سمجھے تھے ہم روبرو پھر سرِ رہگزر آ گیا
صبح فردا کو پھر دل ترسنے لگا، عمر رفتہ ترا اعتبار آ گیا

وہ جتنی خوش نظر آ رہی تھی اس کا دل اتنا ہی بے چین ہونے لگا ایک سکتے کے عالم میں وہ اس کی ایک ایک ادا سے جھلکتی سرمستی کو دیکھ رہا تھا۔

فیض کیا جانیے یار کس آس پر منتظر ہیں کہ لائے گا کوئی خبر
مے کشوں پر ہوا محتسب مہرباں، دلفگاروں پہ قاتل کو پیار آ گیا

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے پاس آ گئی۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔'' اس نے عالم شاہ کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

اس نے چونک کر پاس کھڑی ضوفشاں کو دیکھا سیاہ قمیص اور سرخ اور سیاہ چنری کے دوپٹے میں وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

''سوچ رہا ہوں آج تم خوش ہو اس لیے اتنی حسین نظر آتی ہو یا آج اتنی حسین نظر آنے پر خوش ہو یا اس بے تحاشا خوشی کا منبع کچھ اور ہے'' اس کا لہجہ نارمل تھا۔

وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''شاید تینوں باتوں ہی درست ہیں، ویسے عالم ایک بات ہے، تعریف کے الفاظ میں محبت کی خوشبو نہ ہو تو بات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، ہے ناں۔''

وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا زندگی میں اس سے پہلی ملاقات سے لے کر اب تک یہ پہلا موقع تھا جب اس نے اس طرح کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

''تینوں۔'' پھر وہ گہری سانس بھر کر بولا ''یعنی آخری بات بھی درست ہے۔''

''جی۔'' وہ شرارت سے بولی اور مڑ کر کیبنٹ کے پاس گئی ڈیک آف کیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ بڑی دیر تک فضاؤں میں گھورتا رہا۔

جس کی دید و طلب وہم سمجھے تھے ہم روبرو پھر سرِ رہگزر آ گیا
صبح فردا کو پھر دل ترسنے لگا، عمر رفتہ ترا اعتبار آ گیا

اس کے کانوں میں مغنی کی آواز اب تک گونج رہی تھی۔ اس کی مٹھیاں خود بخود سختی سے بند ہوئیں لب بھنچ گئے، آنکھوں میں سرخی اور وحشت اتر آئی۔

✿......✿......✿

''روشنی۔''

''جی۔'' اس نے لقمہ بنا کر اس کی جانب بڑھایا۔

''بس۔'' اس نے اس کا ہاتھ ایک طرف کر دیا'' میں کہہ رہا ہوں کہ شاید مجھے چیک اپ کے لیے باہر جانا پڑ جائے ڈاکٹر یونس سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' وہ کچھ دیر سوچ کر بولی'' میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''نہیں۔'' وہ بولا'' میرا مطلب ہے تمہاری طبیعت آج کل ویسے بھی ٹھیک نہیں رہتی، تمہارا جانا ضروری بھی نہیں اور ویسے بھی ہفتہ بھر کی بات ہے۔''

''اچھا، پھر مکرم علی کو ساتھ لے کر جائیں۔'' وہ پلیٹیں ٹرالی میں رکھنے لگی۔

''مکرم علی یہیں رہے گا تمہارے پاس۔''

''مجھے کیا کام ہے مکرم علی سے۔'' اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔'' آپ کو اس کی زیادہ ضرورت۔''

''جیسا میں کہوں، اسے مان جایا کرو روشنی۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی سختی در آئی۔

ضوفشاں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا پچھلے کئی دنوں سے وہ اسے کچھ بدلا بدلا سا محسوس کر رہی تھی۔ اس کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ الفاظ تنے تنے سے تھے لہجہ اکثر تلخ ہو جاتا تھا۔

''کتنے دنوں سے آپ نے کوئی کتاب بھی نہیں پڑھی۔'' وہ بات بدلنے کی خاطر آہستگی سے بولی۔

''اس طرح لیٹے لیٹے تلخ ہو جاتے ہیں آپ۔''

''تب ہی تو جانے کی ہامی بھر لی ہے میں نے۔'' اس نے تکیے سے سر ٹکا لیا'' ماحول بدلے گا تو طبیعت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔''

''اور مجھے ساتھ کیوں نہیں جانا چاہیے۔'' اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''کچھ دنوں کے لیے تم سے دور رہ کر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ ہولے سے بولا۔

''بیزار ہو گئے ہیں مجھ سے؟''

''بیوی سے کون بیزار نہیں ہوتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

وہ زور سے ہنس دی۔

''چلیں، درست ہے، اچھا ہے آپ کو بھی کچھ احساس ہو جائے ہماری اہمیت کا۔''

وہ شگفتگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر کب جانا ہے آپ نے؟''

''تم چاہتی ہو میں نہ جاؤں؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''ہائیں، میں نے کب یہ کہا۔'' وہ متعجب ہوئی'' میں تو چاہتی ہوں آپ جلد از جلد جائیں'' عالم شاہ نے غور سے اسے دیکھا۔

''میں چاہتی ہوں جلد سے جلدی سارے مراحل طے ہوں۔'' وہ چیزیں سمیٹنے کے دوران گفتگو کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھی۔

''مثلاً کون سے مراحل۔'' اس پر نگاہ جمائے جمائے وہ بولا تھا۔

''آپ کا چیک اپ، آپریشن اور صحت یابی۔'' وہ مسکرائی۔

وہ کچھ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا یہاں تک وہ ٹرالی کھینچتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی، نچلا ہونٹ دانتوں سے کچلتا ہوا وہ گہری سوچ میں تھا۔

✿.........✿.........✿

سنگی بنچ پر وہ دونوں پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔ گھٹنوں کو بازوؤں کے حصار میں لیے ٹھوڑی جمائے وہ فواروں سے پھوٹتے شفاف پانیوں کو

سنگ مرمر کی ٹائلوں پر سفید جھاگ کی صورت بکھرتے دیکھ رہی تھی۔

آرام کرسی پر نیم دراز سید عالم شاہ نے ڈوری کھینچی تو پردہ سمٹ گیا۔ نیچے پھیلے سرسبز لان کا منظر واضح ہو گیا۔ گہری سبز گھاس کے دوران کھلتے ہوئے لال رنگ کے لباس میں ملبوس اس کا وجود کسی پھول کی مانند خوبصورت اور تر و تازہ لگ رہا تھا سفید سنگی بنچ پر بیٹھی وہ اوپر سے یوں نظر آئی تھی جیسے ایک حسین رتھ پر ایک معصوم پری جلوہ گر ہو، وہ بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہونے والا شخص مکرم علی تھا۔

''سائیں، یاد کیا تھا آپ نے۔''

''کون؟'' وہ گہری محویت سے باہر آیا ''مکرم علی! آ گئے تم۔''

''جی سائیں حکم۔''

''مکرم، کل شام کی فلائٹ سے میں امریکا جا رہا ہوں۔ وہاں ڈاکٹروں کی ٹیم میرا چیک اپ کرے گی ڈاکٹر یونس میرے ساتھ ہوں گے۔''

''جی سائیں خدا آپ کو صحت دے۔''

''تمہاری بی بی صاحبہ یہاں اکیلی ہوں گی ان کا خیال رکھنا، تمہاری ذمے داری ہے۔''

''جان حاضر ہے سائیں۔'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکایا۔

عالم شاہ نے گردن موڑی اور ایک نظر نیچے دیکھا۔ وہ اب کھڑی ہو گئی تھی۔ ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

''مکرم علی۔'' اس کی آواز میں بے حد گہرا پن تھا۔''

''اس کے علاوہ بھی ایک کام ہے جو تمہارے سپرد ہے۔''

''حکم سائیں۔'' اس نے ایک نگاہ اپنے مالک کے بے حد تنے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

''تمہاری بی بی صاحبہ کہاں کہاں جاتی ہیں، کس کس سے ملتی ہیں۔ یہاں کون کون آتا ہے، اور وہ فون پر کس سے کیا باتیں کرتی ہیں، تمہیں ان تمام باتوں کا مکمل ریکارڈ رکھنا ہے مکرم علی۔''

''وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔

''سن رہے ہو مکرم؟''

''جی سائیں۔'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''اس طرح کہ ان کو رتی برابر شک نہ ہونے پائے کہ ان کی نگرانی ہو رہی ہے اور تمہارے لیے وہ ہر صورت قابل احترام اور قابل عزت رہیں گی خواہ تم انہیں کسی سے بھی ملتے ہوئے کچھ بھی کہتے ہوئے سنو۔''

''سائیں۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج تھا جیسے اپنی خوب صورت و خوب سیرت مالکن کے لیے ان الفاظ کا انتخاب اس کے لیے بہت ہی تکلیف دہ ہو۔

''جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے غور سے سن لو مکرم، یہ وہ معاملہ ہے جہاں تمہاری رتی برابر غفلت بھی قابل معافی نہ ہو گی، وہ جب فون پر گفتگو کریں تمہیں وہ گفتگو ریکارڈ کرنی ہے، یہاں جو شخص بھی آئے اور جہاں بھی بیٹھے، ان دونوں کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو تمہیں لفظ بہ لفظ مجھے بتانی ہے سمجھ رہے ہو۔''

''جی سائیں۔''

''میں ہفتہ، دس دن میں لوٹ آؤں گا مکرم خیال رکھنا تمہاری بی بی صاحبہ کو کوئی تکلیف نہ ہو، ان کی کہی ہر بات کو پورا کرنا۔''

''مکرم علی کو آپ کہیں غافل نہیں پائیں گے سائیں۔''

''ہوں اب تم جا سکتے ہو مکرم۔''

اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر ایک نگاہ شیشے کی دیوار کے پار ڈالی۔

''کبھی کبھی اپنی اپنی سوچی ہوئی بات کو کس سختی سے رد کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' کرسی کے ہتھے پر اس کے ہاتھ کی گرفت بڑھنے لگی ''خدا کرے کہ میں نے غلط سوچا ہو خدا کرے۔''

✿.....✿.....✿

اسے گئے ہوئے تین دن ہو گئے تھے

''پیر، منگل، بدھ۔'' بے خیالی میں وہ انگلیوں پر گن رہی تھی ''ایک، دو، تین اوں ہوں پیر کی صبح سے بدھ کی شام تین، تین دن بنتے ہیں۔''

بے کلی سے پہلو بدل کر وہ دور غروب ہوتے سورج کے دہکتے رنگوں کو آسمان پر بکھرتا دیکھنے لگی۔ انتظار کی اس کیفیت کی گہرائی میں کون سا جذبہ کارفرما تھا۔ وہ تعجب سے سوچنے دیکھنے لگی۔ کیا اس لیے کہ اس کے ساتھ مسلسل مصروف رہ کر اب اسے اس مصروفیت کی عادت ہو چکی تھی اور فارغ رہنے سے عجب بے چینی محسوس ہو رہی تھی یا اس لیے کہ ہاسٹل میں بھی روم میٹ کے کہیں چلے جانے سے ایک عجب خلا سا محسوس ہوتا ہے وہ تو پھر اس کا شوہر تھا......یا......

اس کی سوچ کی پرواز تھم گئی، اسے یوں لگا جیسے لحہ بھر کے لیے اس کے دل کی دھڑکن بھی تھم گئی ہو۔

''کیا میں چاہنے لگی ہوں اسے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے خود سے پوچھا تھا ''نہیں بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے روشنی، ایک دن تم ساری دنیا کو بھلا کر مجھے چاہو گی۔''

''میں تمہارے وجود کو اپنی محبتوں سے سینچ کر تمناؤں سے سنوار کر اس میں چاہتوں کے گل و گلزار کھلا دوں گا۔''

''یہ بات میں تمہارے لبوں سے سنوں گا لیکن دل اور دماغ کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ۔'' کیا اس کا دل بدل رہا تھا کیا اس کے دل کے بظاہر تمنا ہی نظر آنے والے صحرا میں چاہتوں کی پہلی کونپل پھوٹ نکلی تھی۔ کیا عالم شاہ نے اس تاج محل جیسے مقبرے میں داخل ہونے والا چور دروازہ ڈھونڈ نکالا ہے۔

فون کی بیل نے اسے اس کے خیالات کی دنیا سے باہر لا کھڑا تھا۔

''عالم ہوں گے۔''

اس نے سوچا پھر جلدی سے اٹھ کر فون تک آئی۔

''ہیلو۔'' ریسیور اٹھا کر اس نے بے تابی سے کہا تھا۔

''اجالا، میں آذر بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ۔'' اس کے لبوں سے گہرا سانس برآمد ہوا۔

''ہاں آذر کیسے ہو؟''

''کیا کر رہی ہو؟''

''فارغ ہوں۔'' وہ دھیرے سے ہنسی ''میرے پاس کرنے کے لیے ہے ہی کیا۔''

''ہاں بھئی، نوکروں کی فوج حاضر رہتی ہے تمہارا ہر کام پلک جھپکتے میں نبٹانے کے لیے...... ویسے اگر اتنی ہی فالتو ہو تو ساری صلاحتیں سوچنے پر لگا دو۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسی ''مثلاً کیا سوچوں۔''

''مستقبل کے بارے میں اجالا'' اس کی آواز میں نرمی در آئی۔ ''اجالا پلیز سنجیدگی سے جلد کوئی فیصلہ کرلو۔''

''کیسا فیصلہ۔'' وہ بے نیاز بنی ''میں نے اس روز تمہیں ہر قسم کے فیصلوں سے آگاہ کر دیا تھا۔''

''تو تم اپنے فیصلوں پر قائم ہو۔''

''بالکل۔''

''سوچ لو اجالا تمہاری ساری زندگی کا معاملہ ہے۔''

''آذر ساری زندگی کی بات جب ہم کرتے ہیں ناں تو ہمیں خبر نہیں ہوتی کہ ہم سالوں اور مہینوں کی بات کر رہے ہیں یا محض چند لمحوں کی۔''

''زندگی چند لمحوں کی ہی سہی، اسے غیر منصفانہ فیصلوں کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہیے ظلم کے خلاف احتجاج اور بغاوت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔''

''آذر'' وہ عاجزی سے بولی۔ ''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب ہمارے درمیان اس موضوع پر مزید بات نہ ہو۔''

''اجالا، اجالا تم نہیں جان سکتیں۔ میں امید اور مایوسی کے کس برزخ میں معلق ہوں۔ آج سے چند سال پہلے جب تم نے مجھے جدائی کا فیصلہ سنایا تھا تو میں نے بلا چون و چرا اسے تسلیم کر لیا تھا۔ احتجاج کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکالا کیونکہ وہ تمہارا فیصلہ تھا لیکن آج جب کہ مجھے یہ علم ہو چکا ہے کہ میری عمر بھر کی خوشیوں کو بیک جنبش قلم پامال کر دینے والا وہ فیصلہ کسی اور کے سفاک قلم کی نوک سے تحریر ہوا تھا تو اب اس سزا کو بھگتتے چلے جانا میرے لیے ناممکن ہے میں اب احتجاج کر سکتا ہوں، بغاوت کر سکتا ہوں، لیکن تم۔'' وہ تھک کر بولا۔ ''تم میرا ساتھ دینے سے کیوں انکار کر رہی ہو، مجھے سچ سچ بتاؤ اجالا کیا آج بھی تمہاری زبان پر زبردستی کے پہرے ہیں؟''

''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ ''وہ فیصلہ بے شک میرا اپنا نہ تھا، لیکن یہ فیصلہ واقعی میرا اپنا ہے۔''

''میں ایک بار پھر تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟ اس اصرار سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا آذر۔''

''پھر بھی اجالا...... پھر بھی...... پلیز...... بس ایک بار۔'' وہ اتنی منت سے بول رہا تھا کہ اس سے انکار ممکن نہ رہا۔

''اچھا ٹھیک ہے'' وہ کچھ سوچ کر بولی ''میں کل آؤں گی۔''

''تھینک یو، تھینک یو، سو مچ۔'' وہ ممنونیت سے بولا۔

اس نے ریسیور رکھا اور بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی آرام کرسی پر آ بیٹھی۔ ذرا سی گردن موڑ کر اس نے دیکھا ریک پر اس کی پسند کی کتابیں ترتیب سے سجی ہوئی تھیں۔ ہاتھی دانت سے بنا ہوا سگریٹ کیس، خوبصورت لائٹر، کرسٹل ایش ٹرے۔ ہر ہر شے کی نفاست اور خوبصورتی میں اسے سید عالم شاہ چھپا ہوا لگنے لگا۔

اسے خود پر حیرت ہونے لگی۔ وہ کون سے چور دریچے تھے جو اس کی ذات میں یوں چپکے سے بنا کسی آہٹ کے کھلے تھے کہ اسے خود کو علم نہ ہو سکا تھا۔

کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ نیم دراز ہو گئی، آنکھیں بند کر کے اپنے اندر ہر سو بکھرتے رنگوں کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ گہرا سانس لے کر اسے احساس ہوا کہ کمرے کے اس مخصوص حصے میں عالم شاہ کی مہک بہت واضح تھی۔ ہر چند کہ وہ کبھی پرفیوم استعمال نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی مہک کا ایک خاص احساس تھا جو اسے محسوس ہوا کرتا تھا نجانے یہ اس کے صابن کی خوشبو تھی، شیونگ کریم، سگریٹ کی یا ان سب چیزوں کی مشترکہ خوشبو تھی۔ بہر حال اس مہک کے ساتھ عالم شاہ کا خیال وابستہ تھا۔ اور یہ مہک اس گھر کے ہر در و دیوار سے پھوٹتی تھی۔

اس مہک کے گھر جانے سے اس کے اندر مچلتی بے چینیوں کو قرار آنے لگا۔ آنکھیں بند کیے کیے وہ نیند کی گہری اور پرسکون وادیوں میں اتر گئی۔

''مکرم علی میں آذر آپا کی طرف جا رہی ہوں۔'' سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ پیچھے پیچھے آتے مکرم علی کو بتا رہی تھی ''تمہارے شاہ صاحب کا فون آئے تو ان سے کہنا مجھے وہاں رنگ کریں میں بات کروں گی ان سے۔''

''جی بی بی صاحبہ۔'' وہ ادب سے بولا۔

''انہوں نے فون کیوں نہیں کیا اب تک۔'' اس کے انداز میں عجب جھلاہٹ اتر آئی تھی ''کہیں ایسا تو نہیں میں سو رہی ہوں اور انہوں نے جگانے سے منع کر دیا ہو۔''

''نہیں بی بی صاحبہ ان کا کوئی فون آیا ہی نہیں۔''

''خیر، میں جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی، تم انہیں میرا مسیج بہرحال دینا۔''

''جی ہاں۔''

اس نے آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا اور سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

پھوپھی اماں کے گھر کا منظر اس کے لیے غیر متوقع تھا وہاں سب جمع تھے۔ اماں، ابا، پھوپھا، ابا عاصم بھائی ہر کوئی گھر پر ہی تھا۔

''السلام علیکم۔'' اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

''یہاں تو رونق بکھری ہوئی ہے۔''

''وعلیکم السلام۔'' سب نے مشترکہ جواب دیا۔

''میری بچی۔'' اماں نے جس طرح سے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا وہ مشکوک ہوگئی۔

''کیا ہوا اماں خیریت۔''

''ضوفی، تو اتنی بہادر ہے میں تو تجھے بہت بزدل، بہت کمزور سمجھتی تھی۔ تیری ماں ہو کر بھی میں تجھے پہچان نہ سکی۔'' ان کی پلکیں نم ہوگئیں۔

اس نے بے اختیار آذر کو دیکھا تھا۔

''اسے مت گھورو۔'' مہ جبیں مسکرائی ''سب کچھ میرا کیا دھرا ہے۔''

''لیکن آپا۔'' وہ الجھی۔

''خاموش رہو۔'' اس نے اسے جھڑک دیا ''بہت عقلمند سمجھتی ہو تم خود کو۔ اکیلے اکیلے سارے فیصلے کر لیے ایک عذاب کر لی اپنی زندگی بھی اور دوسروں کی بھی۔ ارے کسی سے کچھ پھوٹا تو ہوتا۔''

''ضوفی، ہم سب مر گئے تھے کیا؟'' اب عاصم بھائی کی باری تھی ''یا چوڑیاں پہنے بیٹھے تھے تم نے کسی کو اس قابل نہیں گردانا کہ کچھ بتا سکو، کسی کندھے کو اتنا اہل نہیں جانا کہ وہ تمہارا بوجھ بانٹ سکے۔''

''کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو۔'' وہ بے بسی سے بولی ''آخر ان گڑے مردوں کو اکھاڑنے سے کیا حاصل۔''

''میں تجھے اس زنداں میں یوں گھٹ گھٹ کر مرتے نہیں دیکھ سکتی میری بچی۔'' اماں تڑپ کر بولیں ''کیسی خوشیاں خاک میں ملائی ہیں اس فرعون زادے نے سب کی۔''

''اماں پلیز۔'' اس نے ان کا ہاتھ تھام لیے۔ ''یقین کریں اماں میں خوش ہوں۔''

''کیا خاص یقین کروں، یوں اٹھی تھی تیری ڈولی جیسے جنازہ اٹھا ہو۔ کیسی لاش کی طرح خاموش تھی تو۔ کتنی بار مہ جبیں نے مجھ سے کہا کہ اماں ضوفی خوش نہیں ہے، یہ کیسی شادی ہوئی ہے اس کی، اور میں رد کرتی اس کی بات کو، میں کہتی تھی کہ اس نے خود یہ فیصلہ کیا ہے۔ وہ بھلا ناخوش کیوں

ہونے لگی۔ مجھے معاف کر دے میری بچی میں کیا جانتی تھی تو نے کیسا قربان کر ڈالا خود کو۔''

''اور اب بھی تم مصر ہو کہ سب صحیح ہے۔'' مہ جبیں نے اسے گھورا'' ابھی بھی تمہیں یہ خوف دامن گیر ہے کہ کہیں تمہارا فیصلہ ہم سب کی خوشیاں خاک میں نہ ملا دے۔ ضوفی کیا تمہیں خدا پر اعتبار نہیں؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپا آپ؟''

''بس تو پھر، کرو تسلیم کہ تم ناخوش ہو، مان لو کہ جو کچھ ہوا وہ قطعاً غلط تھا۔''

''اچھا فرض کریں میں مان لوں پھر کیا ہوگا؟'' اس نے چڑ کر پوچھا۔

''ہم مقدمہ لڑیں گے تمہارا۔ چھٹکارا دلائیں گے تمہیں اس قید خانے سے، ابھی دنیا میں اتنا اندھیر نہیں پھیلا ضوفی، اور آذر کو دیکھو، آج بھی تمہارا منتظر ہے۔ اپنانے کو تیار ہے تمہیں۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''ڈرو مت ضوفی۔'' وہ اس کے پاس آ بیٹھی'' اس بار فیصلہ ہم سب کو مل کر، کر لینے دو ہم اتنے امیر اور بااثر نہ سہی لیکن پھر بھی آخری دم تک لڑ سکتے ہیں۔ کیا تمہیں یقین نہیں کہ ہم سب کو تم کتنی عزیز ہو؟''

''یار کزن۔'' وہ بھی اس کے پاس آ بیٹھا...... ''ایک بار تصور کرو کہ تم وہی پہلے والی ضوفشاں ہو، میں وہی پہلے والا آذر ہوں، اور ہمارے درمیان کوئی عالم شاہ نہیں، دیکھو کزن، غور کرو کیا یہ تصور تمہیں مسرت کا بے پایاں احساس نہیں بخشتا؟''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا جو کچھ وہ کہہ رہا تھا ویسا ممکن تھا؟ کیا زندگی کی کتاب سے اپنے ناپسند صفحات کو پھاڑ کر پھینک دینا اتنا ہی آسان تھا، کیا وہ پہلے والی ضوفشاں بن سکتی تھی۔

''مجھے چھوڑ کر چلی تو نہ جاؤ گی روشنی۔''

کسی کی التجائیہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

تقدیر کے بے رحم ہاتھوں نے اسے اجالا سے روشنی بنا دیا تھا۔ ایسا ممکن تھا سو ہو گیا لیکن کیا وہ روشنی سے اجالا بن سکتی تھی۔

''کیا ایسا ممکن ہے؟''

''اس نے بڑبڑا کر خود سے پوچھا تھا، آذر سے، یا اپنی تقدیر سے کوئی نہ سمجھ پایا۔

☼......☼......☼

آرام دہ، نرم بستر پر وہ گھٹنوں کو بازوؤں کے حصار میں لیے بیٹھی تھی۔ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمائے وہ گہری سوچ میں تھی کارڈلیس اس کے پاس تکیہ پر رکھا تھا۔

''یار کزن! ایک بار تصور کرو کہ تم وہی پہلے والی ضوفشاں ہو، میں وہی پہلے والا آذر ہوں اور ہمارے درمیان کوئی عالم شاہ نہیں۔ دیکھو غور کرو کیا یہ تصور تمہیں بے پایاں مسرت کا احساس نہیں بخشتا۔''

''اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور گھڑی پر نگاہ ڈالی، رات کے ڈھائی بج رہے تھے اور نیند کی اس کی آنکھوں میں ہلکی سی پرچھائیں بھی نہ اتری تھی۔

''آخر انہوں نے فون کیوں نہیں کیا۔'' اس نے بے چینی سے سوچا'' کتنا بدل گئے ہیں عالم، نہ وہ پہلی سی بے قراریاں، نہ وہ پذیرائیاں۔''

''کچھ دنوں کے لیے تم سے دور رہ کر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''بیوی سے کون بیزار نہیں ہوتا۔''

''اتنے بیزار ہوگئے کہ ایک فون کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔

''کتنا اچھا طریقہ نکالا مجھے تنگ کرنے کا، میری بے رخی کا بدلہ چکانے کا، پہلے اتنی محبتیں دیں کہ میرا دامن چھوٹا پڑنے لگا۔ پھر ان محبتوں اور چاہتوں کا خوگر بنانے کے خود پر بے رخی کی تہہ جمالی، واہ، سید عالم شاہ صاحب، بڑے کائیاں ہیں آپ تو۔'' وہ جھنجلائی۔

''کہاں میرے بنا ایک پل گزارنا قیامت تھا اور آج چھٹا روز ہے، مڑ کر خبر تک نہیں لی کہ جیتی بھی ہو کہ نہیں۔''

''آذر کو دیکھو۔'' اسے مہ جبیں کی بات یاد آئی۔

''آج بھی منتظر ہے تمہارا۔''

''میں کیا کروں آپا۔'' اس نے گہرا سانس لیا ''یہ دل کسی اور کا منتظر ہو گیا ہے۔''

✿.....✿.....✿

پورے بارہ دن بعد وہ لوٹ آیا تھا۔ مکرم علی نے سہارا دے کر بٹھایا ضوفشاں غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ مزید کمزور ہو گیا تھا۔ چہرے پر پیلاہٹیں واضح ہوگئی تھیں۔ لب سیاہ ہو رہے تھے سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ بہت خاموش، بہت شکستہ لگ رہا تھا۔

''عالم۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''جیسا نظر آتا ہوں۔'' وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا ''تم کیسی ہو جان عالم۔''

''میں......میں سخت خفا ہوں آپ سے۔''

''اچھا!'' وہ دھیرے سے ہنسا ''میں تو سمجھا تھا تم خوش ہوگی۔ خیر بتاؤ خفا کیوں ہو؟''

''آپ نے ایک فون کرنے کی زحمت تک نہیں کی اتنے بیزار ہوگئے مجھ سے۔''

''تم فون کر لیتیں۔ مکرم علی سے کہتیں، یہ تمہیں نمبر ملوا دیتا۔''

''جی! جانتی تھی لیکن میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ آپ نے فون کیوں نہیں کیا؟''

''کیا کرتی رہیں اتنے دن۔'' اس نے بات بدلی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے ایک خفگی بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''کہاں کہاں گئیں۔'' اس نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

''کہاں جانا تھا۔'' اس نے سر ہلایا ''کہیں نہیں گئی اچھا یہ بتائیں ڈاکٹر نے کیا کہا؟''

''ڈاکٹر کا ایک ہی تو کام ہے، ہمت بندھانا تسلیاں دینا، لیکن کچھ باتیں انسان کے دل میں خود بخود اترتی ہیں۔ میرے دل میں یہ بات قطعاً واضح ہے کہ اب میں کبھی ٹھیک نہیں ہو پاؤں گا۔''

''عالم۔'' وہ بجھ کر رہ گئی۔

''ایک ماہ بعد میرا آپریشن ہے فیصلہ کن آپریشن لیکن تم دیکھنا روشنی۔''

''خدا کے لیے خاموش رہیں۔'' اس نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ دی ''انشاء اللہ وہ آپریشن ضرور کامیاب ہوگا۔ آخر آپ اتنے ناامید کیوں ہیں؟''

''وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ ایک بے حد زخمی سی مسکراہٹ جو ضوفشاں کا دل چیرتی چلی گئی۔

''روشنی تم نہیں جانتیں میں نے بڑے گناہوں بھری زندگی گزاری ہے اور گناہوں کا کفارہ تو ہر صورت ہوتا ہے۔''

''ایسی ناامیدی کی باتیں سوچ سوچ کر کیا حالت بنالی ہے آپ نے اپنی۔''

''میں تھک گیا ہوں روشنی، بہت تھک گیا ہوں، میری سوچوں کی ایک سمت میں رواں رہنے دو، ان کے آگے ان تسلیوں، ہمدردیوں کے بند نہ لگاؤ، اس طرح میری تھکن بڑھتی ہے۔ مجھے سوچوں کے اس بہاؤ کے ساتھ بہتا رہنے دو، اس طرح ٹوٹ پھوٹ تو ہوتی ہے، ہاں تھکن نہیں ہوتی''۔

وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ عالم شاہ جو اس کے سامنے تھا کتنا مختلف تھا۔

رات اتری تو وہ نیچے لان میں آبیٹھی۔ عجب سناٹے تھے جو وجود میں دھیرے دھیرے اتر رہے تھے۔

عالم شاہ کی بے بسی، اس کی ناامیدیاں اس کے دل کو مسلسل نشتر لگا رہی تھیں۔

گر مرا حرف تسلی وہ دوا ہو جس سے

جی اٹھے پھر ترا اجڑا ہوا بے نور دماغ

تیری پیشانی سے ڈھل جائیں یہ تذلیل کے داغ

تیری بیمار جوانی کو شفا ہو جائے

''بی بی جی۔'' اس کی محویت کو حسینہ نے توڑا۔

''آں...... ہاں کہو۔'' اس نے پلکوں سے نمی صاف کی۔

''آذر صاحب کا فون ہے۔''

ایک گہرا سانس بھر کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی آہستہ روی سے چلتی ہوئی اندر تک پہنچی۔

''ہیلو آذر۔'' اس نے ریسیور اٹھایا۔

''اجالا کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''اجالا، میں نے بڑا انتظار کیا تمہارا لیکن کوئی جواب نہ ملا شاید میری زندگی میں تمہارے ساتھ کی ایک سکون بھری شام بھی نہیں ہے۔'' وہ مایوس مایوس سا بول رہا تھا ''میں واپس جا رہا ہوں اجالا۔''

''واپس۔''

''ہاں، بس چند راہیں ہی ایسی ہیں جنہیں کھلا پاتا ہوں، دس دن بعد فلائٹ ہے میری۔''

''بڑی اچھی بات ہوتی اگر تم پھوپھی اماں کی خواہش پوری کر دیتے۔''

''اس سے زیادہ اچھی بات یہ ہوتی کہ تم بہت سے لوگوں کی خواہشوں کا احترام کر لیتیں۔''

''آذر......! جہاں تم دروازہ سمجھتے ہو وہاں درحقیقت کوئی دروازہ ہے ہی نہیں، ایک دیوار ہے مضبوط اونچی دیوار، یہ انتظار لاحاصل ہے، ہاں اگر مجھے کچھ سمجھتے ہو تو میری بات مانو اور......''

''خدا کے لیے اجالا۔'' اس نے بات کاٹی ''مجھ سے کچھ ایسا مت کہنا جسے پورا کرنا میرے لیے ناممکن ہو۔''

''یہ ناممکن کب ہے آذر۔'' وہ اداسی سے ہنسی۔

''جہاں دیوار ہے وہاں تو دروازہ سمجھتے ہو اور جہاں دروازہ ہے وہاں دیوار، نغمانہ اچھی لڑکی ہے۔''

''کس قدر سنگدل ہو۔'' وہ ذرا خفگی سے بولا۔

''بے وقوف تو میرا دل ہے جو سر پھوڑنے کے لیے بھی تمہارا ہی آستاں مانگتا ہے۔''

''خدا کے لیے آذر میں شادی شدہ عورت ہوں مجھ سے ایسی باتیں کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔'' وہ قدرے جھلا کر بے بسی سے بولی۔

''اجالا، ایک بار، ایک بار اتنا بتا دو کیا وہ محبت جو کبھی تم نے مجھ سے کی تھی، کیا وہ محبت مر گئی ہے؟''

وہ بڑی دیر کے لیے خاموش رہ گئی۔

''نہیں۔'' پھر وہ بولی ''وہ محبت ایک خوبصورت شفاف ندی تھی۔ جواب بھی وہیں بہتی ہے۔ لیکن فرق اتنا ہوا ہے کہ اس کا پانی آگے جا کر ایک بڑے سمندر میں مل گیا ہے خدا تمہارا حافظ ہو، جہاں رہو خوش رہو۔''

ریسیور رکھ کر وہ مڑ گئی۔

✿.....✿.....✿

''مکرم علی'' وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے مکرم علی اسے زندگی اور موت سے کسی ایک شے کا انتخاب کرنے کو کہنے لگا تھا۔

''کہو، جلد کہو'' وہ بے تابی سے لبوں پر زبان پھیر کر بولا۔

''شاہ صاحب، یہ ہے وہ کیسٹ۔'' اس نے جیب سے کیسٹ نکال کر اس کی سمت بڑھا دی۔

''آپ کے جانے کے بعد بی بی صاحب نے جو گفتگو فون پر کی وہ سب اس ٹیپ میں ہے۔ یہاں ان سے ملنے کوئی نہیں آیا البتہ وہ ایک بار اپنی بہن کے گھر گئی تھیں۔''

''ٹھیک ہے، کیسٹ پلیئر مجھے یہاں لا دو اور تم جاؤ۔''

''جی۔'' اس نے سر ہلایا۔

کچن میں اپنی نگرانی میں اس کے لیے سوپ اور کھانا تیار کرا کر جب وہ اوپر کمرے میں آئی تو وہ پتھر کے کسی بت کی طرح بے حس وحرکت بیٹھا تھا۔

''عالم۔'' وہ پریشانی سے اس کے نزدیک آئی۔ ''عالم طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔''

اس نے اپنی ہتھیلی اس کی پیشانی پر رکھی۔

''روشنی۔'' اس کا ہاتھ تھام کر وہ بھیگی آواز میں بولا تھا۔

''جی کہیے کیا ہوا ہے۔ عالم۔''

''روشنی۔'' اس نے اس کی ہتھیلی پر اپنے لب رکھ دیئے ''روشنی مجھے معاف کر دو یا بے شک سزا سنا دو، میں مجرم ہوں تمہارا، عالم شاہ خود کو کٹہرے میں کھڑا کرتا ہے۔ تم اسے سزا سناؤ۔''

''کیا ہو گیا ہے عالم۔'' وہ حد درجہ پریشان ہو گئی ''کچھ بتائیں تو سہی۔''

''عالم شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ بھی بے تابی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی سیاہ بھنورا آنکھوں میں جانے کس احساس سے نمی اتری ہوئی تھی۔ جن آنکھوں میں رنگ و بو کا ناز و غرور کا ایک طوفان بپا رہتا تھا آج ضوفشاں کو وہ آنکھیں بالکل خالی اور ویران نظر آئیں۔ وہ آنکھیں جو کبھی ایک شکوہ عالیشان قلعہ کی طرح تھیں آج وہی آنکھیں اسے کھنڈرات کا سلسلہ نظر آئیں۔

''روشنی۔'' اس نے ننھا سا کیسٹ پلیئر اس کی جانب بڑھا دیا۔

''کیا ہے یہ؟'' وہ تعجب سے بولی۔

عالم شاہ نے اسے پلے کر دیا۔

چند لمحے سوں سوں سنائی دینے کے بعد کچھ واضح الفاظ سنائی دینے لگے۔

''مجھے یہ علم ہو چکا ہے کہ میری عمر بھر کی خوشیوں کو بیک جنبش قلم، پامال کر دینے کا وہ فیصلہ کسی اور کے سفارک قلم کی نوٹ سے تحریر ہوا تھا۔''
یہ آواز اور یہ الفاظ وہ بخوبی پہچان سکتی تھی۔
''اب اس سزا کو بھگتتے چلے جانا میرے لیے ناممکن ہے، میں اب احتجاج کر سکتا ہوں بغاوت کر سکتا ہوں، لیکن تم! تم میرا ساتھ دینے سے کیوں انکار کر رہی ہو؟ مجھے سچ سچ بتاؤ اجالا، کیا آج بھی تمہاری زبان پر زبردستی کے پہرے ہیں۔''
''نہیں۔'' اگلی آواز اس کی اپنی تھی ''وہ فیصلہ بے شک میرا نہیں تھا لیکن یہ فیصلہ میرا اپنا ہے۔''
وہ بے یقینی اور شاک کی حالت میں بیٹھی رہ گئی۔ یہ جو کچھ بھی تھا اسے تسلیم کرنا اس کے لیے بے حد مشکل امر تھا۔ سید عالم شاہ نے اس کی ذات پر شکوک و شبہات کی جو کیچڑ اچھالی تھی اسے اپنے وجود پر ہر جگہ اس کی چھینٹیں دکھائی دے رہی تھی۔
''خدا کے لیے آذر میں شادی شدہ عورت ہوں مجھ سے ایسی باتیں کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔'' گفتگو کا سلسلہ طویل تھا جس کے دوران وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرائے اپنی اپنی جگہ پتھر کے بت بنے بیٹھے رہے۔ ندامت، دکھ، تاسف اور شرمندگی کا سمندر تھا جو عالم شاہ پر سے گزر رہا تھا۔ اور ذلت اور غم کا طوفان تھا جو ضوفشاں کے اندر برپا تھا۔
کیسٹ ختم ہو چکنے کے بعد جب کیسٹ پلیئر خود آف ہو گیا تو وہ دونوں اپنے اپنے حواسوں میں آ گئے۔
''کچھ کہو گی نہیں روشنی۔'' وہ سر جھکا کر بولا ''کوئی سزا، کوئی انتہائی سخت سزا سناد و روشنی، عالم شاہ اس وقت سولی پر چڑھ جانے کے لیے بھی تیار ہے۔''
اس نے بہتے ہوئے آنسو پونچھے اور خاموش رہی۔
''تمہاری جیسی عظیم، باوقار عورت ملی عالم شاہ کو، کس قدر خوش قسمتی تھی میری اور کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ میں اس میں اپنی ماں جیسی عورت کو ڈھونڈتا رہا۔ آہ سید عالم شاہ کس قدر حرماں نصیب ہو تم! اپنے حصے کی خوش نصیبی کو خود ہی اپنے اوپر حرام کر لیا لیکن ٹھیک ہی تو ہے، سب کچھ درست ہی تو ہوا، ایک بنے بنائے نظام کے تحت جسے جھٹلانا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں میں نے کہا تھا ناں روشنی یہ مکافات عمل ہے، خوشیاں بانٹو تو خوشی، گلاب بوؤ تو گلاب، دکھ پھیلاؤ تو دکھ، کانٹے لگاؤ تو کانٹے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ خوشیاں چھین کر، دکھ پھیلا کر، ببول بو کر عالم شاہ خوش رہ پاتا۔ ناممکن تھا روشنی جو کچھ میں نے سب کے ساتھ کیا آج اپنے دامن میں اسی کا ثمر پاتا ہوں دوسروں کی نیندیں اجاڑی تھیں میں نے، تمہاری قسم روشنی سکون کی نیند عالم شاہ پر بھی حرام رہی۔ دوسروں کو محروم تمنا کیا تو خود نارسائیوں کے عذاب بھگتے بے شک، یہ بے وفائیوں کا الزام تمہارے لیے کس قدر سوہان روح ہو گا روشنی، میں سمجھ سکتا ہوں، لیکن یقین جانو عالم شاہ کے اپنے لیے یہ بات، یہ سوچ زہر میں بجھا وہ تیر تھی جو پچھلے کئی دنوں سے دل میں اس طرح پیوست تھا کہ سانس لینا مشکل تھا'' وہ خاموش بیٹھی روتی رہی۔ روتی رہی پھر اٹھی اور باہر نکل گئی۔

✿......✿......✿

''آخر آپ مجھے بھیجنے پر کیوں مصر ہیں جب کہ میں ہرگز جانا نہیں چاہتی۔'' اس نے جھلا کر پوچھا تھا۔
وہ اداسی سے مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں صدیوں کی تھکن تھی۔
''جانا تو میں بھی نہیں چاہتا روشنی۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ''تمہیں چھوڑ کر۔''
''جی؟ کیا کہا آپ نے؟''
''روشنی؟ تم بہت اچھی بیوی ہو، میری ہر بات مانتی ہو پچھلے دنوں جو واقعہ ہماری زندگی میں رونما ہوا میں اس پر پریشان ہوں، نادم ہوں ایسے میں تم اپنے میکے نہ جا کر مجھے کوئی خوشی نہیں دے رہیں بلکہ میں ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید شرمسار، مزید پشیمان ہوتا جا رہا ہوں، اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں کچھ دیر کے لیے جا کر مل آؤ سب سے تمہاری آپا دو مرتبہ فون کر چکی ہیں۔ کیا میں اسے اپنے لیے سزا سمجھوں روشنی، جو تم خود کو یوں مقید

کر کے دے رہی ہو۔''

''عالم۔'' وہ بے بسی سے بولی ''نجانے آپ کو خوشی کس بات میں ہے، میں آپ کو جتنا خوش رکھنا چاہتی ہوں آپ اتنے ہی اداس ہوتے چلے جاتے ہیں ٹھیک ہے، میں آج جاؤں گی آپا کی طرف تسلی ہو جائے گی آپ کی؟''

وہ مسکرایا۔

وہ بڑی بے دلی سے تیار ہو کر وہاں آئی تھی۔ اور اب تو اس کا دل کسی شے میں نہیں لگتا تھا۔

کس قدر خوش تھی وہ محض چند ہی روز پہلے کتنی مطمئن ہو گئی تھی۔ اور اس خوشی، اس اطمینان تک پہنچنے کے لیے اسے لگتا تھا اس نے صدیوں تپتے صحراؤں کا سفر کیا ہے سید عالم شاہ نے ایک بار پھر خوشیاں اس کی دسترس سے دور کر دی تھیں۔

اب وہ اس کے اداس ہونے پر اداس رہتی تھی۔ وہ آنسو جنہیں وہ بڑی خاموشی سے اپنے اندر اتار لیتا تھا، ضوفشاں کی آنکھوں میں چلے آتے تھے۔ اس نے آج تک عالم شاہ کی وارفتگیاں ہی دیکھی تھیں۔ اس کی بے پناہ محبتوں کی عادی ہو چلی تھی وہ اور اب اس موڑ پر لا کر وہ اس سے دور دور کھنچا رہنے لگا، اسے لگتا تھا بس چند دنوں میں وہ پاگل ہو جائے گی۔

''اجالا اس قدر خاموش کیوں ہو۔''

مہ جبیں کھانا پکانے کے لیے اٹھ گئی تو وہ حارث سے کھیلتا ہوا اسے پوچھنے لگا۔

اس نے ایک سرد آہ بھری اور اس کی جانب دیکھا۔

''سنا تھا آذر محبت کا کاٹا سوتے میں ہنستا ہے اور جاگتے میں روتا ہے۔ یہ محبتیں زندگی میں پائی جانے والی خوشیوں کی قاتل ہیں۔ اب مجھے لگتا ہے کہ مرد محض محبت کا دعویٰ کرتا ہے، بے پناہ محبت کا، پاگل پن کی حد تک محبت کا عشق کا، جنون کا اور قتل ہوتا ہے، عورت کی خوشیوں کا۔ سوتے میں ہنستی ہے تو عورت، جاگتے میں روتی ہے تو عورت، کتنا ظلم ہے ناں آذر، محبتوں کا بوجھ اٹھاؤ، احسان سے جھک بھی جاؤ اور اسکے کفارے بھی ادا کرو۔''

''وہ ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔

''اجالا، بڑی گہرائیاں اتر آئی ہیں تمہاری ذات میں، سبب پوچھ سکتا ہوں۔''

وہ سر جھکا کر زخمی ہنسی ہنس دی۔

''یہ جو حادثے ہوتے ہیں ناں لوگ ان سے بہت ڈرتے، بہت گھبراتے ہیں آذر، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ حادثے بڑے رہنما ہوتے ہیں۔ انسان کے شعور کو آگہی و ادراک کی ایسی منزلوں تک لے جاتے ہیں جہاں پہنچنا عام حالات میں انسان کے بس میں نہیں ہوتا لیکن میں کہتی ہوں ان منزلوں تک پہنچ کر بھی کیا حاصل جہاں سفر مکمل ہو جائے اور انسان کی ذات ادھوری ہو جائے۔''

آذر نے حیرت و تعجب سے اسے دیکھا لحہ بھر پہلے اپنی ہی کہی بات کی وہ خود نفی کر رہی تھی۔

''اجالا کیا ہم اچھے دوست بھی نہیں رہے؟'' وہ ہمدردی سے بولا ''یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم پریشان ہو، لیکن کیا میں یہ نہیں جان سکتا کہ تم پریشان کیوں ہو۔''

''آج کل مجھے محض ایک سوچ پریشان کرتی ہے آذر وہ یہ کہ کیا کوئی ایسا اسم ہے جسے پڑھنے سے انسان اپنی تقدیر کے چکر سے باہر آ سکے۔ ایک سیدھی رواں متوازن راہ پر سکون و اطمینان سے چل سکے۔ مجھے محض اس راہ کی آرزو ہے۔'' ٹھنڈی آہ بھر کر وہ خاموش ہو گئی۔

وہ اسے بے چارگی سے تکتا رہا۔ اسے یقین تھا اس کی ذہنی کیفیت نارمل نہیں ہے۔

✿......✿......✿

مکرم علی نے ہاتھ میں پکڑے چابیوں کے گچھے کی جانب دیکھا پھر بستر پر دراز اپنے مالک کے ستے ہوئے پیلے چہرے کی طرف نظر کی۔

''یہ الماری کھولو مکرم علی اور تیسری چھوٹی چابی سے اسکا سیف کھولو، سیف میں ایک چھوٹی دراز ہے۔ اس میں ایک شیشی ہے۔ نکال لاؤ۔''

مکرم علی نے چند لمحوں میں حکم کی تعمیل کر ڈالی۔

''لاؤ اسے مجھے دے دو۔''

''سائیں۔'' اس کا دل دھڑکا ''اس میں کیا ہے سائیں؟''

''آبِ حیات ہے مکرم علی۔'' وہ بمشکل مسکرایا۔

''اور کچھ مخصوص حالات کے لیے اسے پاس رکھنا ہمارے خاندان کی روایت، لاؤ اسے مجھے دے دو۔''

''مکرم علی ادھر بیٹھو میرے پاس۔'' اس نے اشارہ کیا۔

''بندہ یہ گستاخی کیسے کر سکتا ہے، سائیں۔''

''میں تم سے کہہ رہا ہوں مکرم علی ادھر آؤ بیٹھو میرے پاس شاباش آؤ۔''

''وہ جھجکتا ہوا اس کے قریب مسہری کے کونے پر ٹک گیا۔

''مکرم...... تم میرے دوست ہو، ایسا دوست جو قسمت سے ملتا ہے۔''

''بندہ حکم کا غلام ہے سائیں آپ حکم کریں۔''

''مکرم، تم بچپن سے لے کر اب تک ہر قدم پر میرے ساتھ رہے ہو، مجھے یاد نہیں پڑتا تم نے کبھی میرے کسی حکم کی تعمیل کرنے میں غفلت یا کوتاہی برتی ہو، اس لیے مجھے یقین ہے کہ آج جو چند حکم میں تمہیں دے رہا ہوں تم عمر بھر ان کی تعمیل کرتے رہو گے۔''

''آپ، کہیں جا رہے ہیں سائیں؟''

''ہاں مکرم، آج جس مقام پر میں کھڑا ہوں وہاں سے آگے محض ایک راہ جاتی ہے۔ میری مجبوری ہے کہ مجھے اسی راہ پر چلنا ہے۔ سنو مکرم علی غور سے سن لو، میرے جانے کے بعد تمہاری بی بی صاحبہ کی تمہارے لیے وہی اہمیت وہی جگہ ہوگی۔ جو میری ہے، ان کا ہر حکم ماننا تمہارا فرض ہوگا۔ انہیں ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''سائیں۔'' مکرم علی کی آواز لرزنے لگی۔ ''آپ، آپ کہیں جا رہے ہیں سائیں؟''

''جہاں بڑا سکون، بڑی راحتیں ہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا ''اور کیا خبر ہیں بھی کہ نہیں۔''

''نہیں سائیں، نہیں۔'' وہ بے یقین ہو رہا تھا۔

''مکرم، اسی بات پر تو ناز ہے مجھے کہ کبھی تمہارے لبوں سے لفظ ''نہیں'' نہیں سنا اور آج، آج تو بالکل نہیں سنوں گا، یہ لو۔''

اس نے ایک لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔

''یہ کچھ کاغذات ہیں، انہیں تم سنبھال کر رکھو گے مکرم، انہیں کب کھولنا ہے تم خود جان جاؤ گے۔ اور جو کچھ میں نے کہا ہے، مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنی سماعتوں کے پردے پر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہوگا۔ زندگی میں جو بڑے قیمتی تحفے میں نے پائے ہیں ان میں سے ایک تم ہو مکرم۔''

اس نے شیشی کھولی، پاس رکھے جوس کے جگ میں انڈیلی اور مسہری کے پیچھے ڈال دی۔

مکرم علی پھٹی ہوئی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا۔

دروازہ کھول کر وہ تھکی ہاری اندر آئی۔ وہ چند لمحے کھڑی وہ ان دونوں کو دیکھتی رہی۔

''کیا بات ہے عالم۔'' پھر اس نے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں جانِ عالم۔'' وہ مسکرایا ''میں تمہارا انتظار تو کر رہا تھا۔''

''اچھا۔'' وہ مسکرائی اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''یہ جوس ویسے کا ویسا پڑا ہے چھوا تک نہیں آپ نے۔''

''دل نہیں چاہ رہا تھا۔'' وہ مسکرایا ''اب چاہ رہا ہے۔''

''نکال کر دوں۔''

''ہوں، پلا دو اپنے ہاتھوں سے جو مجھے بہت عزیز ہیں۔''

اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''سائیں۔'' مکرم علی کے لب لرزے اور اس کا تو پورا وجود لرز رہا تھا۔

عالم شاہ نے اسے ایسی گہری سرد نگاہ سے دیکھا اور اندر تک ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ گلاس بھرنے میں منہمک تھی۔

''یہ لیں۔''

''کہا ناں تم پلاؤ۔'' اس نے بچوں کی طرح ضد کی۔

وہ مسکرائی بڑے دنوں بعد وہ اس طرح سے بولا تھا، لہجے میں شگفتگی لیے اور نظروں میں پیار۔ اس نے گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔

مکرم علی نے کرب کی انتہا منزل پر پہنچ کر آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

''روشنی۔'' گلاس خالی کر کے وہ بڑی محبت سے بولا۔

''جی، کہیں۔'' وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جما کر اسے دیکھنے لگی۔

''کچھ باتیں ہیں جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں، لیکن ہمت نہیں پاتا۔ اس لیے وہ باتیں میں نے لکھ لی ہیں۔''

''اوہ۔'' وہ شوخی سے مسکرائی ''لائیں دیں پڑھوں تو سہی ایسی کون سی باتیں ہیں جو آپ مجھ سے نہیں کہہ پا رہے۔''

''ہاں، دوں گا ایک شرط پر۔''

''کہیے۔''

''تم اس وقت تک میرے پاس بیٹھو گی جب تک میں آرام سے سو نہ جاؤں۔''

''پھر نیچے لان میں جا کر پڑھو گی میں نے کیا لکھا ہے۔''

''ٹھیک۔'' وہ زور سے ہنسی ''اور کچھ ایسا ویسا لکھا ہوگا تو بات بھی نہیں کروں گی، اس لیے سوچ سمجھ کر دیجیے گا۔''

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا اور سائیڈ میں دبا لفافہ نکال کر اسے دے دیا۔

''چلیں سوئیں اب۔'' وہ مسکرائی ''بند کریں آنکھیں۔''

''ذرا کو۔'' اس نے التجا کی ''تمہیں ٹھیک سے دیکھ تو لوں۔''

نگاہوں میں بے تحاشا جذبے بھرے وہ اسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں چند لمحوں میں وہ بے خبر ہو گیا۔

✿......✿......✿

اس نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اس میں سے عالم شاہ کی مخصوص مہک آ رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے لفافہ چاک کیا خط نکالا اور پڑھنے لگی لکھا تھا۔

روشنی کے نام

جس نے میری تقدیر کے اندھیروں کو دور کیا۔

دعا ہے کہ تمہیں وہ تمام خوشیاں ملیں جو تم سے چھین لی گئیں۔

تمنا تھی کہ تمہیں اس نام سے پکاروں جس نے ہمیشہ تمہارے گرد اجالے بکھیرے اور تمہارے لبوں پر مسکراہٹیں کھلائیں۔ تمہارا حق ہے کہ تمہیں اسی نام سے پکارا جائے لیکن شرمندہ ہوں کہ شاید مجھے وہ نام لینے کا بھی حق نہیں......

روشنی! آج وہ عالم شاہ تم سے مخاطب ہے جسے تم نے بنایا اور جو تم پر ہی مٹ جانے کی تمنا بھی رکھتا ہے۔ وہ سید عالم شاہ جو جبر اور قوت کو اپنی شناخت سمجھتا تھا کب کا فنا ہو چکا۔

میں سمجھتا ہوں کہ روشنی میں تم سے محبت نہیں عشق کرتا ہوں۔ محبت کو میں نے اپنے جنون کے لیے بڑا معمولی لفظ سمجھا تھا لیکن خبر ہوئی کہ عالم شاہ نے تو اپنی ساری عمر اندھیروں میں گزاری ہے۔ مجھے احساس ہوا روشنی کہ محبت کا نام ہے محبوب کی خوشیوں کی تمنا رکھنے کا اس کے نام اپنے حصے کی خوشیاں اور مسرتیں لکھ دینے کا، اپنی ہستی کو فنا کر کے اس کی ذات کو جلا بخشنے کا۔

محبت وہ کب تھی، جو عالم شاہ نے کی۔

محبت تو وہ تھی جو اجالا نے کی۔

عشق تو وہ تھا جو آذر نے کیا۔ جنہوں نے اپنے لیے ہمیشہ آنسوؤں کا انتخاب کیا۔ اور محبوب کے لیے مسکراہٹوں کا، کانٹے اپنے حصے میں رکھے اور پھول دوسروں کے دامن میں ڈال دیے۔

محبت تو اسی جذبے کا نام ہے عالم شاہ نے چاہا تھا تو خود کو، خوشیاں چاہی تھیں تو اپنی ذات کے لیے۔ وفائیں کسی کے نام لکھیں بھی تو پس پردہ خواہش کی تھی دنیا بھر کی وفائیں اپنے نام لکھوا لینے کی۔ عالم شاہ تو بڑا خود غرض، بڑا کمینہ شخص تھا اور تم عظمتوں کے مینار پر کھڑی وہ ہستی ہو جس نے اپنے عالم شاہ کو بھی مایوس نہیں کیا جو اس نے چاہا اس کے دامن میں ڈال دیا۔ اپنا تمام خلوص، اپنی ساری وفائیں اسے سونپ دیں جو شاید اس قابل تھا ہی نہیں۔ سید عالم شاہ خوش نصیب ہے کہ اس نے اپنی زندگی سے جو چاہا وہ اسے مل گیا۔ اور جواب میں اس نے تمہیں کیا دیا؟ آنسو، دکھ، نارسائیاں اور بے وفائی کے الزام، یہ وہ گناہ ہے جو میری اپنی نگاہ میں ناقابل معافی ہے۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ سید عالم شاہ بھی تمہیں وہ شے دے گا جو تمہاری دی گئی چیزوں کے جواب میں بڑا خوبصورت قیمتی اور انوکھا تحفہ ہے۔

تمہیں یاد ہوگا روشنی، میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ محبت جو تم نے آذر سے کی اور آذر نے تم سے ان دونوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پر عالم شاہ کی محبت جنون اور خواہش کو تو عالم شاہ کا پلڑا بھاری ہوگا تو وقت آ پڑا ہے اپنی بات کو سچ کر دکھانے کا۔

ایک ہی تو وصف رہا ہے عالم شاہ میں ہمیشہ اپنے کہے کا پاس کیا۔

تو سنو روشنی!

عالم شاہ تمہیں آزاد کرتا ہے ہر اس بندھن سے جو اذیتوں کا، اپاہج پن کا بندھن ہے۔

عالم شاہ تمہیں آزاد کرتا ہے ان تمام بندھنوں سے جو جبر، ظلم اور زبردستی کے بندھن تھے۔ عالم شاہ آزاد کرتا ہے اس معصوم، خوبصورت چڑیا کو جو اس کی سخت بے رحم مٹھی میں سہمی سہمی رہتی تھی۔ آنکھوں میں خوف اور آنسو بھرے۔

عالم شاہ اسے خوشیوں کی، مسکراہٹوں کی نوید سناتا ہے۔''

خط کو دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر اس نے ایک خوف کے عالم میں سینے سے لگا لیا۔ دل اس طرح سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی سینہ پھاڑ کر باہر آ جائے گا۔

''کیا...... کیا مطلب ہے ان لفظوں کا۔'' لبوں پر زبان پھیر کر اس نے سوچا ''طلاق؟''

''نہیں، نہیں عالم شاہ تم ایسا نہیں کر سکتے، ابھی تو میں نے تم سے وہ سب کچھ کہنا ہے جو کب سے اس دل میں ایک خزانے کی طرح منہ بند رکھا ہے۔''

لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے خط کو سیدھا کیا اور آگے پڑھنے لگی۔

''تم اتنی اچھی بیوی ثابت ہوئیں کہ تم نے کبھی میری کوئی بات نہیں ٹالی۔ چند خواہشات ہیں روشنی، مجھے یقین ہے تم انہیں ضرور پورا کروگی۔ اسے عالم شاہ کا حکم سمجھو یا التجا، پہلی خواہش یہ ہے روشنی کہ اس گھر کو کبھی مت چھوڑنا، یہ گھر تمہارے بنا اداس ہو جاتا ہے، اور اس کا اداس ہونا مجھے اداس کر دیتا ہے۔ یہ گھر جس کے در و بال سے تمہاری خوشبو آئی ہے، بہت عزیز ہے مجھے۔ اس گھر کو مت چھوڑنا روشنی۔

ایک خواہش یہ ہے کہ اس شخص کو مزید مایوس مت کرنا جو نجانے کب سے ہجر کے تپتے صحرا میں ننگے پاؤں تمہارے قرب کے سراب کے پیچھے دوڑتا چلا آ رہا ہے وہ شخص جس کا عکس تمہارے آنسوؤں میں لرزتا ہے، اور تمہاری مسکراہٹوں سے جھلکتا ہے، اسے مایوس مت کرنا۔

میں نے تم سے کہا تھا روشنی کہ تم ساتھ ہو تو عالم شاہ ہر اس سزا کو پانے کے لیے تیار ہے جو مکافات عمل کے تحت اس کے حصے میں آئے لیکن میں غلطی پر تھا میں نے سوچا ہی نہیں کہ اپنے اپنے حصے کی سزا تو ہر شخص نے اکیلے ہی پانی ہوتی ہے۔ یہ سزا تو صرف میرا مقدر ہونا چاہیے تو سنو روشنی، عالم شاہ اپنی سزا خود منتخب کرتا ہے۔

جس لمحے تمہاری نظر کی خوشبو ان الفاظ پر بکھر رہی ہوگی۔ سید عالم شاہ اپنے انجام کو پہنچے گا۔ وہ انجام جو بڑا دلکش بڑا خوش کن ہے کہ تمہاری مرمریں ہاتھوں سے آخری جام پی کر حاصل ہوا ہے۔ اور وہ انجام جسکے بعد سید عالم شاہ ہمیشہ کے لیے تمہیں کھونے کے خوف سے رہائی پا جائے گا۔

آخری خواہش یہ ہے روشنی کہ میری قبر اسی گھر کے کسی گوشے میں بنا دینا کہ مر کر بھی تم سے جدا ہونا عالم شاہ کو گوارا نہیں۔

میرے لیے بس اتنی دعا کرنا کہ خدا میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری دعائیں رد نہیں ہوتیں۔

تمہارا حرماں نصیب

سید عالم شاہ

وہ چند لمحے سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی موت کے سناٹے اس کے اندر گونجنے لگے پھر اس کے بے جان جسم کو جیسے کسی نے ایک غیر مرئی شکنجے سے آزاد کر دیا۔

''عالم...... عالم۔''

زور زور سے چیختی وہ اٹھ کر اندر کی طرف بھاگی۔ دیوانہ وار راستہ طے کر کے وہ اوپر پہنچی، اندر کمرے میں مکرم علی اس کے دونوں پاؤں تھامے سسک رہا تھا۔

''نہیں، نہیں۔'' وہ دروازے پر ہی رک گئی ''ایسا نہیں ہو سکتا، تم مجھے اس طرح بیچ راہ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

وہ گھسٹتی ہوئی اس تک پہنچی۔

''سنو عالم شاہ تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ دیکھو دیکھو تم ہمیشہ غیر منصفانہ کھیل کھیلتے ہو۔''

''سنو عالم شاہ، وہ چڑیا جسے تم نے ایک عرصے پانی مٹھی میں بند رکھا، اس چڑیا کو تمہارے ہاتھوں کی گرماہٹ، ان کی خوشبو، ان کی نرمی کی عادت ہو چکی ہے، وہ چڑیا اپنے ظالم، بے رحم صیاد سے محبت کرنے لگی ہے۔''

وہ اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''بڑی خواہش تھی ناں تمہیں یہ الفاظ سننے کی تو سنو عالم شاہ میں محبت کرتی ہوں تم سے۔

تم مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ دیکھو جب مقبرے میں پہنچ ہی گئے تھے تو خزانہ تلاش کرنے کو کچھ دیر تو رکے ہوتے۔ منزل پر پہنچ کر ہار گئے لوٹ آؤ عالم شاہ لوٹ آؤ۔''

اپنی چیختی، بین کرتی مالکن کو مکرم علی نے بڑی مشکلوں سے سہارا دیا تھا۔

✿......✿......✿

اس نے مٹی کو مٹھیوں میں بھرا ہوا اور چھوڑا پھر بھر لیا۔
''دیکھو کتنے غیر منصفانہ کھیل کھیلتے ہو تم، آخر ہو نا ظالم وڈیرے سارے فیصلے اکیلے کر لینے کے عادت جو رہی ہے تمہیں، نہ ملتے ہوئے پوچھا، نہ بچھڑتے ہوئے۔
سیاہ آنچل میں اس کا چہرا جذبات کی حدت سے دہک رہا تھا۔
''اور کیسا بدلہ چکا گئے ہو، آج میں شدتوں سے یہ خواہش کرتی ہوں کہ تم ایک بار کہیں سے مجھے مل جاؤ اور میں تم سے کہوں، سنو عالم شاہ، میں محبت کرتی ہوں تم سے۔''
''اجالا۔'' آذر نے جھک کر اسے سہارا دے کر اٹھایا ''چلو اب بس کرو، اندر چلتے ہیں۔'' وہ اٹھی اس کی گود سے سحر کو لیا۔ چوما اور اس کے ساتھ اندر چل پڑی، اور آذر جانتا تھا اندر جا کر بھی وہ پردے ہٹائے گی اور شیشے کی دیوار کے پار نظر آتی عالم شاہ کی قبر کو تا دیر دیکھتی رہے گی۔
مجھے لگتا ہے آذر مرد محض دعویٰ کرتے ہیں۔'' اس نے کبھی کہا تھا ''بے پناہ محبت کا عشق کا، جنون کا اور قتل ہوتا ہے عورت کی خوشیوں کا، جاگتے میں روتی ہے تو عورت، سوتے میں مسکراتی ہے تو عورت۔''
اور وہ اسے نجانے کب سے جاگتے میں روتا اور سوتے میں مسکراتے ہوئے دیکھتا تھا۔ لیکن اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس نے کہا تھا۔
''کیا کوئی ایسا اسم ہے جسے پڑھنے سے انسان اپنی تقدیر کے چکر سے باہر آ سکے۔ ایک سدھی رواں، متوازن راہ پر سکون واطمینان سے چل سکے۔ مجھے محض اس راہ کی آرزو ہے۔''
اور آذر کو یقین تھا، وہ راہ سید عالم شاہ نے تحفتاً ان دونوں کو دے دی تھی۔ اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ محبتیں ہر زہر کا تریاق ہوتی ہیں، وہ اپنی اجالا کی راہ میں دوبارہ سے اجالے بکھرا دینے کا ہنر جانتا تھا اور اسے اپنے ہنر پر پورا بھروسا تھا۔
مکرم علی نے دونوں کے لیے دروازہ وا کیا۔ اور ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔
باہر لان میں ایک گوشے میں بنی قبر پر لیمپ روشن تھا اور اس کی روشنی میں اس قبر کے کتبے پر لکھی تحریر صاف پڑھی جا سکتی تھی لکھا تھا۔

سید عالم شاہ
وہ عمر جس کی ماروی کو اس سے محبت ہو گئی

عشق کا عین

عشق کا عین...... علیم الحق حقی کے حساس قلم سے، عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے سفر کی داستان، ع......ش......ق کے حروف کی آگاہی کا درجہ بہ درجہ احوال۔ **کتاب گھر پر جلد آرہا ہے۔**